

شمارہ: 14
اپریل، مئی، جون 2021

مدیر: اے آر خان

سہ ماہی
قندیل حق
لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com



مسجد دار السلام، یوکے



مسجد بیت الصمد، بالٹی مور، امریکہ



مسجد بیت العافیت، فلاڈیلفیا، امریکہ

مجلس ادارت

فہرست

طاغوتی طاقتوں کی ناکامی	اداریہ	5
خلافت میں اطاعت کے نمونے	نصیر احمد انجم۔لندن	6
مرورِ زمانہ اور مسلم کی تعریف	ادارہ	23
حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام اور اردو ادب	ادارہ	24
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر اعتراضات کے جوابات	ادارہ	29
ایم ٹی اے غانا کے افتتاح پر	عبدالکریم قدسی	51
حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ میرے اتالیق	انجینئر محمود مجیب اصغر	52
غزل	مبارک صدیقی	58
وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا	جمیل احمد بٹ	59
فحش گوئی اور نعرہ تکبیر	منقول سفینہ لاہور	65
آسمان احمدیت کا درخشندہ ستارہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان	حافظ قدرت اللہ	92
غزل	مبارک صدیقی	100
در مدح حضرت مصلح موعودؓ	مولانا ظفر احمد	102
قادیان دارالامان سے سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ اور افرادِ جماعت کی ہجرت اور قیامِ ربوہ	خواجہ محمد افضل بٹ۔امریکہ	104
غزل	آدم چغتائی	119
تعلیم الاسلام کالج۔ربوہ کی مختصر تاریخ اور کچھ میری اپنی یادیں	سید حسن خان لندن	120
حضرت مصلح موعودؓ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	رجل خوشاب	126

غزل	عبدالصمد قریشی	129
نئی دنیا	سر ظفراللہ خان	130
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا تعلیمی منصوبہ اور نوبیل انعام یافتہ احمدی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام	انجینئر محمود مجیب اصغر	138
حمد	عاصی صحرائی	141
حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب ؓ کی قلمی تصویر	مرزا غلام صادق ادیب فاضل	147
ثمرات اطاعت	ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب	152
حضرت مولوی محمد حسین ؓ (سبز پگڑی والے) کی تصنیف ''میری یادیں'' سے چند ایمان افروز واقعات	ادارہ	168
جماعت احمدیہ کے خوش بیان شاعر محترم عبدالسلام اختر ایم اے	ادارہ	174
لاطینی امریکہ اور مایا تہذیب	اقبال احمد نجم	177
ہمارا گھر ہوتی ضلع مردان میں	زبیدہ قاضی	181
آؤ بلبل کے مل کے نالہ کریں	حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے	199
نعت	حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ	214
ایک جلالی کشف	ڈاکٹر فضل الرحمٰن ۔ تنزانیہ	215
یادیں مکرم ناصر جاوید خان	ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز	217
رحمۃ للعالمین کے پیروکار	منقول	219
ایک برگزیدہ شجر ۔ محترم چوہدری حمیداللہ صاحب مرحوم	انجینئر محمود مجیب اصغر	221
بلعم بن باعور	طیبہ شہناز کریم (لندن)	229
حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت صوبہ پنجاب	صفدر علی وڑائچ	241
گلدستہ	رانا عبدالرزاق	242
اسلام نے صفائی کے مؤثر طریقوں سے آگاہ کیا	ادارہ	243
کائنات کی وسعت اور روشنی کی رفتار	ادارہ	247



اداریہ　طاغوتی طاقتوں کی ناکامی

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



جب بھی دنیا میں کوئی منادی آیا تو مقتدر طاقتوں نے ہمیشہ اپنے لئے ایک خطرہ جان کر اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔جن انبیاء کی کچھ تاریخ جو قرآن مجید میں بتائی گئی ہے ۔اس سے پتہ چلتا ہے۔کہ انبیاء کو قتل بھی کیا گیا،آگ میں بھی پھینکا گیا۔اسے معاشرے کا بدترین شخص ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ۔ ہر لحاظ سے اسے مطعون کیا گیا ۔وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا،اس کی کردار کُشی کی گئی ۔اسے پھانسی پر بھی چڑھایا گیا۔تا کہ اس کی شخصیت کو بدنام کر کے عوام الناس میں گندہ کیا جائے اور مقتدر لوگوں کا سکہ چلتا رہے۔اس ظلم اور منصوبہ بندی کے کردار بہت سے رہے۔مگر چند ظالموں کا نام تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔ان میں شداد،نمرود،فرعون وقارون، آذر اور پیلاطوس،ابوجہل،ابولہب،یزید،چنگیز،اور ہلاکو خان، بھٹو اور ضیاءالحق وغیرہ کے نام زندہ ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جس اولوالعزم نبی کا بروز ٹھہرایا گیا۔اسی مرتفع مقام کے مطابق مقابلہ اور مقابلے پر آنے والے فراعین بھی اس قدر مرتفع اور گھمبیر ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے مقام اور مرتبہ کی رفعت کا پتہ چلتا ہے۔دجال اور یاجوج ماجوج کے علاوہ چھوٹے چھوٹے دجال بے شمار پیدا کئے گئے ۔جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پورا کرنے کے سامان بھی ان کے ذریعہ ہوئے۔دلائل اور براہین سے تو ان سب کو شکستِ فاش ملی۔مگر اب ان ملعون اقوام کے خون کا آخری قطرہ بھی کام میں لایا جا رہا ہے۔علمائے جماعت احمدیہ نے تو شش جہت پیغام کو پہنچانے کا حق تو ادا کرنا ہی تھی۔مگر اللہ تعالیٰ نے ’’داغ ہجرت‘‘ کے ذریعہ عام انسانوں کو بھی اس پیغام کو پھیلانے کا باعث بنایا۔دوصد ممالک سے زائد میں یہ دیوانے پہنچے۔اور امام مہدی علیہ السلام کا پیغام چہار دانگ پھیل گیا۔یہ طاغوتی طاقتیں فیل ہوگئیں اور بے بس ہوگئیں۔آپ سب یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن نے ہماری آواز کو بند کرنے کے سب جتن کئے مگر یہ آواز حق شش جہت پھیل گئی۔اس لئے احباب کو مزید کمر کسنے کی ضرورت ہے ۔ اس کھلی جنگ میں خود تو آپ ڈٹے ہوئے ہو اپنی اولادوں کو بھی وقف کر کے جھونک دو ۔کہ یہی زندگی ہے اسی میں ثبات ہے۔یہی خلافت کی تمنا ہے۔یہی اللہ اور رسول ﷺ کا مقصد ہے۔اطاعت خلافت میں بغیر سوچنے کے رخت سفر باندھو۔اور پیغام امام وقت کو ہر ذی رُوح تک پہنچانے کے لئے ڈٹ جاؤ۔باکردار ہوکر،بےلوث ہوکر،باعمل ہوکر اس قافلے میں شامل ہو جاؤ کہ یہی زندگی کا حاصل ہے۔

بادِمخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے



خلافت میں اطاعت کے نمونے

(نصیر احمد انجم۔ استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا۔ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔

(آل عمران:104)

اطاعت کا لفظ عربی ہے اور طَوع سے نکلا ہے جس کا معنی ہے مرضی اور خوشی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اطاعت اور فرمانبرداری دراصل وہی ہوتی ہے جو خوشی سے، مرضی سے اور بشاشت قلبی سے کی جائے۔ کراہت سے یا بے رغبتی سے کی گئی فرمانبرداری اطاعت کی روح کے خلاف ہے۔

قرآن کریم میں بار بار اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اطاعت رسول میں اطاعت خلافت بھی شامل ہے کیونکہ خلافت نبوت کا تتمہ ہوتی ہے۔ خدا کی پہلی قدرت نبوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسری قدرت خلافت کی صورت میں۔ پس خلیفہ جو نبی کا جانشین ہوتا ہے اس کی اطاعت بھی ازبس ضروری ہے۔

قرآن کریم کی جو آیت شروع میں تلاوت کی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کی رسّی سے مراد رسول اللہ اور کتاب اللہ ہیں اور رسول کی نیابت میں خلیفہ بھی حبل اللہ ہوتے ہیں۔ یعنی خدا کا قائم کردہ خلیفہ۔ اس رسّی کو مضبوطی سے کیسے تھاما جائے؟ اس کی تشریح خود رسول مقبول ﷺ نے فرمادی ہے فرمایا:

فَاِنْ رَأَیْتَ یَوْمَئِذٍ خَلِیْفَةَ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ فَالْزَمْہُ وَاِنْ نُہِکَ جِسْمُکَ وَاُخِذَ مَالُکَ۔

(مسند احمد بن حنبلؒ جلد نمبر 5 صفحہ 403 حدیث حذیفۃ بن الیمان)

اے مخاطب! اگر تو اس زمانے میں ہو اور اللہ کے خلیفہ کو زمین پر دیکھے تو اس سے چمٹ جانا خواہ تیرا جسم نوچ دیا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے۔

اطاعت کا اعلیٰ معیار کیا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ”کیا

اطاعت ایک سہل امر ہے؟ جو شخص پورے طور پر اطاعت نہیں کرتا وہ اس سلسلہ کو بدنام کرتا ہے۔''
(ملفوظات جلد 2 صفحہ 411)

فرمایا: ''اطاعت کوئی چھوٹی سی بات نہیں اور سہل امر نہیں۔ یہ بھی ایک موت ہوتی ہے۔ جیسے ایک زندہ آدمی کی کھال اتاری جائے ویسی ہی اطاعت ہے۔''
(الحکم 31 اکتوبر 1902ء صفحہ 10)

پھر فرمایا: ''اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔ اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بت بن سکتی ہے۔''
(الحکم مورخہ 10 فروری 1901 صفحہ 1)

۞...... **حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اطاعت کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''چاہئے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میت غسّال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسا وابستہ کرلو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ** اور پھر ہر روز دیکھو کہ ظلمت سے نکلتے ہو یا نہیں...... تیرہ سو برس کے بعد یہ زمانہ ملا ہے اور آئندہ یہ زمانہ قیامت تک نہیں آ سکتا۔ پس اس نعمت کا شکر کرو کیونکہ شکر کرنے پر ازدیادِ نعمت ہوتا ہے۔''
(خطبات نور صفحہ 131 خطبہ عید الفطر جنوری 1903ء)

۞...... سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''خلافت کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم، وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفہ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔''
(الفضل 31 جنوری 1936ء صفحہ 9)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:۔

(خلفاء کی) اطاعت کا حکم دراصل اس لئے دیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ تمہیں رفعت بخشنا چاہتا ہے۔ اگر تم ان کی اطاعت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ابلیس بن جاؤ گے۔ اگر تم ابلیس نہیں بننا چاہتے تو پھر تمہیں خلفاء کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ تمہیں ان کی کامل طور پر اور بشاشت کے ساتھ اطاعت کرنی پڑے گی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 مارچ 1972 بحوالہ خطبات ناصر جلد چہارم صفحہ 125)

۞......**حضرت مرزا طاہر احمد صاحب) خلیفۃ المسیح الرابع (**رحمہ اللہ نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر 28 اکتوبر 1979ء کو اپنے خطاب میں فرمایا:۔

''ہمارے عہد میں ایک چیز شامل ہے خلافت سے وابستگی۔ مَیں آپ کو خوب کھول کر بتانا چاہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ جو انسان یعنی فرد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ اپنی جگہ پر خطرناک ہیں۔ میرا تجربہ ہے جماعت کے ان لوگوں پر نظر ڈال کر جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے وہ بھی نیک انجام پا گئے۔ لیکن خلافت کے خلاف بے ادبی کرنے والوں کا کبھی مَیں نے نیک انجام ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ بھی تباہ ہوئے اور ان کی اولادیں بھی تباہ ہوئیں۔ کیونکر ایسا ہوتا ہے؟ اس لئے کہ خلافت وہ خدائی رسّی ہے جس کے ساتھ دنیا نے بندھنا ہے، جس کے ساتھ خدا کے ساتھ تعلق قائم ہونا ہے۔ یہ حبل اللہ ہے اور خدا، عظیم خدا اگر ایک بندہ کی لغزش دیکھ کر اسے معافی دینا چاہے تو دیتا چلا جائے گا، کوئی نہیں جو روک سکے۔ لیکن اگر کوئی اس کی رسّی پر ہاتھ ڈالتا ہے اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے لئے یہی پیغام ہے:۔

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم

مسیح موعودؑ کے بعد شاخ مثمرم وہ شاخ ہے جس پر ہمیشہ روحانیت کے پھل لگتے رہیں گے۔ وہ خلافت ہے، اس شاخ پر اگر کسی نے بدنظر کی تو وہ یقینا تباہ اور برباد کر دی جائے گی۔ خائب و خاسر کی جائے گی۔ وہ ہاتھ کاٹے جائیں گے جو بدنیتی سے اس کی طرف اٹھیں گے اس لئے ہمیشہ کامل غلامی کے ساتھ خلافت کی اطاعت کا عہد کریں اور اس پر قائم رہیں۔''

(الفضل انٹرنیشنل 18 جولائی 2008 صفحہ 13)

۞......**حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:**

''پس اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دنیا پر غالب آنا ہے تو میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ اس حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ ہماری ساری ترقیات کا دارومدار خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 23 تا 30 مئی 2003ء صفحہ 1)

خلافت کا یہ عظیم الشان مقام اور خلافت کی اطاعت کا مضمون وہ ذی شعور لوگ بھی جانتے ہیں جن کو خلافت حقّہ نصیب نہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:۔

''قرآن وسنت کے مطابق اس کے جو کچھ احکام ہوں

ان کی بلا چون چرا تعمیل واطاعت کریں۔سب کی زبانیں گونگی ہوں صرف اس کی زبان گویا ہو۔سب کے دماغ بیکار ہوجائیں صرف اس کا دماغ کارفرما ہو۔لوگوں کے پاس نہ زبان ہو، نہ دماغ صرف دل ہو جو قبول کرے صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔اگرایسا نہیں تو ایک بھیڑ ہے۔ایک انبوہ ہے۔جانوروں کا ایک جنگل ہے۔کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے۔مگر نہ تو جماعت نہ قوم نہ اجتماع۔اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں۔کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں۔قطرے ہیں مگر دریا نہیں۔کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی ہیں مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرسکتی ہیں۔''

(مسئلہ خلافت صفحہ 314 شائع کردہ سجاد پبلشرز حسین منزل پیسہ اخبار لاہور)

۞......نظام خلافت اور اس کی اطاعت کا لطیف نکتہ

حضرت نبی کریم اکی اس مشہور حدیث مبارکہ میں مضمر ہے : اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّيَّات۔ عام طور پر اس کا مطلب یہ کیا جاتا ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیت اور ارادہ پر ہے۔لیکن نیت کا ایک مطلب سمت اور طرف بھی ہے۔اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوا کہ اعمال کی طاقت اور قوت کا انحصار ان کے ایک ہی رخ میں ہونے پر ہے۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ سورج سے نکلنے والی روشنی مختلف اطراف میں پھیل جاتی ہے اور اگر کالا کپڑا بھی آگے رکھ دیا جائے تو روشنی کو روک لے گا۔لیکن اگر کسی طریق سے سورج کی روشنی کو ایک ہی سمت میں کر دیا جائے تو اس میں بے انتہا طاقت پیدا ہو جائے گی۔اور وہ روشنی کالا کپڑا تو کیا دیوار ،پتھر،سیسے اور لوہے کو بھی چیر کر نکل جائے گی۔ ہمارے زمانے میں لیزر اس کی بہترین مثال ہے۔

روحانی طور پر خلافت بھی یہی کام سر انجام دیتی ہے۔معاشرے کے مختلف افراد کے خیالات اور اعمال مختلف سمت میں ہونے کی وجہ سے طاقت اور قوت حاصل نہیں کر پاتے۔لیکن خدا کی طرف سے قائم کردہ امام اور خلیفہ کی بیعت اور اطاعت کرنے سے ان خیالات اور اعمال کا رخ متعین اور سمت ایک ہو جاتی ہے اور ان میں بے انتہا طاقت اور برکت پیدا ہو جاتی ہے۔اسی بات کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں فرمایا ہے:

''یہ انتظام (بیعت کا نظام) جس کے ذریعہ سے راستبازوں کا گروہِ کثیر ایک ہی سلک میں منسلک ہو کر وحدتِ مجموعی کے پیرائے میں خلق اللہ پر جلوہ نما ہوگا اور اپنی سچائی کے مختلف المخرج شعاؤں کو ایک ہی خطِ ممتد میں ظاہر کرے گا خداوند عز وجل کو بہت پسند آیا ہے''۔

(اشتہار 4 مارچ 1889ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 194)

حضور کے زمانہ میں تو قادیان میں بجلی بھی نہ تھی اور لیزر تو ہمارے سامنے نکلی ہے۔لیکن تشبیہ جو حضور نے دی ہے وہ عین بین اس کے مطابق ہے کہ مختلف المخر ج شعائیں فائدہ دیتی ہیں۔ایک جماعت کے نیک افراد کے اعمال فائدہ دیتے ہیں لیکن قوت اور طاقت پیدا نہیں ہوتی۔قوت اور طاقت کے لئے فرماتے ہیں کہ مختلف المخر ج شعاؤں کو ایک ہی خطِ ممتد میں یعنی جس طرح لیزر چلتی ہے اور اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا اسی طرح ایک جماعت کے نیک اعمال بیعت کے بعد ایک سلک میں پرو کر خلیفہ کی اطاعت میں جب ایک سمت میں چلیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔اور یہ بات اللہ کو بہت پسند ہے۔

خلافت راشدہ کے دور میں اطاعت کے نمونے

آغاز اسلام میں خلافتِ راشدہ کے دور میں اطاعت خلافت کی بے نظیر مثالیں قائم ہوئیں۔دو مثالیں آپ کو سناتا ہوں۔

۞......اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند گرے ہیں۔آپؓ نے یہ خواب اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بھی بیان کیا۔جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا اور آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہی دفن ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہاھٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِکَ ۔یعنی اے عائشہ تیرے حجرے میں آنے والے چاندوں میں سے یہ پہلا چاند ہے۔

(مستدرک للحاکم کتاب المغازی جزونمبر 3 روایت نمبر 4401)

پھر حضرت ابوبکرؓ کا جب وصال ہوا تو آپ اسی حجرہ میں نبی کریم ا کے پہلو میں دفن ہوئے۔یہ دوسرا چاند تھا۔حضرت عائشہؓ کی شدید خواہش تھی اور ہونی بھی چاہئے تھی کہ آپ خود یہاں دفن ہوں تا کہ تیسرا چاند قرار پائیں اور اپنے عظیم باپ اور عظیم ترین شوہر کے قرب میں دفن ہوں۔لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ میری خواہش ہے کہ میں آپ کے حجرے میں رسول اللہ ا اور ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہوں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كُنْتُ اُرِيْدُهُ لِنَفْسِيْ فَلَاُوْثِرَنَّهٗ الْيَوْمَ عَلَيَّ۔

یعنی مَیں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن اب مَیں اپنی خواہش کو چھوڑ کر خلیفۂ وقت کی خواہش کو ترجیح دوں گی۔اور ایسا ہی ہوا کہ اس حجرے میں حضرت عمرؓ دفن ہوئے۔اس طرح حضرت اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے اطاعتِ خلافت کا عمدہ نمونہ سکھایا۔

(بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ

حدیث نمبر 1392)

دوسرا واقعہ اللہ کی تلوار حضرت خالد بن ولیدؓ کا ہے۔ آپ شام کے علاقہ میں مسلم افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔لیکن حضرت عمرؓ نے خلیفہ بننے کے کچھ عرصہ بعد بعض مصالح کی وجہ سے آپ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ کو کمانڈر انچیف مقرر فرمایا۔ جب یہ اطلاع حضرت خالد بن ولید ؓ کو ملی تو آپ بلا چون و چرا اپنے عہدے سے الگ ہوئے اور اطاعتِ خلافت کا شاندار نمونہ پیش کرتے ہوئے خود لوگوں کو خطاب کے ذریعے بتایا کہ لوگو!اب خلیفۃ الرسول کی طرف سے ابوعبیدہ بن الجراح (امین الامت) سپہ سالار مقرر ہوئے ہیں ان کی اطاعت کرو۔آپ خود چل کر ابوعبیدہ کے پاس گئے اور انہیں سپہ سالاری سونپ دی۔

(بحوالہ سیرت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم از مکرم حافظ مظفر احمد صاحب صفحہ 145)

عسکری تاریخ میں شاذ ہی ایسی مثال ملے گی کہ دورانِ جنگ کمانڈر انچیف تبدیل ہو کر نئے کمانڈر کے ماتحت اسی جنگ میں شامل رہے۔لیکن یہ سب خلافت کی اطاعت کے سبب ممکن ہوا کیونکہ صحابہ جانتے تھے کہ ساری کامیابیوں کا دارومدار اطاعتِ خلافت میں ہے۔

جماعت احمدیہ میں اطاعت خلافت کی چند قابل تقلید مثالیں

امر واقعہ یہ ہے کہ اطاعت کا مضمون جماعت احمدیہ کے رگ وریشہ میں رچا ہوا ہے۔احمدی مائیں وہ ہیں جو گھٹی میں ہی اپنے بچوں کو اطاعت خلافت کا درس دیتی ہیں۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ کی تاریخ میں اطاعت خلافت کی ایسی روشن مثالیں موجود ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ مَیں نے اس مضمون پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر خلیفہ اپنے مرشد اور خلیفہ کا سب سے بڑا مطیع ہوتا ہے۔اور شاید خدا تعالیٰ کو ان کا یہ وصف بھی پسند آتا ہے کہ وقت آنے پر وہ ان کے ہی ہاتھوں میں جماعت کی باگ ڈور تھما دیتا ہے۔آیئے مَیں یہ ایمان افروز واقعات آپ کو سناتا ہوں تا کہ ہم سب میں اطاعت خلافت کا جذبہ جوش زن ہو جائے۔

۞......حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ (خلیفۃ المسیح الاوّل) کا ایک یہ واقعہ ہے۔

ایک ہندو کی بیوی بٹالہ میں سخت بیمار تھی حضور کی اجازت سے آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل) بٹالہ جانے لگے تو حضورؑ نے فرمایا کہ امید ہے آپ آج ہی واپس آجائیں گے۔عرض کی بہت اچھا۔بٹالہ گئے،مریضہ کو دیکھا،واپسی کا ارادہ کیا مگر بارش اس قدر ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔لوگوں نے کہا کہ راستہ خطرناک ہے،

بارش بہت ہے آپ کو پیدل بھی چلنا پڑے گا، آپ کل چلے جائیں۔مگر اطاعت کے پیکر حضرت مولانا ؓ نے فرمایا کہ نہیں میرے آقا کا ارشاد یہی ہے مجھے آج ہی قادیان پہنچنا ہے۔ یکّہ لیا، روانہ ہوئے راستے میں پیدل بھی چلنا پڑا، آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے مگر قادیان پہنچ گئے اور فجر کی نماز پہ حاضر ہو گئے۔حضورؓ نے دریافت فرمایا کہ ’’کیا مولوی صاحب آ گئے ہیں؟‘‘۔آپ نے آگے بڑھ کر عرض کی ’’حضور مَیں واپس آ گیا تھا‘‘۔ یہ نہیں کہا کہ حکم کی تعمیل کی وجہ سے مجھے کتنی تکلیف اٹھانی پڑی اور میرے پاؤں زخمی ہو گئے بلکہ اپنی تکلیف کا اشارۃً بھی ذکر نہ کیا۔

(روزنامہ الفضل 24 مئی 2006 صفحہ 8)

یہ آپ ہی تھے جن کے متعلق حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے فرمایا: ’’وہ ہر امر میں میری اس طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح نبض حرکتِ قلب کی پیروی کرتی ہے‘‘۔(آئینہ کمالاتِ اسلام۔روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 586)

۞......حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کو اطاعت خلافت کا سرٹیفیکیٹ تو خود حضرت خلیفة المسیح الاولؓ نے بایں الفاظ عطا فرمایا:

’’میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے............مَیں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار ہے کہ تم (میں سے) ایک بھی نہیں‘‘۔(اخبار بدر 4 جولائی 1912 صفحہ 7)

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ صحابی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام، حضرت مصلح موعودؓ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ: ’’خلافت اولیٰ کے زمانہ میں مَیں نے دیکھا کہ جو ادب اور احترام اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کی کرتے تھے اس کا نمونہ کسی او رشخص میں نہیں پایا جاتا تھا۔آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب آپ حضرت خلیفة المسیح الاوّل کی خدمت میں جاتے تو آپ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے۔اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دوزانو ہی بیٹھے رہتے۔مَیں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی۔اسی طرح آپ ہر امر میں حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے۔کسی امر کے متعلق حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کا ارشاد ہوتا تو آپ اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔‘‘ (الحکم 28 دسمبر 1939ء صفحہ 8)

حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت مصلح موعودؓ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ ’’ایک دفعہ ہم نے سنا کہ صاحبزادہ صاحب بیٹ میں شکار کو آ رہے ہیں ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے جو کھانا

ساتھ لائے ہوئے تھے، کھایا...... نماز ظہر کا وقت ہوا تو مقامی امام کو نماز پڑھانے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح عصر کے وقت بھی ہوا۔ وہاں لوگوں نے درخواست کی کہ ایک رات ہمارے پاس ٹھہریں مگر آپ نے جواب دیا کہ مَیں حضرت خلیفۃ المسیح ؓ سے ایک ہی دن کی اجازت لے کر آیا ہوں پھر کبھی آؤں گا تو رات ٹھہرنے کی اجازت لے کر آؤں گا۔ لہٰذا پھر جب آئے تو اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس بات سے ہم نے خلیفہ کی اطاعت کا سبق سیکھا۔"

(الفضل 5 نومبر 2007ء صفحہ 4)

۞......حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بھی اسی وصف سے متصف تھے۔ 1929ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جلسہ گاہ حضرت مصلح موعود ؓ کی افتتاحی تقریر کے وقت ہی چھوٹی پڑ گئی۔ اور حضورؓ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ جلسہ گاہ وسیع کیوں نہ بنائی گئی۔ اس پر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو خیال آیا کیوں نہ ہم آج رات ہی بھرپور وقار عمل کر کے پرانی جلسہ گاہ کی سیڑھیاں جن پر گیلیاں رکھی جاتی تھیں گرا کر نئی جگہ وسیع جلسہ گاہ بنا دیں تا کہ خلیفۂ وقت کی خواہش پوری کر سکیں۔ آپ نے حضرت سید محمود اللہ صاحب کے ذریعہ یہ بات حضرت میر محمد اسحاق ؓ افسر جلسہ سالانہ تک پہنچائی اور پھر فیصلہ ہوا کہ راتوں رات ہی یہ کام کیا جائے گا۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ایک کلاس فیلو مکرم چوہدری عبد الوہاب جہلمی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ "سابقہ تعمیر شدہ جلسہ گاہ ہٹا دی گئی۔ مستری آ گئے۔ اینٹ اور گارا مستریوں کو دینا اور شہتیریاں رکھنا ہم طلباء کی ڈیوٹی تھی۔ حضرت خلیفہ ثالثؒ اس وقت ایک جفاکش مزدور کی مانند تمام رات کام کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے جیسے نکمے بھی حضور کو دیکھ کر چست ہو گئے۔ حضور کے دل میں حد سے زیادہ کام مکمل کرنے کا جذبہ اور تڑپ تھی۔ اینٹ اٹھانے میں اوّل۔ گارا پہنچانے میں آگے آگے۔ شہتیریاں اٹھاتے وقت بے دریغ کندھا دینا اور ساتھ ہی ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانا۔ سردیوں کی سرد اور لمبی رات، تمام رات لگاتار کام کر کے آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"۔

(ماہنامہ مصباح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر جون جولائی 2008ء صفحہ 56)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت جلسہ گاہ بڑی بنائی جا چکی تھی بس آخری شہتیری رکھی جا رہی تھی تو ہمارے کانوں میں صبح کی اذان کے پہلے اللہ اکبر کی آواز آئی۔ وہ آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے............ جب حضرت مصلح موعودؓ تشریف لائے تو

آپ جلسہ گاہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔''

(ماہنامہ مصباح جون جولائی 2008ء صفحہ 50)

۞......حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ یہ ''ان دنوں کی بات ہے جن دنوں بنگلہ دیش میں بہت ہنگامے ہو رہے تھے (اس وقت مشرقی بنگال کہلاتا تھا) مَیں کراچی میں تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ایک کام میرے سپرد کیا اور حکم دیا کہ فوری طور پر چلے جاؤ۔ مَیں نے پتہ کروایا تو ساری سیٹیں بک تھیں ...... (متعلقہ لوگوں نے۔ناقل) کہا سیٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ بیس مسافر انتظار کرنے والوں میں ہیں اگر کوئی سیٹ خالی ہوئی تو ہم ان کو دیں گے آپ کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مَیں نے کہا اور کوئی جائے نہ جائے مَیں ضرور جاؤں گا کیونکہ مجھے حکم آ گیا ہے۔ چنانچہ مَیں ایئر پورٹ چلا گیا وہاں لائن لگی ہوئی۔ مسافر انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد لوگوں کو کہا گیا کہ جہاز چل پڑا ہے۔ اس اعلان کے بعد سب لوگ چلے گئے کوئی چانس والا باقی نہ رہا۔ مَیں وہاں کھڑا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مَیں نہ جاؤں۔ اچانک ڈیسک سے آواز آئی ایک مسافر کی جگہ رہ گئی ہے کوئی ہے جس کے پاس ٹکٹ ہو؟ مَیں نے کہا میرے پاس ٹکٹ ہے۔ انہوں نے کہا دوڑو۔ جہاز ایک مسافر کا انتظار کر رہا ہے''۔

(الفضل 25ستمبر 1998ء صفحہ2)

۞......ہمارے موجودہ امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس بھی اطاعت خلافت کا پیکر تھے۔

مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ ربوہ تحریر کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے کامل عشق تھا۔ بحیثیت عہدیدار بھی جب کبھی حضورؒ کی طرف سے کوئی ارشاد آیا اس کو من وعن تسلیم کیا اور اس پر عمل بھی کیا...... کیونکہ آپ کو اطاعت کے معنی بخوبی معلوم تھے آپ تو عشق و وفا کے کھیت کے باغبان تھے اور جانتے تھے جو خلیفۂ وقت نے فرما دیا وہی راستہ سیدھا ہے اور اسی میں برکت ہے۔

(تشحیذ الاذہان سیدنا مسرور ایدہ اللہ نمبر۔ستمبر اکتوبر 2008ء صفحہ 25)

سیدہ محترمہ امتہ السبوح صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بیان فرماتی ہیں کہ آپ ہر معاملے میں حضورؒ کے ہر حکم کی پوری تعمیل کرتے اُنیس بیس کا فرق بھی نہ ہونے دیتے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیمار ہوئے تو آپ نے منع فرمایا تھا کہ کسی کے آنے کی ضرورت نہیں لیکن طبیعت کمزور تھی اور فکرمندی والی حالت تھی، جماعت بھی پریشان اور فکرمند تھی۔ انتہائی گرتی ہوئی صورت دیکھ

کرمیاں سیفی (مرزا سفیر احمد صاحب) نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کو فون کر دیا اور صورتِ حال بتا کر کہا کہ اگر آپ آجائیں تو اچھا ہے۔ چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ تعالی لندن تشریف لے آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات کے لئے گئے تو حضور نے دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ کی طبیعت کی وجہ سے جماعت فکرمند ہے اس لئے پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ تو حضورؒ نے فرمایا کہ حالات ایسے ہیں کہ فوراً واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ بہت بہتر مَیں فوراً واپسی کی سیٹ بک کروالیتا ہوں (اور جو پہلی فلائٹ آپ کو ملی اس پر واپس لوٹ گئے)۔ بعد میں حضرت خلیفۃ المسیحؒ نے میاں سیفی سے پوچھا کہ اس (حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ) میں تو اتنی اطاعت ہے کہ یہ میرے کہے بغیر آ ہی نہیں سکتے یہ آیا کیسے؟ تب میاں سیفی نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو بتایا کہ ان کو تو مَیں نے فون پر آنے کو کہا تھا اس لئے آئے ہیں۔ اس پر حضورؒ کو اطمینان ہوا کہ ان کی توقعات کے مطابق ان کے مجاہد بیٹے کی اطاعت اعلیٰ ترین معیار پر ہی تھی۔

(تشحیذ الاذہان ستمبر اکتوبر 2008 صفحہ 20۔21)

۞ آیئے اب آپ کو حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کا ایک ایمان افروز واقعہ سناؤں۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ رقمطراز ہیں کہ حضرت خلیفہ اول ؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت اُمّ المومنینؓ نے مجھے کہا کہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مَیں چاہتی ہوں کہ آپ کا کوئی کام کروں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک طالب علم کی چھوٹی پرانی رضائی مرمت کے لئے بھیج دی۔ حضرت اُمّ المومنینؓ نے نہایت خوشدلی سے اس رضائی کی مرمت اپنے ہاتھ سے کی اور اسے درست کر کے واپس بھیج دیا اس واقعہ میں حضرت اُمّ المومنینؓ کی سیرت پر نظر کرو کہ ایک نہایت گندی اور دریدہ رضائی کی مرمت آپ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے جانشین کے حکم کی تعمیل میں کر رہی ہیں۔ رضائے مولیٰ کے لئے یہ طلب اور تڑپ جس دل میں ہو اس کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ یہی تو وہ دل ہیں جو خدا تعالیٰ کا عرش ہوتے ہیں'۔

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ صفحہ 532۔533)

حقیقت یہ ہے کہ اس خانوادہ نبوت کا ہر فرد اطاعت خلافت میں دوسروں پر سبقت رکھتا تھا۔ اس کا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے یوں فرمایا:۔

''مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے مَیں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر،

شریف، نواب ناصر، نواب محمد علی خان کرتا ہے تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔ مَیں کسی لحاظ سے نہیں کہتا بلکہ مَیں ایک امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں۔ ان کو خدا کی رضا کے لئے محبت ہے۔'' (بدر 4 جولائی 1912ء صفحہ 7)

ان خورشید مثال شخصیات سے روشنی پا کر تمام احمدیوں میں بھی اطاعت خلافت کا جذبہ ایسے گردش کرتا ہے جیسے رگوں میں لہو دوڑتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ایک سے بڑھ کر ایک واقعہ ہے جو 100 سالہ دور خلافت میں رونما ہوئے۔ جماعت احمدیہ میں اطاعت خلافت کا جذبہ شروع دن سے عنوان کی مانند نمایاں ہے بلکہ شعار قومی کی حیثیت رکھتا ہے میں وقت کی مناسبت سے صرف چند واقعات ہی پیش کروں گا۔

۞...... حضرت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ رئیس کھیوا باجوہ سیالکوٹ صحابی حضرت مسیح موعودؑ ایک مرتبہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

''مولوی صاحب (مَیں) نہیں سمجھتا کہ کوئی چیز کرنے کی ہو اور آپ کر نہ چکے ہوں۔ اب تو حفظ قرآن ہی باقی ہے۔ چنانچہ تقریباً 65 سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا۔ باوجود اتنی عمر ہونے کے حافظ قرآن ہو گئے''۔

(الفضل قادیان 19/ اپریل 1947ء)

۞...... 1923ء میں ملکانہ کے علاقے میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی نے زور پکڑا۔ امت مسلمہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت مصلح موعودؓ کا دل بے قرار ہوا اور آپ نے اسی سال 9 مارچ کو خطبہ جمعہ میں احمدیوں کو اپنے خرچ پر ان علاقوں میں جانے اور تبلیغ کے ذریعے ان مرتدین کو واپس اسلام میں لانے کا منصوبہ جماعت کے سامنے رکھا۔ آپ نے فرمایا:۔

''ہر ایک کو اپنا کام آپ کرنا ہوگا۔ اگر کھانا آپ پکانا پڑے گا تو پکائیں گے۔ اگر جنگل میں سونا پڑے گا تو سوئیں گے۔ جو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں وہ آئیں۔ ان کو اپنی عزت، اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے۔ ایسے لوگوں کی محنت باطل نہیں جائے گی۔ ننگے پیروں چلیں گے۔ جنگلوں میں سوئیں گے۔ خدا ان کی اس محنت کو جو اخلاص سے کی جائی گی ضائع نہیں کرے گا۔ اس طرح جنگلوں میں ننگے پیروں پھرنے سے ان کے پاؤں میں جو سختی پیدا ہو جائے گی وہ حشر کے دن جب پل صراط سے گزرنا ہوگا ان کے کام آئے گی۔ مرنے کے بعد ان کو جو مقام ملے گا وہ راحت اور آرام کا مقام ہوگا۔''

(الفضل 15 مارچ 1923ء صفحہ 6)

اس تحریک پر جماعت نے والہانہ لبیک کہا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، سرکاری ملازمین، اساتذہ، تجّار غرضیکہ ہر طبقے سے

فدائی ان علاقوں میں دعوت الی اللہ کرتے رہے اور ان کی مساعی کے نتیجہ میں ہزاروں روحیں ایک بار پھر خدائے واحد کا کلمہ پڑھنے لگیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چرنوں میں در آئیں۔

ایک معمر بزرگ قاری نعیم الدین صاحب بنگالی نے اگلے ہی روز جب حضورؓ مجلس میں تشریف رکھتے تھے اجازت لے کر عرض کیا کہ گو میرے بیٹے مولوی ظل الرحمان اور مطیع الرحمان متعلم بی اے کلاس نے مجھ سے کہا نہیں مگر مَیں نے اندازہ کیا ہے کہ حضور نے جو کل راجپوتانہ میں جا کر تبلیغ کرنے کے لئے وقف زندگی کی تحریک کی ہے اور جن حالات میں وہاں رہنے کی شرائط پیش کی ہیں۔ شاید ان کے دل میں ہو کہ اگر وہ حضور کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کریں گے تو مجھے جو اُن کا بوڑھا باپ ہوں، تکلیف ہوگی۔ لیکن مَیں حضور کے سامنے خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ مجھے ان کے جانے اور تکالیف اٹھانے میں ذرہ بھی غم یا رنج نہیں۔ مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر یہ دونوں خدا کی راہ میں کام کرتے ہوئے مارے بھی جائیں تو اس پر میں ایک بھی آنسو نہیں گراؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گا۔ پھر یہی دونوں نہیں میرا تیسرا بیٹا محبوب الرحمن بھی اگر خدمت اسلام کرتا ہوا مارا جائے اور اگر میرے دس بیٹے اور ہوں اور وہ بھی مارے جائیں تو بھی مَیں کوئی غم نہیں کروں گا............اس پر حضور نے اور احباب نے جزاک اللہ کہا۔(الفضل 15 مارچ 1923ء صفحہ 11)

۞......جماعت احمدیہ کی مستورات بھی خلافت کی اطاعت میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہیں۔تحریک شدھی کے دنوں ہی میں ایک احمدی خاتون نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ کو لکھا کہ حضور مَیں صرف قرآن مجید جانتی ہوں اور تھوڑا سا اُردو۔ مَیں نے اپنے بیٹے سے سنا ہے کہ مسلمان مرتد ہو رہے ہیں اور حضور نے وہاں جانے کا حکم دے دیا ہے۔ مجھے ابھی اگر حکم ہو تو فوراً تیار ہو جاؤں۔ بالکل دیر نہ کروں گی۔ خدا کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں ہر تکلیف اٹھانے کو تیار ہوں۔

۞......ایک غریب عورت جس کا گزارا جماعتی وظیفہ پر تھا حضور کے سامنے حاضر ہو کر یوں گویا ہوئی: دیکھیں یہ سر کا جو دوپٹہ ہے یہ بھی جماعت کا ہے، یہ میرے کپڑے بھی جماعت کے وظیفے کے بنے ہوئے ہیں۔ میری جوتی بھی جماعت کی دی ہوئی ہے۔ کچھ بھی میرا نہیں، مَیں کیا پیش کرتی؟ حضور صرف دو روپے ہیں جو جماعت کے وظیفے سے ہی مَیں نے اپنے لئے اپنی کسی ضرورت کے لئے جمع کئے ہوئے تھے یہ مَیں پیش کرتی ہوں کہ کسی طرح اس شدھی کی تحریک کا رخ پلٹ جائے۔(زھق الباطل صفحہ 141،140)

۞......حضرت مصلح موعودؓ نے 1944ء میں

اشاعت اسلام کے لئے احباب جماعت کو اپنی جائیدادیں وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو جماعت نے حسب روایت والہانہ اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ نے 12 مارچ 1944ء کو فرمایا: ''ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے مگر جمعہ کے دن دو بجے مَیں نے یہ اعلان کیا اور ابھی رات کے دس نہیں بجے تھے کہ چالیس لاکھ روپے سے زیادہ کی جائیدادیں انہوں نے میری آواز پر خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیں جن میں پانچ سو سے زائد مربع زمین ہے اور ایک سو سے زیادہ مکان ہیں اور لاکھوں روپیہ کے وعدے ہیں''۔

(الفضل 18 فروری 1958 صفحہ 17)

۞......مکرم نذیر احمد سانول صاحب ضلع خانیوال کے ایک مخلص احمدی مکرم مہر مختار احمد آف باگڑ سرگانہ ناظم انصاراللہ ضلع کا یہ ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

1974ء کے حالات میں مخالفین نے آپ کا عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ آپ کے پر جوش داعی اللہ ہونے کی وجہ سے برادری نے بھی سخت مخالفت کی اور مکمل بائیکاٹ کیا۔ آپ پہلے سے زیادہ اپنے ایمان میں پختہ ہو گئے اور اپنے دائرہ احباب میں وسعت پیدا کر لی۔ مخالفین نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور معاندانہ کاروائیاں بڑھا لیں۔ آپ نے بچوں کے حصول تعلیم اور پاکیزہ ماحول میں پرورش دینے کے لئے رقبہ فروخت کر کے ربوہ کے ماحول میں رقبہ ٹھیکہ پر لے کر فصل کاشت کر لی۔ جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کی اور بتایا کہ باگڑ سرگانہ سے زمین فروخت کر کے ربوہ کے جوار میں ٹھیکہ لے کر فصل کاشت کر لی ہے تو حضور انور نے اس فیصلہ کو نا پسند فرمایا کہ علاقے کو خالی نہیں چھوڑنا تھا۔ اس پر آپ نے فوراً تعمیل کی۔ مالک رقبہ سے ٹھیکے کی رقم واپس طلب کی۔ ان کے انکار پر آپ کھڑی فصل اور ٹھیکہ کی رقم لئے بغیر واپس اپنے وطن باگڑ سرگانہ آ گئے اور کوشش کر کے اپنی فروخت شدہ زمین مہنگے داموں خرید کی اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کر لی ہے۔ اس پر حضور انورؒ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ مہر صاحب حضور انور کے اس اظہار خوشی کو سنا کر بڑے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ (الفضل 10 مئی 2010ء صفحہ 5)

۞......حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے کون واقف نہیں اور بین الاقوامی سطح پر آپ کی خدمات مسلّمہ ہیں۔ آپ نے دنیاوی ترقیات کی منازل طے کیں، فقید المثال کامیابیاں حاصل کیں اور بام عروج تک پہنچے۔ کسی نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ ان ترقیات اور کامیابیوں کا راز کیا ہے۔ آپ نے بے ساختہ

جواب دیا:" Because through all my life I was obedient to Khilafat یعنی میری کامیابیوں کی وجہ یہ ہے کہ مَیں تمام زندگی خلافت کا مکمل مطیع اورفرمانبردار رہا ہوں۔

(الفضل 14 جون 2010 صفحہ نمبر 4)

۞......پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم سرفیروز خان نون کے رشتہ دار ملک صاحب خان نون مخلص احمدی تھے۔کسی سبب سے اپنے دو بھائیوں یعنی سرفیروز خان اور میجر ملک سردار خان سے ناراض ہو گئے اور تعلقات منقطع کر لئے۔سارے خاندان پر ملک صاحب خان کا رعب تھا۔اس لئے ان سے تو کوئی بات نہ کر سکا۔سر فیروز خان نون حضرت مصلح موعودؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہماری صلح کروائیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے ملک صاحب خان نون کو طلب کیا اور فرمایا''اتنی رنجش اور ناراضگی بہت نامناسب ہے۔آپ پہلے سر فیروز خان صاحب کے پاس جا کر معذرت کریں اور پھر اپنے چھوٹے بھائی میجر سردار خان صاحب سے معافی مانگیں اور پھر آج ہی مجھے رپورٹ دیں''۔

ملک صاحب خان صاحب نے ایک دوست کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور کے اس حکم سے میرے دل میں انقباض پیدا ہوا کہ حضور نے ناراضگی کی وجہ دریافت فرمائے بغیر چھوٹے بھائیوں کے سامنے مجھے جھکنے کا حکم دے دیا۔تاہم میری مجال نہ تھی کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر کرتا۔چنانچہ پہلے سرفیروز خان صاحب کی کوٹھی پر حاضر ہوا۔وہ بڑی محبت سے میری طرف لپکے اور زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگے مَیں قربان جاؤں مرزا محمود پر جنہوں نے ہمارے خاندان پر یہ احسان عظیم کیا۔جب مَیں نے ان سے معافی مانگی تو کہنے لگے کہ آپ میرے عزیز ترین بڑے بھائی ہیں آپ مجھے خدا کے لئے معاف کر دیں۔......پھر مَیں جلد ہی ان سے بمشکل اجازت لے کر میجر صاحب کے ہاں پہنچا۔وہ بھی خوشی اور ممنونیت کے جذبات سے مغلوب تھے ان کے اصرار پر بھی وہاں نہ رکا کیونکہ حضور نے رپورٹ دینے کا حکم دے رکھا تھا۔چنانچہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا سنایا۔حضور بہت خوش ہوئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا: آپ کے لئے میرا یہ حکم دلپسند تو شاید نہ ہوا ہوگا کہ کسی قسم کی تحقیقات کرنے یا ناراضگی کی وجوہ معلوم کرنے کے بغیر ہی آپ کو حکم دے دیا کہ جاؤ اپنے سے عمر میں چھوٹے بھائیوں سے معافی مانگو۔وجہ یہ تھی کہ آپ نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔سر فیروز خان اور میجر سردار خان کے ساتھ تو میرے معاشرتی تعلقات ہی ہیں۔وہ میرے حکم کے پابند تو نہیں،مگر آپ پابند ہیں۔پھر حدیث ہے کہ جو اپنے روٹھے ہوئے بھائی کو

منانے میں پہل کرے گا وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ استعارہ کا کلام ہے مگر بہرحال اس حدیث کی رو سے آپ ایک ہزار سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ پھر سوچ لیں کہ یہ کس قدر فائدہ اور منافع کا سودا ہوا۔
(ماہنامہ خالد سیدنا مصلح موعود نمبر جون جولائی 2008 صفحہ 265,264)

۞......مکرم حافظ عبدالحلیم صاحب مربی سلسلہ نے جو الفضل میں ابن کریم کے نام سے لکھتے ہیں۔ ایک واقعہ یوں تحریر کیا ہے: ''ہمارے محلہ میں ایک متمول اور مخلص خاندان رہتا ہے۔ مَیں نے انہیں ایک دن بے تکلفی میں یہ کہا کہ یہ جو آپ کے خاندان کو طرح کی طرح برکتیں اور نعمتیں میسر ہیں میرے خیال میں اس کے پیچھے مسجد کی تعمیر کا اجر شامل ہے۔ انہوں نے کہا اس بات میں تو کوئی شک نہیں لیکن ان فضلوں کے پیچھے ایک اور بھی اہم بات ہے اور وہ خلیفۂ وقت کے حکم کی تابعداری اور نظام جماعت سے وابستگی کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ کہنے لگے خلافتِ ثالثہ کے ایام کی بات ہے کہ ہم لوگ دارالرحمت میں رہا کرتے تھے۔ ہمارا اپنے رشتہ دار کے ساتھ مکان کا تنازعہ چل رہا تھا جب معاملہ طول پکڑ گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ہمارے والد صاحب کو پیغام بھجوایا کہ مَیں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ یہ مکان فوراً خالی کر دیں۔ چنانچہ میرے والد صاحب نے خلیفۂ وقت کا حکم سنتے ہی فوری طور پر مکان خالی کر دیا۔ سب بچوں اور سامان کو لے کر اس گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ بظاہر کوئی منزل تھی نہ ٹھکانہ۔ آپ کی نظر ایک ایسے ویران سے گھر پر پڑی جس کے دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ چنانچہ آپ نے چارو ناچار سامان وہاں رکھ دیا۔ اس مکان کی مالکن کو جب پتہ چلا تو اس نے آ کر ہمارے والد صاحب سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ آپ میرے مکان میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے۔ میرے والد صاحب نے اسے ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ اس کا محرک یہ ہے کہ امام وقت کا حکم آیا تھا کہ فوراً مکان خالی کر دو اس لئے مَیں حضور کا حکم سنتے ہی بیوی بچوں اور سامان کو لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا یہ خالی مکان دیکھ کر یہاں تھوڑی دیر کے لئے رکے ہیں آپ فکر نہ کریں ہم آپ کو کرایہ دیا کریں گے اور جلد ہمارا کوئی بندو بست ہو جائے گا۔ جب یہ حقیقت اس خاتون پر ظاہر ہوئی تو اس نے مکان خوشی سے دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ چند ماہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خصوصی شفقت سے دارالعلوم غربی میں پلاٹ الاٹ ہو گیا۔ تو حقیقت میں ان ساری نعماء اور خوشحالی کے پیچھے امام وقت کے حکم کی اطاعت اور تعمیل کی برکتیں ہیں جس دن بظاہر ہم نے کسمپرسی کی حالت میں مکان کو خیر آباد کہا تھا دراصل وہی

دن ہماری خوش بختی اور ترقی کا زینہ بن گیا تھا۔آج ہم سب بہن بھائی اپنی اپنی جگہ خوشحال ہیں ہمارے بہن بھائی غیر ممالک میں مقیم ہیں۔میرے والدین جرمنی میں مقیم ہیں۔'' (الفضل 11اگست 2007ء)

۞......جب انتخاب خلافت خامسہ لندن میں ہوا تو انتخاب کے فوراًبعد وہاں موجود ہزاروں احمدیوں نے اطاعت خلافت کا ایک غیر معمولی نمونہ دکھایا جس کو ایم ٹی اے کے ذریعہ پوری دنیا میں دیکھا گیا۔اس کا احوال بیان کرتے ہوئے مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن لکھتے ہیں:۔

''سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جب لوگوں کو مسجد میں کھڑے دیکھا تو فرمایا بیٹھ جائیں۔مسجد میں احباب کا ہجوم تھا۔حضور انور ایدہ اللہ کی آواز جذبات سے مغلوب تھی اور مائیک بھی حضور انور ایدہ اللہ سے کچھ فاصلہ پر تھا۔اس لئے قریبی احباب نے تو یہ آواز سن لی اور فوری تعمیل کی۔

مَیں قریب ہی مائیک کے عین سامنے کھڑا تھا۔مجھے اچانک خیال آیا کہ حضور انور ایدہ اللہ کے فرمائے ہوئے الفاظ اور یہ پہلا ارشاد تو فوراً سب احباب تک پہنچنا لازم ہے۔چنانچہ ایک جذبہ کے زیر اثر مَیں نے مائیک پر اعلان کر دیا کہ حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب احباب بیٹھ جائیں۔مسجد فضل کے سامنے کا حصہ احاطہ مسجد اور قریبی علاقہ اس وقت دس گیارہ ہزار احمدیوں سے بھرا پڑا تھا جو اس وقت بڑے جذبہ فدائیت کے ساتھ جماعت احمدیہ عالمگیر کے نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کے رخ انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے آگے سے آگے آنے کی کوشش میں تھے۔لیکن جونہی حضور انور ایدہ اللہ کا یہ ارشاد ان کے کانوں تک پہنچا ان سب کے قدم فوراً اسی جگہ رک گئے اور دس ہزار سے زائد کا مجمع اسی وقت زمین پر بیٹھ گیا جس طرح تیز ہوا کے چلنے سے گندم کے خوشے زمین پر بچھ جاتے ہیں۔یہ نظارہ بہت ہی ایمان افروز تھا۔خلیفۂ وقت کے ارشاد پر فوری تعمیل کے اس والہانہ انداز نے قرون اولیٰ میں اور ہمارے اس دور آخرین میں صحابہ کرام کے نمونوں کو تازہ کر دیا۔اطاعت اور فدائیت کا یہ عظیم نمونہ تاریخ احمدیت میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔''

(تشحیذ الاذہان سیدنا مسرور ایدہ اللہ نمبر صفحہ 96,95)

اپنے امام کے اشارے پر اٹھنا اور اشارے پر بیٹھنا ہمیشہ سے ہمارا طرہ امتیاز رہا ہے۔جس کا اقرار ہمارے دشمن بھی کرتے ہیں۔چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ کے عہد سعادت میں شدید معاند احمدیت مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار زمیندار نے لکھا:۔

''احراریو! کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے

بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے ......مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے......مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے۔‘‘

(ایک خوفناک سازش مولوی مظہر علی اظہر صفحہ 195 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 6 صفحہ 513 طبع جدید)

اپنی اس فرمانبردار جماعت پر بجا طور پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے 12 مارچ 1944ء کو ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

’’خدا نے کیسے کام کرنے والے وجود مجھے دیئے ہیں ۔خدا نے مجھے وہ تلواریں بخشی ہیں جو کفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔مَیں انہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں۔مَیں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرادیں۔مَیں انہیں جلتے تنوروں میں کود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے ہوئے تنوروں میں کود کر دکھا دیں۔اگر خودکشی حرام نہ ہوتی اگر خود کشی اسلام میں ناجائز نہ ہوتی تو مَیں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سو آدمی کو مَیں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہو جانے کا حکم دیتا اور وہ سو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مرجاتا۔‘‘

(الفضل 18 فروری 1958ء صفحہ 17)

28 مئی 2010ء کو لاہور میں بھی چھیاسی احباب جماعت نے اپنے ربّ سے وفا کا عہد نبھاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔تب ہمارے امام ہمام نے صبر اور دعاؤں کی تلقین کی تو دنیا کے 195 ممالک میں پھیلے ہوئے لکھوکھہا احمدیوں نے اطاعت کا نمونہ دکھایا۔کوئی جلوس نہیں نکلا۔ایک شیشہ تک نہیں ٹوٹا،ٹائر نہیں جلائے،ٹریفک بلاک نہیں کی اور کسی سے انتقام نہیں لیا۔ہاں جماعت احمدیہ مسلمہ اپنے ربّ رحیم کے آگے جھک گئی اور اپنے چاک گریبان اپنے مولا کے حضور پیش کئے اور عرض کیا:

قوم کے ظلم سے تنگ آ کر میرے پیارے آج
شورِ محشر تیرے کوچہ میں مچایا ہم نے

خدا کرے کہ یہ نالے عرشِ الٰہی پہ رسا ہوں۔یہ اشک اور آہ کی سپاہیں دشمنوں کی صفوں کو تتّر بتّر کر دیں اور ہم احمدیوں پر ابرِ رحمت بن کر برسیں۔ہم ہمیشہ کی طرح اپنے امام کے مطیع اور فرمانبردار رہیں۔آپ جان مانگیں تو جان وار دیں۔مال کا تقاضا ہو تو مال حاضر کر دیں۔وقت اور عزت کی قربانی کا مطالبہ ہو تو وہ پیش کر دیں۔اسی طرح دنیا کو اسلام کی سچی تصویر پیش کرتے رہیں تا کہ وہ بھی یہ

کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر آج امن اور آشتی کا جھنڈا ہے تو وہ صرف خدا کی طرف سے قائم خلافت احمدیہ کا جھنڈا ہے۔ آیئے اپنے امام کی اطاعت کا عہد پھر سے تازہ کریں۔ اپنے پیارے امام کو اپنے دلوں میں بسا لیں۔ دماغ ہمارے ہوں، حکمرانی آپ کی ہو۔ زبانیں ہماری ہوں، ترجمانی آپ کی ہو۔اور دل ہمارے ہوں راجدھانی آپ کی ہو۔ ؎

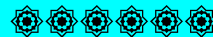
اے شہسوار حسن! یہ دل ہے یہ میرا دل
یہ تیری سرزمیں ہے، قدم ناز سے اٹھا



مبارک صد مبارک

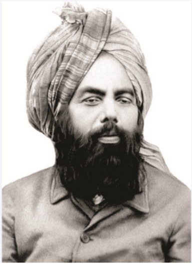
اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے بیٹے رانا عبد الوحید خان لندن کو مورخہ 26 مارچ 2021ء کو چوتھے بیٹے سے نوازا ہے۔ جو کہ پہلے بیٹوں کی طرح وقف نو کی تحریک میں بھی شامل ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت نومولود کا نام معاذ قمر احمد رکھا ہے۔ الحمد اللہ۔ احباب سے نومولود کی صحت و سلامتی اور طویل زندگی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

(رانا عبدالرزاق خان، لندن)



مرورِ زمانہ اور مسلم کی تعریف
(ادارہ)

مسلم کانفرنس کا انعقاد یکم جنوری 1929ء کو دہلی میں ہوا۔آغا خان بنفسِ نفیس صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔کانفرنس کے حامیوں کے اندازے کے مطابق تین ہزار کا مجمع تھا۔جس میں ذیل کے اصحاب نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔سر عبدالکریم غزنوی۔ڈاکٹر عبد اللہ سہروردی۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں۔ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ۔ ملک فیروز خاں نون۔نواب سر محمد یوسف۔نواب اسمٰعیل خاں۔سر محمد شفیع۔سر رضا علی۔صاحبزادہ سلطان احمد خاں۔ڈاکٹر سر ضیاء الدین۔مولانا حسرتؔ موہانی۔مولانا شفیع داؤدی۔ اقبال کے آخری دو سال مصنفہ عاشق بٹالوی۔سر محمد یعقوب۔ چوہدری ظفر اللہ خاں۔مولانا شوکت علی۔اور مفتی کفایت اللہ۔مرکزی اسمبلی۔کونسل آف سٹیٹ۔اور یو۔پی اور پنجاب کی مجالسِ قانون ساز کے مسلمان ممبروں کی اکثریت بھی حاضر تھی۔اس کے علاوہ بنگال۔بمبئی۔آسام اور صوبہ جاتِ متوسط کی کونسلوں کے بعض مسلمانوں ممبر بھی موجود تھے۔چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے عقائد تب بھی وہی تھے۔جو 1974 کی ترمیم کے وقت تھے۔اور مولوی کے قانون کے تحت جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے وہ بھی کافر ہے۔اس کلیہ کے تحت اس فہرست میں مندرج رہنما تمام کافر ٹھہرتے ہیں۔ ۞۞۞۞۞۞



حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اور اردو ادب

(ادارہ)

اردو زبان نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے دوران ایک زبان کی صورت میں جنم لیا۔فوجیوں کی مختلف بولیوں کے میل جول سے یہ زبان وجود میں آئی۔ اور ہندوستان پر برطانوی راج کی گرفت سے اس زبان نے بال و پر نکالنے شروع کئے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کے عہد طفولیت میں ہی انگریزوں کی خاص توجہ سے یہ زبان اُبھرنے لگی۔ اور ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان رابطے کی ایک زبان کی حیثیت اس نے اختیار کی۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں اس زبان کو عہدِ شباب میں لے جانے کے لئے بہت سے عالموں، ادیبوں اور شاعروں نے کام کیا۔انہوں نے اپنی تحریرات اور تخلیقات سے اس زبان کو مالا مال کیا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ایک ایسے ہی اہل قلم ہوئے ہیں جن کی سحر انگیز تحریرات سے اردو زبان مالا مال ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخری قریباً تئیس سالوں میں اور بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی آٹھ سالوں میں آپ نے اردو زبان و ادب میں جو لٹریچر یادگار چھوڑا ہے وہ اپنی انفرادی شان میں بے مثال ہے۔ چنانچہ سو کے قریب باقاعدہ کتب تحریر فرما کر اور مزید برآں اشتہارات پر مشتمل تحریروں سے آپ نے اپنے زورِ قلم کا لوہا منوایا۔ اور اہل علم میں آپ ''سُلطان القلم'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

چنانچہ برِٹش انڈیا (جو کہ اُس وقت ان تمام ممالک پر مشتمل تھا جو اب ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ کہلاتے ہیں) کے اُس وقت کے ایک نامور اُردو ادیب مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی رحلت پر تحریر فرمایا: ''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ مستی

کو بیدار کرتا رہا۔۔۔۔دنیا سے اُٹھ گیا۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق نہ حاصل کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کرکے صبر کرلیا جائے۔ ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دُنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔۔۔۔ آئیندہ اُمید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔

(اخبار وکیل امرتسر جون 1908ء)

ایک اور مسلمان محقق مرزا حیرت دہلوی صاحب ایڈیٹر ''کرزن گزٹ'' نے یوں لکھا:۔

''مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی انجام دی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔۔۔۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیٔ ہند میں اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔

اس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہوکر اپنا راستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔''

(کرزن گزٹ دہلی یکم جون 1908ء)

اس بزرگ ہستی کی کچھ تحریرات یہاں درج کرکے آپ کی ادبی خدمات کی داد دینا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔

''ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیوں کہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔'' (کشتیٔ نوح)

''کوئی مرتبہ شرف وکمال کا اور کوئی مقام عزت وقُرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے، ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی اور طفیلی

پر ملتا ہے۔‘‘(ازالۂ اوہام)

’’خدا نے جو اُس (یعنی پیغمبر اسلام آنحضرت ﷺ) کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اُس کو دیں۔ وہی ہے جو سر چشمہ ہر اک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار اضافہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں؟ اور ہماری حقیقت کیا ہے؟ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں گے کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ نبی کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی۔‘‘(حقیقۃ الوحی)

اے میرے پیارو شکیب و صبر کی عادت کرو
وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشکِ تتار
گالیاں سُن کر دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ اِنکسار
چُپ رہو تم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں سِتم
دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کردیں حالِ زار
دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدّتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

’’مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر اندر سے بھیڑیئے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ اُن کی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے اُن کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دُنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں اور دن کو رات نہیں کر سکتیں بلکہ تم خدا سے ڈرو۔‘‘(کشتیٔ نوح)

’’نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔‘‘(کشتیٔ نوح)

حمد رب العالمین کے ضمن میں فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا
کیا عجب تونے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اِن اسرار کا
تیری قُدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کِس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی
ہر گل وگلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
تیرے ملنے کے لئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درمان ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

(رقم فرمودہ در سن 1886ء بحوالہ سرمۂ چشمِ آریہ)

نصرتِ الٰہی کے متعلق فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قُربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(تریاق القلوب)

اردو زبان کے تذکرہ نگاروں نے حضرت مرزا صاحبؑ کا نام نہیں لیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ آپ ایک دینی عالم گزرے ہیں اور آپ کی دینی تشریحات اور توضیحات اور تفہیمات اُردو دان مُسلم دینی طبقے میں باعث نزاع رہی ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحبؑ کا نام نہ لے کر انہوں نے انصاف کا خون کیا ہے۔ اور یک گونہ کوتاہ نظری، کم ظرفی اور متعصّبانہ سوچ سے کام لیا ہے جو کسی بھی غیر متعصب ادب نواز کی شان سے بعید ہے۔ ایسے بزرگ اہلِ قلم کی ادبی خدمات کا اعتراف نہ کرنا دِن چڑھے مہر عالم تاب کی ضو فشانی پر آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے۔

اردو زبان و ادب میں دلچسپی رکھنے والے احباب کو چاہئے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی ادبی خدمات میں اپنی علمی واقفیت میں ریسرچ کی حد تک جائیں اور اس سلطان القلم ادیب کی ادب نوازی پر مقالے تحریر کر کے اردو ادب

کے تذکرہ نگاروں میں آپ کے ممتاز مقام کو سامنے لائیں۔

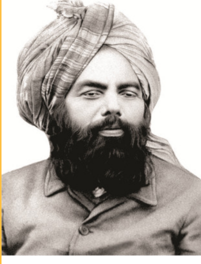
اردو ادب کے بعض خیر خواہوں نے صالح ادب اور غیر صالح ادب کی بحث چھیڑ کر اردو ادب میں غیر مناسب تفریق پیدا کی ہے۔ یہ سراسر غیر معقول بات ہے کیونکہ صالح ہونا یا غیر صالح ہونا یہ صرف ایک فرد بشر کے لئے ہی متعین ہے نہ کہ باقی ذی روح مخلوق کے لئے یا غیر ذی روح مخلوق کے لئے۔ کسی بھی زبان کے ادب کے بارے میں یہ تفریق ایک سراسر غیر مناسب اور غیر معقول بات ہے۔ اور مسلمہ ادبی حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ خیر یہ ہر کسی فرد کے ذوق کی بات ہے، غیر صحیح کوئی بات کس قدر بھی ہو، غیر مسلمہ ہو مگر اس کو بھلی لگتی ہے۔ اس نوعیت کی تفریق کر کے بھی ان حضرات نے اپنے تذکروں اور مقالوں میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر نہیں کیا ہے جو کہ سراسر غیر عادلانہ ہے۔ ایسے حضرات کے صالح ادب کے شہسوار کے طور پر آپ کا تذکرہ تاریخی نوعیت کا ہے اور تاریخ سے آنکھیں بند کرنا خود کو مضحکہ خیز بنانا ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ اردو زبان کے اس محسن کی سحر انگیز تحریرات کو تعصب سے بالا تر ہو کر خدمتِ زبان کے زاویہ سے بھی دیکھا جائے۔ اس بزرگ دینی شخصیت کی انسانی خدمات اردو دان حضرات کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتے۔ تاریخ اسے کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتی۔ آپ کی نثر اور نظم دونوں ہی شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ کی تحریرات مذہبی اعتبار کے ساتھ ساتھ لِسانی اور تاریخی اعتبار سے بھی لاجواب ہیں۔ آپ نے زبان دانی کے علم میں عربی زبان کو اُم الالسنہ ثابت کیا اور تاریخی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' تحریر فرما کر تاریخ دانوں کے لئے تحقیق کا نیا باب کھول دیا۔

اردو ادب میں آپ کے بے مثال تحریری اثاثوں نے اردو زبان کے بہی خواہوں کو ہمیشہ کے لئے ممنون احسان کر دیا ہے۔ یہ زمانے کی ستم ظریفی ہے، بے رُخی ہے کہ اردو کے اس محسن کا ذکر منظر عام پر نہیں لایا گیا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ کیسے اس شخصیت کو بھلا سکتی ہے جس نے انیسویں صدی عیسوی میں ہی اس زبان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا درجہ دیا اور ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا اردو لٹریچر یادگار چھوڑا۔ اور پھر اپنے معتقدین کے ذریعہ بھی ہزاروں ہزار صفحات پر مشتمل اردو لٹریچر اس زبان کو دیا۔ یہ سراسر تعصب ہے اور احسان فراموشی ہے کہ اردو کے اس محسن کا ممتاز مقام اُجاگر ہونے سے رہ جائے۔ وقت اب بھی ہے کہ اردو داں حضرات انصاف سے کام لیں اور اردو زبان کے محسنوں میں حضرت مرزا صاحب کے لاثانی مقام کو ممتاز کریں۔





حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر اعتراضات کے جوابات

(ادارہ)

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرون

(سورۃ الصّف آیت 10)

سامعین کرام !اللہ تعالیٰ کی ازل سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے اپنے فرستادے اور رسول مبعوث فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر ہوتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب بھی دنیا میں کوئی نبی یا رسول آتا ہے۔ دنیا کے لوگ بالعموم اس کا انکار کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسولٍ الّا کانوا بہ یستھزؤن

(سورۃ یٰسٓ آیت 31)

وائے افسوس دنیا کے لوگوں پر کہ جب بھی ان کی طرف خدا کی طرف سے کوئی رسول بھیجا جاتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتے ہوئے اس سے ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں۔لیکن باوجود اس انکار اور استہزاء کے خدا کے نبی کا پیغام ۔ جو حق و صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ بالآخر دنیا میں پھیلتا اور غالب آتا چلا جاتا ہے۔ جو آیت کریمہ شروع میں تلاوت کی گئی ہے اس میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخالفین چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مونہوں کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں ۔ حالانکہ اللہ ہر حال میں اپنا نور پورا کرنے والا ہے خواہ کافر ناپسند کریں۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں یہ نظارہ بالکل اسی طرح دہرایا گیا۔دعوی سے قبل آپ کو حامئ دین متین قرار دینے والے،آپ کی تصانیف کو دفاعِ اسلام میں بے نظیر اور عدیم المثال قرار دینے والے آپ کے دعوی کو سن کر آپ کے سخت مخالف اور دشمن بن گئے۔ اورعوام الناس تو اپنے نام نہاد علماء کی اندھی تقلید میں عداوت کی سب حدود کو پار کر گئے۔ بجائے اس کے کہ خدا کی طرف سے آنے والے کے دعویٰ پر غور کرتے اور خدا خوفی سے کام لیتے ہوئے تکذیب میں جلدی نہ کرتے، ان نادان لوگوں نے مخالفت کی راہ اختیار کی اور دلائل کے

جوابات سے عاجز آ کر بدزبانی کا طریق اپنایا اور چودھویں صدی کے ''علماؤھم'' کے پیچھے چلتے ہوئے ایسے ایسے گھٹیا اور بے بنیاد اعتراضات ان کی زبانوں پر آنے لگے کہ صداقت اور شرافت سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام پر اعتراضات کا سلسلہ آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ آپ نے ان اعتراضات کے جوابات ساتھ کے ساتھ اپنی کتب میں شائع فرمائے مگر جھوٹ پر زندگی بسر کرنے والے نام نہاد علماء کا یہ گروہ اپنی ڈگر پر قائم رہا اور انہی اعتراضات کو نئے سے نیا رنگ دے کر بار بار دہراتا رہا اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا انداز مزید سوقیانہ اور الفاظ غلیظ سے غلیظ تر ہوتے چلے گئے۔ آج اس دور میں آ کر تو ان علمائے سوء نے شرافت اور اخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے۔ گوئبلز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے اور بولتے چلے جاتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کی اس حدیث کی صداقت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے جس میں آپ نے چودھویں صدی کے ایسے علماء کو آسمان کے نیچے بدترین مخلوق قرار دیا اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا کہ آنے والے مسیح اور امام مہدی کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے اس زمانہ کے یہی خود ساختہ اور نام نہاد علماء ہوں گے۔

آج مسلمان شرفاء کی ایک بڑی تعداد ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے جن کو یہ لوگ جھوٹے اعتراضوں کے ذریعہ احمدیت کے آسمانی نور سے دور رکھنے میں کوشاں ہیں۔ جھوٹ کو شیر مادر کی طرح پینے والوں نے تو اپنے دلوں پر، اپنے کانوں پر اور اپنی آنکھوں پر ضلالت اور تکذیب کے پردے ڈال رکھے ہیں۔ خدا ان کو بھی ہدایت دے لیکن آج ہمارے مخاطب وہ شریف النفس مسلمان بھائی ہیں جو سچے دل سے حق کے متلاشی ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جو اعتراضات حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر کئے جاتے ہیں ان کی اصل حقیقت کیا ہے؟

اعتراضات کی طرف جانے سے قبل یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جماعت کے مخالفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام پر بے شمار اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے کسی بھی دعویٰ میں سچے نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جن گزشتہ نبیوں کو یہ مخالفین سچا سمجھتے ہیں اور من جانب اللہ یقین کرتے ہیں۔ کیا ان کی زندگیاں مخالفین کے اعتراضات سے پاک ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ آپ پر اعتراضات ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں۔ حق یہ ہے کہ محض اعتراض کا ہونا کسی سچے کی صداقت کو داغدار نہیں کرتا۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر سچا نبی مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ بنا۔ اگر مخالفین کے سب اعتراضات کے باوجود گذشتہ سب نبی سچے تھے اور یقینا سچے تھے تو اسی اصول کے مطابق بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام بھی مخالفین کی ہر ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ایک سچے نبی ثابت ہوتے ہیں۔ اور آپ کی صداقت غیر معمولی شان کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:

"میں بار بار کہتا ہوں اگر یہ تمام مخالف مشرق اور مغرب کے جمع ہو جاویں تو میرے پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکتے کہ جس اعتراض میں گزشتہ نبیوں میں سے کوئی نبی شریک نہ ہو"

(تتمہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 575)

حضرات!　حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی پر، آپ کے بیان کردہ عقائد پر، آپ کے الہامات پر، آپ کی پیشگوئیوں پر اور آپ کی تحریرات پر بے شمار اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ لیکن تقریر کے موضوع اور وقت کی مناسبت سے میں صرف چند ایسے اعتراضات کو لوں گا جو آپ کی ذاتِ اقدس سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر کئے جانے والے اعتراضات کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان پر ایک اجمالی نظر کی جائے تو یہ بات بہت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ اعتراضات ہرگز سچائی اور دیانت داری پر مبنی نہیں۔ بلکہ ان کے پیچھے احمدیت کی اندھی عداوت، بغض اور شرارت کارفرما ہے۔ مخالفین احمدیت جب احمدیت کی تائید میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کے ٹھوس دلائل کے جوابات سے عاجز آ جاتے ہیں تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر اعتراضات کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ سچائی کو کلیۃً خیر باد کہہ کر جھوٹے اور من گھڑت الزامات میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مذموم کوشش میں وہ کیا کچھ نہیں کرتے۔ قرآنی اصولوں سے ہٹ کر خود ساختہ معیاروں کو اپناتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں مذکور واضح امور کو نظر انداز کرتے ہیں۔ حوالہ جات میں تحریف کرتے ہوئے، سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں۔ مسیح پاک علیہ السلام کی اپنی بیان فرمودہ تشریحات کو پڑھنے کے باوجود اپنے جھوٹ پر ڈٹے رہتے ہیں۔ اعتراض کرتے ہوئے اس بات کی بھی قطعاً پرواہ نہیں کرتے کہ ان کی زد قرآن مجید اور حبیب خدا، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑتی ہے۔ احمدیت کی روز افزوں ترقیات دیکھ کر ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ مایوسی اور حسد کی آگ نے ان کا اندرونہ خاکستر کر دیا ہے۔ نہایت بے باکی اور گستاخی سے یہ معاندین

ِاحمدیت دن رات اپنے نامہء اعمال کو سیاہ کرتے چلے جارہے ہیں۔وہ اپنے عمل سے خدائی پکڑ کو دعوت دے رہے ہیں ۔ احکم الحاکمین خدا ان کو پکڑے گا اور ضرور پکڑے گا۔ہم اپنے محبوب آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں یہی کہتے ہیں کہ اللّٰھمَّ اھدقومی فانھم لایعلمون

حضرات! آیئے اب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی ذات پر کئے جانے والے چند اعتراضات پر ایک نظر کرتے ہیں۔

☆ایک اعتراض آپ کے نام کے حوالہ سے یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کا نام مرزا غلام احمد ایک مرکب نام ہے جبکہ نبی کا نام مفرد ہونا لازمی ہے۔ یہ اعتراض ایک خود ساختہ اصول پر مبنی ہے جس کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث میں ۔ ظاہر ہے کہ محض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں تراشے گئے اس اعتراض کی کوئی بھی حیثیت نہیں ۔ ویسے بھی یہ سوچنے کی بات ہے کہ بھلا نبی کے نام کے مرکب یا مفرد ہونے سے اس کی نبوت یا صداقت کا کیا تعلق ہے؟ علاوہ ازیں واقعاتی طور پر بھی یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے ہر ایک کا نام مفرد تھا؟ ہر گز نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن انبیاء کے نام واضح طور پر مذکور ہیں وہ بھی سب مفرد نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ، حضرت ذوالکفل علیہ السلام اور حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کے اسماء مرکب ہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چار لفظوں سے مرکب نام تو خود خدا تعالیٰ کا رکھا ہوا ہے۔ یہ بھی یادرہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا امتیازی نام احمد ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی الہامات میں آپ کو یَا اَحْمَدُ کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے۔

☆ایک اعتراض آپ پر یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کی جبکہ یہ بات شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کی بنیاد بھی ایک خود ساختہ اصول پر ہے۔مخالفین نے یہ بات کہاں سے بنالی کہ نبی کیلئے ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں۔قرآن اور حدیث میں تو ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ دیکھا جائے تو قرآن وحدیث میں اس کی تردید میں معین مثالیں نظر آتی ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام کے نوکری کرنے کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے بلکہ اس حد تک ذکر ہے کہ عزیز مصر کی طرف سے ملازمت کی پیشکش ہونے پر خود اپنی خواہش سے مالیات کے شعبہ کا انتخاب کیا۔ اس بارہ میں اہلِ حدیث عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ

’’ہم قرآن مجید میں یہ پاتے ہیں کہ حضرت یوسف

علیہ السلام کا فرباد شاہ کے ماتحت انتظامِ سلطنت کرتے تھے ۔کسی ایک نبی کا فعل بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے''۔(اہل حدیث امرتسر 16 نومبر 1945)

دوسری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔انہوں نے اپنے خسر کے ملازم کے طور پر آٹھ سال تک بکریاں چرانے کا معاہدہ کیا اور پھر اس کو پورا کیا۔علاوہ ازیں انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نجاری کا کام کیا کرتے تھے بلکہ ان کو بڑھئی ہونے کا طعنہ بھی دیا جاتا تھا۔ (مرقس 3/6)

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی دعوئ نبوت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی معاملات کی نگرانی فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں معمولی معاوضہ لے کر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔ کنتُ ارعَاھَا علی قراریطَ لاھلِ مکّۃ ان واضح مثالوں کی موجودگی میں ملازمت پر اعتراض کرنا بالکل بے بنیاد اور بے سند ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چار سال تک سیالکوٹ کی ایک عدالت میں کام کرنے کا تعلق ہے یہ آپ کی مرضی اور خواہش سے نہ تھا بلکہ محض اپنے والد محترم کے پرزور اصرار پر، ان کے حکم کی اطاعت کے طور پر تھا۔ ایک گھریلو ملازم نے ایک دفعہ آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو یہ ملازمت پسند ہے تو فرمایا ''قید خانہ ہی ہے''۔ یہ عرصہ آپ نے بہت مجبوری سے گزارا۔ مگر نہایت پاکدامنی اور دیانت داری سے اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ اور جونہی آپ کو والد صاحب کی طرف سے واپسی کی اجازت ملی آپ فوراً ملازمت چھوڑ کر قادیان واپس آ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملازمت کے حوالہ سے یہ مشہور واقعہ یاد کرنے کے لائق ہے کہ آپ کے والد محترم کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ آپ بھی دنیاوی کاروبار میں دلچسپی لیں۔ ایک بار آپ کے والد نے ایک واقف کے ذریعہ ملازمت کی صورت دیکھی تو آپ کو پیغام بھجوایا۔ والد صاحب کے بلانے پر آپ آئے اور فرمایا ''میں نے تو جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں'' والد صاحب سمجھ گئے اور مزید اصرار نہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عارفانہ جواب اس اعتراض کا منہ توڑ جواب ہے جو ملازمت کے حوالہ سے آپ پر کیا جاتا ہے۔

☆مخالفین احمدیت جس طرح کھوج لگا لگا کر اعتراضات تلاش کرتے اور ان کو جھوٹ کی ملمع سازی سے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اس کو دیکھ کر نجاست پسند مکھی کی مثال ذہن میں آتی ہے جو اچھی ، صاف اور پاک چیزوں کو چھوڑ کر غلاظت پر منہ مارتی ہے۔ جماعت کے

مخالفین کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ پر رقم کی چوری کا الزام بھی لگایا گیا حالانکہ یہ ایک افترائے عظیم ہے جس کا شائبہ تک آپ کی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس الزام سے آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک مشابہت ضرور ہوگئی کہ ان پر بھی ان کے بھائیوں نے چوری کا الزام لگایا تھا۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے والد صاحب کے اصرار پر، محض ان کی اطاعت کی خاطر ان کے بعض مقدمات کی پیروی کے لئے عدالت میں پیش ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے والد صاحب کی پنشن لینے کے لئے سیالکوٹ گئے تو مرزا امام الدین جو آپ کے خاندان ہی کا ایک فرد اور شدید مخالف شخص تھا وہ آپ کے پیچھے لگ گیا اور بجائے سیدھا قادیان واپس آنے کے آپ کو ادھر ادھر پھراتا رہا اور سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا اور پھر خود غائب ہوگیا جس پر آپ کو بہت شرمندگی اور پریشانی ہوئی۔ اب چوری اور فضول خرچی تو کی ایک شخص نے جو نام کا امام الدین تھا اور الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا جا رہا ہے۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ جھوٹ اور افتراء کی بھی کوئی حد ہوتی ہے لیکن اس کے لئے جو حق و باطل کی تمیز رکھتا ہو!

☆حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اٹھائے جانے والے سب اعتراضات تعصب کی پیداوار ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ **مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نبی کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ ان کی زبان میں لکنت تھی** اور آپ صحیح طور پر بعض الفاظ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا یہ اعتراض حضرت مرزا صاحب پر وارد ہوتا ہے یا خدا تعالیٰ پر جس نے آپ کو آنحضرت ﷺ کی غلامی میں زمانہ کا امام بنایا۔ اللہ تعالیٰ تو یہ اصول بیان فرماتا ہے کہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ. (سورۃ الانعام آیت 125) اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا انتخاب کہاں سے کرے۔ کیا یہ معترضین خدائی اختیار کے دعویدار بن بیٹھے ہیں؟ نادانی کی بھی کوئی انتہا ہونی چاہئے۔

اس اعتراض کی تردید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بڑی واضح ہے۔ آپ کی زبان میں بھی لکنت تھی۔ فرعون کے دربار میں جانے کا ارشاد ہوا تو آپ نے خود اعتراف کیا کہ لا ینطلق لسانی (الشعراء آیت 14) کہ میری زبان صحیح طور پر چلتی نہیں اور پھر حضرت موسیٰ نے بھی کہا کہ ھوا فصح منّی لساناً (القصص آیت 35) کہ میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ قابل توجہ نکتہ ہے کہ حضرت موسیٰ فرعون کے سامنے

گئے تو ساری گفتگو پوری قوت کے ساتھ آپ نے کی۔حضرت ہارون ایک لفظ بھی نہیں بولے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی نہایت فصاحت اور بلاغت سے خطابات فرمائے اور یہ بات آپ کے فرائض کی ادائیگی میں ہرگز روک نہیں بنی۔

عجیب تصرف الٰہی ہے کہ مخالفین جن امور پر اعتراض کرتے ہیں وہیں سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مسیح اور مہدی کی صداقت کے امور ظاہر فرما دیتا ہے۔کیا معترضین کو معلوم نہیں کہ رسول پاک ﷺ کے ایک محبوب صحابی، مؤذن اسلام، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اَشْھد کا لفظ صحیح ادا نہ کر سکتے تھے۔ جب یہی بلال اس انداز میں اذان دیتے تو صحابہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ کیا اعتراض کرنے والوں کو یاد نہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان میں بھی لکنت تھی یہ بات تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے اور ساتھ ہی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ مہدیٔ منتظر کی زبان میں بھی لکنت ہوگی۔ پس یہ اعتراض نہیں بلکہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی صداقت کا ایک زندہ اور ناقابل تردید ثبوت ہے۔

☆ایک اور اعتراض جس کی بازگشت بکثرت سنائی دیتی ہے آپ کے تعلیم پانے سے متعلق ہے۔اس اعتراض کی بنیاد اس مفروضہ سے اٹھائی جاتی ہے کہ جس کو خدا نبی کے طور پر بھیجتا ہے وہ کسی کا شاگرد نہیں ہوتا اور نہ کسی سے تعلیم پاتا ہے اور حضرت مرزا صاحب نے متعدد اساتذہ سے تعلیم پائی۔

یہ اعتراض بناء الفاسد علی الفاسد کی بہترین مثال ہے۔معترضین کا پہلا مفروضہ ہی غلط ہے کہ نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا اور وہ کسی سے علم حاصل نہیں کرتا۔معترضین یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جملہ انبیاء کرام میں سے ہمارے آقا و مولیٰ، ہادیٔ کامل حضرت محمد مصطفی ﷺ وہ واحد نبی ہیں جن کی امتیازی صفت النبیّ الامّی بیان ہوئی ہے۔ اگر یہی بات کسی اور نبی کے لئے تسلیم کی جائے تو آپ ﷺ کا امتیازی نشان اور انفرادیت قائم نہیں رہتی۔ ہمارے مخالفین کی نادانی کی انتہا یہ ہے کہ جس امتیاز کو اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کے ساتھ مخصوص فرمایا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نشانہء اعتراض بنانے کے لئے وہ اس خصوصی امتیاز کو اب جملہ انبیاء کے نام لگا رہے ہیں۔

یہ خود ساختہ مفروضہ واقعاتی اعتبار سے بھی بالکل غلط ثابت ہوجاتا ہے۔قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے۔آپ نے حضرت خضر سے کہا تھا:

هَل اتبعک علی ان تُعَلِّمَنِی مما عُلِّمْتَ رُشْداً

(سورۃ الکھف آیت 67)

کیا میں اس غرض سے آپ کی پیروی کرسکتا ہوں کہ آپ مجھے وہ علم پڑھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔اور پھر ایک عرصہ تک آپ ان کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔گویا ایک صاحب شریعت نبی بھی دوسروں سے علم سیکھ سکتا ہے ۔ پھر بخاری شریف میں ذکر ہے **تعلّم العربية منهم** کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جرہم قبیلہ کے افراد سے عربی زبان سیکھی۔ (بخاری کتاب الانبیاء) ویسے بھی پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے ہرگز خلاف نہیں۔حضرت موسیٰ ،حضرت داؤد،حضرت سلیمان ،حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہم السلام کے پڑھے لکھے ہونے کا ذکر احادیث اور تفاسیر کی کتب میں ملتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ نبی تعلیم نہیں پاتا خود اپنی جہالت پر مہر لگانے والی بات ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کسی سکول یا کالج میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔البتہ قرآن مجید،صرف ونحو،منطق اور حکمت کے چند ابتدائی اسباق بعض اساتذہ سے لئے لیکن روحانی امور میں آپ کا معلّمِ حقیقی آپ کا خدا تھا جس نے آپ کو قرآن مجید کے گہرے مطالب اور علم و معرفت کے خزانے عطا فرمائے۔عربی زبان کے 40 ہزار مادے ایک رات میں سکھا دیئے۔

الغرض آپ نے جملہ علوم و معارف براہِ راست اللہ تعالیٰ سے پائے اور اپنے آقا و مقتداء حضرت محمد عربی ﷺ کے قدموں کی برکت سے روحانیت سے متعلق سب اسرار آپ کو عطا فرمائے گئے۔آپ نے کیا خوب فرمایا ہے:

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

سچی بات یہ ہے کہ حقیقت میں میرا کوئی اور استاد نہیں۔ میں نے جو کچھ پایا ہے وہ سب کا سب اپنے آقا محمد عربی ﷺ کی درسگاہ سے پایا ہے!

☆ایک اور اعتراض بہت شد و مد سے اٹھایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فریضہ حج کیوں ادا نہیں کیا؟

جہاں تک بیت اللہ کے حج کا تعلق ہے جماعت احمدیہ، اسلام کے ایک بنیادی رکن کے طور پر اس پر کامل یقین رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزار ہا احمدی اس فریضہ کو ادا کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں جن میں مسیح پاک علیہ السلام کے دو خلفاء ،آپ کے صحابہ اور جماعت احمدیہ کے بزرگان شامل ہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ فریضہ بعض شرائط سے مشروط ہے جیسا کہ قرآن مجید نے من استطاع الیہ سبیلاً میں فرمایا ہے۔اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا ہے:

’’حج کرنے کے واسطے صرف یہی شرط نہیں کہ انسان کے پاس کافی مال ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو۔ وہاں تک پہنچنے اور امن کے ساتھ حج ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 248)

وحشی طبع علماء کے فتاویٰ قتل کی وجہ سے چونکہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے لئے امن اور حفاظت کے ساتھ حج ادا کرنے کی صورت میسر نہ تھی۔ مختلف عوارض کی وجہ سے آپ کی صحت بھی اس لمبے سفر کی متحمل نہ ہوسکتی تھی۔ اس وجہ سے آپ پر حج کرنا ان حالات میں فرض نہ تھا اور اپنے محبوب آقا و مقتداء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت نمونہ بھی آپ کے پیش نظر تھا کہ جب کفار مکہ نے آپؐ کو مکہ میں داخلہ سے قبل حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تو آپؐ اس وجہ سے کہ اب بحفاظت پر امن طریق پر حج کی صورت نظر نہیں آتی زبردستی آگے نہیں بڑھے اور وہیں سے واپس ہو گئے۔ اس اسوہ ءرسول کی روشنی میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے بھی خود فریضہ ء حج ادا نہیں فرمایا اگرچہ ان کی طرف سے حاجی احمد اللہ صاحب نے حج بدل ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حج کی ادائیگی ہر انسان کا ایک ذاتی عمل ہوتا ہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سپرد اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں احیائے اسلام کا عظیم فریضہ فرمایا تھا جس میں آپ زندگی بھر، زندگی کے آخری مرحلہ تک مصروف رہے اور آپ نے یہ ساری خدمت اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء کے تابع سرانجام دی۔

ایک دفعہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے سامنے مخالفین کا یہ اعتراض پیش کیا گیا تو آپ نے ایک اور رنگ میں بھی اس کا جواب دیا کہ اگر مسلمان علماء ایک اقرار نامہ لکھ کر دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو یہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہوجائیں گے تو ہم حج کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے اسباب آسانی کے پیدا کر دے گا۔ آپ کے اس جواب پر کسی مخالف کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوسکی!

ہمارے مخالفین کو یہ بھی یاد رہے کہ شریعت کے جو احکام شرائط سے مشروط ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص شرائط پوری نہ ہونے سے وہ نہ کرسکے تو وہ ہرگز مورد الزام نہیں ہوتا۔ کوئی ان معترضین سے پوچھے کہ کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی زکوٰۃ ادا کی؟ اگر ان کا جواب ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے صاحب نصاب ہونے کی شرط کبھی پوری نہیں ہوئی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زندگی بھر زکوٰۃ واجب نہ ہوئی اور آپؐ نے نہیں دی۔ اس اعتراض کے حوالہ سے ہمارا جواب بھی وہی ہے جو ان کا جواب ہے۔

☆حضرت اقدس کی ذات پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے شعر کہے ہیں جبکہ شعر کہنا انبیاء کا طریق نہیں۔

معترضین کا طریقہء واردات بہت عجیب ہے۔ پہلے خود ہی ایک اصول وضع کر لیتے ہیں اور پھر مسیح پاک علیہ السلام کی ذات کو نشانہء اعترض بنا کر کہنے لگ جاتے ہیں کہ چونکہ یہ بات اس اصول کے خلاف ہے اس لئے آپ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہو سکتے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا شعر کہنا قرآن وحدیث کی رو سے منع ہے؟ وہ اس کی کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ دراصل یہ ایک خود تراشیدہ معیار ہے جو اپنی ذات میں ہی رد کرنے کے لائق ہے۔

اس موضوع پر بات ہو تو بعض لوگ تحریف سے کام لیتے ہوئے ایک آیت کا نصف حصہ بطور ثبوت پیش کرتے ہیں کہ

وَمَاعلّمناہ الشَّعْرَ وَماینبغی لَہ'۔ (سورۃ یٰسٓ آیت 20)

کہ ہم نے اس رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی اسے زیب دیتا تھا۔ اگر وہ دیانتداری سے پوری آیت لکھ دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور پورا مضمون کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان ھو الّا ذکر" و قرآن" مبین"

یہ تو محض ایک نصیحت ہے اور واضح قرآن ہے۔ اس آیت میں قرآن مجید کے شعر ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ قریش، رسول پاک ﷺ کو اپنے زعم میں شاعر سمجھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اس دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے بتوں کی عبادت ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وَماھوبقول شاعر (سورۃ الحاقہ آیت 42) کے الفاظ میں یہ وضاحت کردی ہے کہ یہ قرآن کریم کسی شاعر کا کلام نہیں۔ گویا نہ رسول مقبول ﷺ شاعر ہیں اور نہ ہی قرآن مجید شعر ہے۔ دراصل عربی محاورہ میں شعر کا لفظ جھوٹے کلام کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انہی معنوں میں اس الزام کا رد کیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں بھی ہرگز کوئی جھوٹ شامل نہیں ہے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شاعری بھی ایک خوبصورت اندازِ بیان اور خدا داد ملکہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا ہے **انَّ من الشعر لَحِکمۃً** کہ بعض شعر حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت دربار نبوی کے شاعر تھے اور رسول پاک ﷺ کی موجودگی میں اپنا پرحکمت کلام سنایا کرتے تھے۔ خود رسول پاک ﷺ نے بھی بعض موقعوں پر شعری انداز میں پرحکمت ارشادات فرمائے۔ غزوہ حنین کے موقع پر آپ نے فرمایا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطّلب

ایک اور موقع پر فرمایا:

ان انتِ الّا اصبع دُمیتِ
و فی سبیل اللہ مَا لقیتِ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعری کلام بھی اس سنت نبوی کی طرز پر حکمت ودانائی اور نیک مقصد پر مشتمل تھا۔آپ نے کیا خوب فرمایا ہے:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

☆حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ذات کے بارہ میں اٹھائے جانے والے بہت سے اعتراضات ایسے ہیں جو بشری کمزوریوں،طبعی عوارض اور بیماریوں سے تعلق رکھتے ہیں۔آج کل کے علماء سوء ان باتوں کو کذب بیانی اور مبالغہ کے ساتھ شوخی کے اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ان بدنصیب لوگوں کے دل پر خدا کے خوف اور تقویٰ کا سایہ تک نہیں پڑا۔

ان اعتراضات کو الگ الگ لینے سے قبل یہ بنیادی بات سمجھنے کے لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نبی بشریت میں دیگر سب انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔قرآن مجید میں کتنا واضح اعلان آنحضرت ﷺ کی زبانی کروایا گیا کہ قل انّما انا بَشَر مثلکم (سورۃ الکہف آیت 111) کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔پس اگر ایک نبی کو بعض صورتوں میں دیگر انسانوں کی طرح بعض عوارض لاحق ہو جائیں تو اس پر اعتراض کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں۔بھلا ان نادانوں سے کوئی پوچھے کہ کیا ہمارے پیارے آقا،حبیب خدا ﷺ بشری تقاضے کے تحت بعض جسمانی عوارض میں سے نہیں گزرے تھے؟کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری کے ادوار نہیں آئے تھے؟بہت ہی جاہل اور نادان ہوگا جو ان باتوں کو وجہ اعتراض بنائے۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے لئے تو یہ عوارض وجہ اعتراض کی بجائے آپ کی صداقت کا نشان ہیں۔حدیث میں آتا ہے کہ ہمارے پیارے آقا محمد عربی ﷺ نے فرمایا ہے کہ آنے والا موعود مسیح دو زرد چادروں میں نزول فرمائے گا۔علم تعبیر کی رو سے زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں اور ان بیماریوں کو سچے مسیح موعود کی علامت قرار دیا گیا ہے۔آپؑ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ ان میں سے ایک بیماری دوران سر کی تکلیف ہے اور دوسری ذیابیطس کی۔پس حدیث نبوی کی رو سے جو بات دلیل ہے آپ کی صداقت کی اس پر معترضین کا اعتراض کرنا خود ان کی جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ اعتراض اصدق الصادقین کی سچی پیشگوئی کا کھلا کھلا انکار نہیں؟

حضرات! یہاں ایک ضمنی بات قابل ذکر ہے کہ جب مخالفین احمدیت کے جواب میں ہم اپنے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات اور آپ کی مبارک زندگی کو بطورمثال پیش کرتے ہیں تو یہ بات ان معاندین کو بہت ہی ناگوار گزرتی ہے۔ بجائے اس کے ان باتوں کو سن کر ایک سچے مومن کی طرح سرتسلیم خم کردیں اوراپنی حماقت کوتسلیم کر کے خاموش ہورہیں یہ لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ تم لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثالیں کیوں دیتے ہو؟ بات یہ ہے کہ ہم تو اسی محبوب ہستی کی مثالیں دیں گے اور اسی کے ارشادات کا حوالہ دیں گے جو حبیب کبریا ہے، جو اسوہء حسنہ ہےاوراس حوالہ سے ہمارا بھی سب سے زیادہ پیارااور محبوب ہے۔ ہم تو یہی کریں گے اور کرتے رہیں گے ولوکرہ الکافرون ہاں اگرتمہیں محبوب خداؐ کی مثالوں سے چڑ ہےتو یہ تمہاری بدنصیبی ہے۔

جسمانی عوارض کے سلسلہ میں ایک الزام یہ لگایا گیا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کومراق یعنی جنون تھا۔ حالانکہ یہ بات کلیتہً بے بنیاد ہے۔حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ آپ کومراق کا عارضہ تھا۔دوسروں کا کہنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ انبیاء کے دشمن تو ہمیشہ نبیوں کو یہی الزام دیتے آئے ہیں۔ أ ئنا لتارکوا ا لھتنا لشاعر مجنون (سورۃ الصّٰفّٰت آیت 37) آج اگر دشمنانِ احمدیت بھی یہی الزام دہراتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

طبی لحاظ سے مراق کا شمار امراض خبیثہ میں ہوتا ہے یعنی ایسے امراض جو لوگوں کے لئے نفرت کا موجب ہوں جیسے جنون۔ مالیخولیااور جذام وغیرہ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان امراض خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ دے رکھا تھا۔آپ نے تحریر فرمایا ہے:

''اس (خدا) نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر یک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا''

(اربعین نمبر3۔روحانی خزائن جلد17 صفحہ 419)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے مطابق آپ کو ان امراض سے محفوظ رکھا۔اور یہ امر آپ کی صداقت کا نشان ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں نسیان کے بعض واقعات کا ذکر ملتا ہے۔لیکن یہ عارضہ جو عارضی اور وقتی ہوتا ہے بعض اوقات ذیابیطس کے زیر اثر بھی ہوجاتا ہے۔لیکن یہ بات منصب نبوت کے ہرگز خلاف نہیں۔ میں ایک بار پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثال دوں گا جس سے دشمنان احمدیت کو چڑ ہے لیکن ہمارے لئے سند اور حجّت اگر کوئی مثال ہے تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔آپؐ کی حیات طیبہ میں نماز پڑھاتے وقت رکعات کی تعداد میں کمی

بیٹی کا ذکر ملتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ کَانَ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ یَفْعَلُ الشَّیْئَ وَمَا یَفْعَلُہٗ (بخاری کتاب بدء الخلق) کہ آپ کو خیال گزرتا تھا کہ گویا کوئی کام کرلیا ہے حالانکہ آپ نے وہ نہ کیا ہوتا تھا۔ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: انا انسی کما تنسون کہ میں بھی تمہاری طرح بعض اوقات بھول جاتا ہوں۔ پس اس بات کو وجہ اعتراض بنانا محض تعصب اور نادانی کا ثبوت ہے۔

عوارض کے حوالہ سے بعض ادویات کو بھی مخالفین نے اعتراض کا موضوع بنایا ہے۔ ٹانک وائن کے سلسلہ میں یہ بات ہر عاقل کو معلوم ہونی چاہیئے کہ یہ شراب نہیں (جو شریعت اسلامیہ میں حرام ہے) بلکہ ایک دوائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شراب کی دکان سے نہیں بلکہ دوائیوں کی دکان سے ملتی ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہرگز ہرگز کسی جگہ یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی ایک بار بھی خود اس کا استعمال کیا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خاندانی حکیم بھی تھے۔ آپ علاقہ کے نادار اور غریب بیماروں کو اپنے خرچ پر ضروری ادویات منگوا کر خدمت انسانیت کے جذبہ سے بلا قیمت دیا کرتے تھے۔ پس اگر آپ نے کسی موقع پر یہ دوا منگوائی تو کوئی شریف النفس یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ یہ خود اپنے استعمال کے لئے تھی۔ سوائے اس متعصب معترض کے جو اعتراض کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہو! اسی طرح کی ایک اور مثال کستوری کے استعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دوائی ذیابیطس میں بطور علاج استعمال ہوتی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کا استعمال ہرگز منع نہیں۔ قرآن وحدیث میں کسی جگہ اس کی ممانعت کا ذکر نہیں ملتا۔ نہ معلوم ہمارے نادان مخالفین کب تک اپنے لوگوں کو گمراہ کرتے چلے جائیں گے۔ ایسے لایعنی اعتراضات سے وہ لوگ تو گمراہ نہیں ہوں گے ہاں ان معترضین کے اپنے اعمال نامے ضرور سیاہ سے سیاہ تر ہوتے چلے جائیں گے۔

حضرات! جھوٹ اور مبالغہ تو مخالفین احمدیت کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ جس اعتراض کو دیکھو اس میں جھوٹ۔ جس الزام پر نظر کرو اس میں مبالغہ۔ ذرا ایک اور مثال دیکھئے۔ یہ ظالم مخالفینِ احمدیت حضرت مسیح پاک علیہ السلام پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ کو دن میں سو سو بار پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ اصل حقیقت خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ سے خوب واضح ہوجاتی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

''بیماری ذیابیطس ۔۔۔ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے ۔۔۔ اور جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے

شامل حال رہتے ہیں‘‘

(اربعین نمبر 4 صفحہ 471)

کہ ایسا کبھی کبھی ذیابیطس کی شدت میں ہوتا تھا نہ کہ ہر روز کا معمول۔لیکن معاندین احمدیت کو تسلی نہیں ہوتی جب تک ہر بات میں جھوٹ اور مبالغہ کو شامل نہ کرلیں۔

سامعین کرام! عوارض کے حوالہ سے مخالفین احمدیت کے ان سب بے بنیاد اعتراضات کے تناظر میں سب سے اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ جسمانی عوارض کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح اور مہدی کو کس طرح غیر معمولی رنگ میں فعال زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائی۔آپ کا مقصد احیائے اسلام اور اشاعتِ دینِ متین تھا۔اس مقصد کی خاطر عملاً آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف تھا۔ خدائے رحیم و کریم نے آپ کی دونوں بیماریوں کو آپ کی صداقت کا نشان بنا دیا اور پھر مزید کرم یہ ہوا کہ آپ کو آقائے نامدار محمد مصطفی ﷺ کی طرح بیماریوں کے بداثرات سے محفوظ رکھا۔کوئی بیماری آپ کی خدمتِ اسلام کی راہ میں روک نہ بن سکی۔ خدمت اسلام کی غیر معمولی اور نمایاں توفیق آپ کو عطاء ہوئی۔صرف ایک پہلو کا اشارہ کرتا ہوں ۔اسلام کے دفاع میں آپ کو 90 کے قریب بلند پایا تصانیف کی توفیق ملی ۔آپ زندگی کے آخری مرحلہ تک تصنیف کے کام میں مصروف رہے۔آپ نے ان کتب کا ایک ایک لفظ اپنے دستِ مبارک سے خود تحریر فرمایا۔اس قلمی جہاد میں غیر معمولی کامیابی کے ساتھ جب آپ رخصت ہوئے تو مخالفین نے آپ کو ایک فتح نصیب جرنیل کے الفاظ سے یاد کیا۔کیا یہ خدائے بزرگ و برتر کا آپ پر غیر معمولی فضل اور آپ کی صداقت کا روشن نشان نہیں؟

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆ اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو حکم تو یہ ہے کہ نیکیوں اور خوبیوں کی تلاش میں رہو لیکن مخالفین احمدیت اس خدائی حکم کے بالکل برعکس حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی زندگی کے ایک ایک گوشے میں جھانک کر خرابیوں اور قابل اعتراض باتوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔تعصب کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو ہر بات قابل اعتراض نظر آتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسی حیات طیبہ عطا فرمائی جس کو آپ نے ایک عظیم الشان دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔آیت کریمہ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون کو بنیاد بناتے ہوئے آپ نے کس تحدی سے بیان فرمایا ہے:

’’تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ کا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا

ہوگا۔کون تم میں ہے۔جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے۔پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے"۔(تذکرہ الشہادتین۔روحانی خزائن جلد 20صفحہ 64)

اس امر کا اعتراف حق پرست مخالفین نے بھی کیا۔بچپن کی حالت میں آپ کو ایک ولی اللہ اور صاحب کرامت بزرگ غلام رسول صاحب نے دیکھا تو فرمایا:

"اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے"(حیات طیبہ صفحہ 11)

مشہور مسلمان لیڈر مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کے والد منشی سراج الدین صاحب نے گواہی دی:

"ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے"

(اخبار زمیندار مئی 1908)

اور جب آپ بانیل مرام اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مشہور اخبار وکیل امرتسر نے لکھا:

"کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹے سے چھوٹا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی"

(اخبار وکیل امرتسر 30 مئی 1908)

یہ منہ بولتی گواہیاں ہیں جو آپ کی صداقت اور پاک زندگی پر گواہ ہیں۔اور مخالفین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب ہیں۔اور دوسری طرف اس زمانہ کے ملّاؤں کا حال یہ ہے کہ اس فرشتہ صفت اور مقدس انسان کے بارہ میں سرتاپا جھوٹی تہمتیں لگانے سے نہیں شرماتے۔گھریلو ماحول میں ہونے والے دو واقعات کو اپنی گندی سوچ کے مطابق اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جیسے یہ آپ کی ساری زندگی کا نقشہ ہو۔عربی زبان کا مقولہ ان معترضین پر خوب صادق آتا ہے کہ الاناء یترشح بما فیہ کہ برتن سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔اس جگہ اول تو یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء کے بیان کردہ نہیں بلکہ دیگر افراد کی روایات پر مبنی ہیں جن کے بارہ میں مرتب کتاب نے خود لکھا ہے کہ میں الفاظ روایت کی صحت کا دعویدار نہیں ہوں۔(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ 1) پاک سوچ کے ساتھ اور دیانتداری سے اگر ان واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

پہلی روایت میں ایک بوڑھی خادمہ کا ذکر ہے۔جو گھر کی قدیم ملازمہ تھی اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضرت کے پاؤں دبا رہی تھی۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ روایت کسی اور نے نہیں بلکہ حضرت ام

المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود بیان فرمائی ہے اور پھر وہ خادمہ رضائی کے اوپر سے دبا رہی تھی ۔ نبی اپنے پیروکاروں کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گندی ذہنیت کا مالک ہی اس پر انگشت نمائی کرسکتا ہے اور ایسا کرنا خود اس کی عامیانہ اور مجرمانہ سوچ کا غماز ہے۔

دوسری روایت میں حضور کے کمرے کے ایک کونے میں جہاں پانی کے گھڑے رکھے تھے ، ایک نیم دیوانی عورت کے نہانے کا ذکر ملتا ہے۔ اس روایت میں یہ بات واضح طور پر درج ہے کہ حضرت اقدس اس وقت اپنے تحریری کام میں اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی نظر کسی اور طرف اٹھی تک نہیں۔ آپ اپنے دینی کام میں مستغرق رہے اور غالباً آپ کا رخ بھی دوسری جانب تھا۔ اسی لئے جب گھر کی ایک عورت نے اس نیم دیوانی عورت کو متنبہ کیا تو اس نے کہا کہ ''انہوں کجھ دیدا اے'' کہ اس کو تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس بات میں تینوں پہلو مضمر ہیں غضّ بصر کی وجہ سے ، دوسرے رخ بیٹھے ہونے کی وجہ سے اور اپنے کام میں استغراق کی وجہ سے۔

اللہ کے پیاروں کو اپنے دینی کام میں جو استغراق ہوتا ہے اور جس انہماک اور پوری یکسوئی سے وہ اپنے مفوضہ کام میں مصروف رہتے ہیں وہ ایک ایسی دنیا ہے جس سے معترضین کا کبھی گزر نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر ان کی سفلی سوچ ابھر آتی ہے اور اپنی گندی سوچ کو دوسروں پر چسپاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو کون بتائے کہ اللہ کے پیارے اپنے دینی کاموں میں اور محبوب ازلی کی محبت میں ایسی مجذوبانہ حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے اردگرد کی کچھ بھی خبر نہیں رہتی۔ اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں جس سے پتہ چلتا ہے کہ معترضین اس مقدس کوچہ سے کلیتاً ناآشنا ہیں۔ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تذکرہ الاولیاء میں لکھا ہے:

''ایک کنیز تیس سال تک آپ کے ہاں (خدمت پر مامور) رہی لیکن آپ نے کبھی اس کا چہرہ تک نہ دیکھا۔ ایک دن اپنی اس کنیز سے کہا ذرا میری کنیز کو آواز دے دو۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں ہی تو آپ کی کنیز ہوں۔ فرمایا کہ تیس برس میں میرا خیال سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور طرف نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں تم کو شناخت نہ کرسکا''

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ 33 ناشر اسلامی کتب خانہ لاہور)

اس پاکیزہ سوچ اور ملاؤں کی سوچ میں کتنا بعد المشرقین ہے!

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرز زندگی اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرح بہت سادہ اور

تکلفات سے پاک تھی۔ خدا کے پاک لوگوں کا یہی انداز ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں ہوتے ہوئے بھی اس دنیا کے باسی نہیں ہوتے۔ وہ اپنی پاکیزہ سوچوں کے ساتھ کاموں میں ہمہ وقت اس قدر گم رہتے ہیں کہ بسا اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں نظر انداز ہو جاتی ہیں جبکہ دنیادار لوگ اپنے لباس کی تراش خراش اور زیب و زینت میں الجھے رہتے ہیں۔ معاندینِ احمدیت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اس نوعیت کے چندواقعات پر بھی طعن وتشنیع کی ہے مثلاً یہ کہ بعض اوقات جوتا پہنتے وقت جوتا الٹا پہن لیا یا قمیض کے بٹن اوپر نیچے لگا لئے۔ عقل مند شریف انسان تو ان باتوں کو طبیعت کی سادگی اور محویت سے تعبیر کرے گا۔ یہی تو خدا تعالیٰ کے مقربین کی علامت ہے۔ انقطاع الیٰ اللہ کی پاکیزہ حالت کی وجہ سے دنیاوی رکھ رکھاؤ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ محویت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں ان باتوں کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں رسول پاک ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان مذکور ہے کہ ماانامن المتکلفین (سورۃ صٓ آیت 87) کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اسوۂ مبارکہ میں نظر آتی ہے۔ آپ کا طرز عمل دنیاوی تکلفات سے بہت بالا تھا۔ مگر کم ظرف ناقدین ہیں کہ ایسی باتوں کو اچھالتے رہتے ہیں اور اس طرح خود ہی اپنی پست ذہنیت کی پردہ دری کرتے ہیں۔

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات کے خلاف کئے جانے والے اعتراضات برائے اعتراض کی فہرست بہت لمبی ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت مسیح پاک علیہ السلام امرتسر میں تقریر فرما رہے تھے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ نے تقریر کے دوران چائے پی لی۔ اس اعتراض کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مطابق سفر میں روزہ نہیں رکھا جاتا۔ قرآن مجید میں بھی واضح حکم ہے اور بخاری و مسلم میں واضح حدیث ہے

لیس من البرّ الصیام فی السفر

کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ خود رسول مقبول ﷺ کی سنت مبارکہ سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ بخاری میں مذکور ہے کہ ماہ رمضان میں رسول پاک ﷺ سفر میں تھے تو آپ نے پانی کا برتن دونوں ہاتھوں سے بلند فرمایا تاکہ سب لوگ آپ کو پانی پیتا دیکھ لیں (بخاری کتاب الصیام) حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اپنے آقا ومطاع ﷺ کی سنت پر عمل فرمایا پھر اس پر اعتراض کیسا؟

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر بائیں ہاتھ سے پانی پیا اور یہ بات شرعی احکام کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں ایک بنیادی اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ لایکلف اللہ نفساً الّا وسعھا (البقرۃ آیت 287) کہ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ پس اگر کوئی بات ایسی ہو کہ کوئی شخص واقعی اسے بجا نہ لا سکتا تو اس پر حرف گیری کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ چھوٹی عمر میں گرنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اس وجہ سے آپ پانی کا برتن وغیرہ منہ تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس مجبوری کی وجہ سے اگر آپ نے کسی موقع پر بائیں ہاتھ سے پانی پی لیا تو اس پر کیا اعتراض؟

(سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر 187)

☆ حضرات! بعض چھوٹے چھوٹے اعتراضات کو چھوڑتے ہوئے اب ہم ان اعتراضات کی طرف آتے ہیں جن کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال سے ہے۔ یہ وہ اعتراضات ہیں جو مخالفین احمدیت شرم و حیا اور خدا خوفی کے دامن کو تار تار کرتے ہوئے بہت بدزبانی سے کرتے ہیں۔ اس ضمن میں پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کا الہام تھا کہ ”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے یہ الہام درج کیا ہے اسی جگہ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ:

”اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی جیسا کہ دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔ خودبخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔“

(تذکرہ صفحہ 503 الہام 14 جنوری 1906)

حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے جو تشریح خود بیان فرمائی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پورا فرما دیا۔ اس تشریح کو چھوڑ کر اس پر اعتراض کرنا جانتے بوجھتے حق و صداقت اور انصاف کا خون کرنا ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ آپ نے لکھا تھا کہ میری عمر 80 سال ہوگی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ بھی جھوٹ اور مغالطہ کی ایک شرمناک مثال ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ ثمانین حولاً او قریباً من ذلك (تذکرہ صفحہ 149) کہ تیری عمر اسی سال یا اس کے قریب ہوگی۔ پھر ایک اور الہام بھی آپ کو ہوا کہ ”اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم“ (حقیقۃ الوحی صفحہ 100) امر واقعہ یہ ہے کہ ان الہامی خبروں کے عین مطابق حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا وصال 75-76 سال کی عمر میں ہوا۔

پھر ایک اعتراض حضرت اقدس کی وفات کی جگہ کے

حوالہ سے کیا جاتا ہے جو سرتاپا جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ اس کا مختصر جواب قرآنی الفاظ میں یہ ہے هذا بهتان عظيم اور لعنة الله على الكاذبين۔

حضرت اقدس کے وصال کی جگہ اور اس وقت کی کیفیت کے بارہ میں خاندان کے بزرگ افراد اور صحابہ کرام کی عینی گواہیاں پوری تفصیل کے ساتھ تاریخ احمدیت میں مذکور ہیں۔اس کے باوجود جھوٹ اور افتراء کی نجاست پر منہ مارنے والوں پر رسول مقبول ﷺ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے

كفى بالمرء كذباً ان يحدّث بكل ما سمع (صحیح مسلم)

کہ کسی کے جھوٹے ہونے کا یہ ثبوت بہت کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرتا چلا جائے۔ پس یہ افتراء گھڑنے والا بھی اس حدیث کے مطابق کذاب ہے اور اس افتراء کو آگے پھیلانے والے بھی۔

اس اعتراض کے حوالہ سے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مخالفین احمدیت کا یہ افترائے عظیم بالکل اسی انداز کا ہے جو ایک معاند اسلام نے رسول پاک ﷺ کے بارہ میں بیان کیا ہے۔اس کا ذکر علامہ شیخ رشید رضا سابق مفتی مصر نے اپنی کتاب الوحی المحمدی صفحہ 18 پر کیا ہے۔یہ بھی ایک عجیب خدائی تصرف ہے کہ اس غلیظ الزام لگانے میں مخالفین احمدیت اور معاندین اسلام میں ایک قدر مشترک پیدا ہوگئی ہے جو تشابهت قلوبهم کی ایک عبرتناک مثال ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا وصال کس بیماری سے ہوا اس کا فیصلہ ان معالجین اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے بہتر کوئی اور نہیں کرسکتا جو آپ کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ آپ کا وصال وبائی ہیضہ سے ہرگز نہیں ہوا۔اول تو جن دنوں آپ کا وصال ہوا تاریخی طور پر ان دنوں پنجاب میں یہ وبا نہیں تھی اور نہ ہی اس وجہ سے کسی شخص کے مرنے کا ریکارڈ میں ذکر ہے۔دوسرے یہ کہ وبائی ہیضہ کی کوئی علامت بھی حضرت مسیح موعودعلیہ السلام میں نہ تھی۔تیسرے اس بات کا قطعی ثبوت آپ کے معالج ڈاکٹر سِدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کا جاری کردہ وہ سرٹیفکیٹ ہے جس میں صاف لکھا ہے کہ آپ کی وفات اعصابی کمزوری اور اسہال کی وجہ سے ہوئی۔اس طرح ایک اور معالج ڈاکٹر کننگھم سول سرجن لاہور نے جو سرٹیفکیٹ جاری کیا اس میں بھی پوری وضاحت سے ذکر ہے کہ آپ کی وفات کی وجہ اسہال سے ہونے والی اعصابی کمزوری تھی نہ کہ ہیضہ۔یہ دستاویزات اس بارہ میں قول ناطق ہیں جن کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لیکن بُرا ہو اندھی مخالفت اور تعصب کا کہ اس زمانہ کے

مخالفین نے شرارت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی نعش مبارک قادیان لے جانے کے لئے لاہور کے ریلوے سٹیشن لائی گئی تو شرپسند مخالفین نے سٹیشن ماسٹر کو کہا کہ چونکہ مرزا صاحب کی وفات وبائی ہیضہ سے ہوئی ہے اس لئے ان کی نعش قانونی طور پر بذریعہ ریلوے نہیں جاسکتی۔ سٹیشن ماسٹر نے یہ بات سن کر وقتی طور پر انکار کر دیا لیکن جب معالج ڈاکٹر کا جاری کردہ سرٹیفکیٹ پیش کیا گیا تو اس نے فی الفور اجازت دیدی اور جنازہ بذریعہ ٹرین لاہور سے روانہ ہوا۔ یہ سارا واقعہ اس اعتراض کو رد کرنے بلکہ مخالفین کے منہ بند کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

اعتراضات کا ایک اصولی جواب

حضرات! چند اہم اعتراضات کے الگ الگ جوابات تو ہو چکے لیکن سب کا ایک اصولی اور منطقی جواب بھی ہے جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر نئے سے نئے اعتراض کرنے والو! ذرا اس بات پر تو غور کرو جو وجود تمہاری کوتاہ نگاہوں میں قابل اعتراض ہے اور تمہاری نظر میں اس قابل نہیں کہ منصبِ نبوت پر فائز ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی وہ ویسا ہی تھا؟ نہیں نہیں تمہارے خیالات میں اور علّام الغیوب خدا کے محبت بھرے سلوک میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے جو اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتا ہے۔

مسیح پاک علیہ السلام کی ساری زندگی ایک کتاب مفتوح کی طرح دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا کے لوگوں نے تو آپ پر طرح طرح کے اعتراضات کئے۔ آپ کے خلاف بدزبانی کی۔ گالیاں دیں۔ کفر کے فتوے دیئے۔ آپ کی مخالفت میں ہر ممکن جتن کیا۔ اور آپ کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ہر ممکن حیلہ استعمال کیا اور یہ سلسلہ شروع دن سے لے کر آج تک جاری ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ نتیجہ کیا ہوا۔ کون جیتا اور کون ہارا؟ روحانی بصیرت سے محروم لوگوں کے سوا ہر شخص پر یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ احمدیت کے سب دشمن سچے مسیح محمدیؐ کے مقابل پر اپنی ساری تدبیروں میں ناکام رہے۔ ان کے سب عمائدین جن کو وہ پہاڑوں جیسی شخصیتوں سے تعبیر کرتے تھے وہ سب ناکام و نامراد رہے۔ وہ سب مل کر بھی مسیح موعود علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور محبوب بندہ ہر میدان میں کامیاب اور سب دشمنوں پر غالب رہا۔ قدم قدم پر وہ خدا کی محبت اور نصرت کے سایہ میں محفوظ و مامون رہا۔ دشمنوں کے ہر وار کے مقابل پر خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں اس کی حفاظت فرمائی۔

خدا تعالیٰ نے اسے کہا کہ میں تجھے عزت واکرام دوں گا اور تجھے عجیب طور پر بزرگی عطا کروں گا۔ دیکھو آج کروڑوں عشاق آپ کے غلام ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

خدا نے فرمایا کہ میں تجھے زمین کے کناروں تک شہرت دوں گا۔ دیکھو آج عالم احمدیت پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ خدا نے وعدہ دیا تھا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ ہم نے یہ وعدہ پورا ہوتے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

کس کس بات کا ذکر کیا جائے اور کس کس نشان کا حوالہ دیا جائے۔ حق یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی حفاظت، اسکی تائید ونصرت اور اس کے محبت بھرے سلوک کے سایہ میں بسر ہوئی۔ آپ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

جس شخص کی یہ کیفیت ہو اور ساری دنیا واقعاتی شواہد سے بھری پڑی ہو۔ کیا اس کے بارہ میں ان اعتراضات کا کوئی بھی عقلی جواز ہوسکتا ہے؟

اے منکرو! اگر تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی سچائی اور خدا کا خوف ہے تو سچ بتاؤ کہ کیا خدا تعالیٰ کا یہ محبت بھرا سلوک، ساری زندگی اس کی تائید ونصرت اور اللہ تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت نہیں کہ امام الزمان حضرت مسیح موعود خدا کے سچے فرستادہ اور مؤیّد من اللہ تھے؟

پھر سوچو اور غور کرو کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنے محبت بھرے سلوک اور تائید ونصرت کے ذریعہ آپ کی صداقت ثابت کردی تو پھر کیا تمہارے یہ سب اعتراضات خد اتعالیٰ کی فعلی شہادت کا کھلا کھلا انکار نہیں؟ مسیح پاک علیہ السلام کس تحدی اور جلال سے فرماتے ہیں:

اس قدر نصرت کہاں ہوتی ہے اک کذاب کی
کیا تمہیں کچھ ڈر نہیں ہے کرتے ہو بڑھ بڑھ کے وار
ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

اختتامیہ

حضرات! حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ذات بابرکات پر کئے جانے والے چند اعتراضات کے جوابات عرض کرنے کا موقع ملا ہے۔ خدا کرے کہ یہ آواز ان دلوں کے دروازوں پر دستک دے جو نام نہاد علماء کے جھوٹے پروپیگنڈا کی وجہ سے ہدایت قبول کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔ اور خدا کرے کہ یہ آواز ان معترضین کے ضمیر کو بھی جھنجھوڑنے میں کامیاب ہوسکے جو ظلمت اور گمراہی کی تاریک وادیوں میں بہت دور جاچکے ہیں۔

نصیحت کرنا ہمارا فرض ہے اس لئے میں ان سے کہتا ہوں کہ دیکھو اور کان کھول کر سنو کہ خلیفہء وقت کے ایک اشارہ پر اٹھنے والی اور ایک فرمان پر بیٹھنے والی عالمگیر جماعت احمدیہ خلافت احمدیہ کے زیر سایہ شاہراہء غلبہ اسلام پر کس برق رفتار تیزی سے آگے سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہے اور مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں بندگان خدا کے دل جیت کر ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے آستانہ پر جھکاتی چلی جارہی ہے۔ سعادت مند لوگ تو خلافتِ احمدیہ کے عافیت بخش سایہ کے نیچے آرہے ہیں اور ایک تم ہو۔اے بدقسمت مخالفینِ احمدیت! کہ حسد کی آگ میں جل کر کوئلہ ہوتے جارہے ہیں۔کاش تم اس حقیقت کو سمجھو اور دلوں میں جگہ دو کہ حقیقی نجات اس آواز کو قبول کرنے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے قادیان کی گمنام بستی سے بلند ہوئی اور آج اس کی بازگشت 198 ملکوں میں سنائی دے رہی ہے۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کس درد سے فرماتے ہیں:

''یہ سلسلہ آسمان سے قائم ہوا ہے۔تم خدا سے مت لڑو۔تم اس کو نابود نہیں کر سکتے۔اس کا ہمیشہ بول بالا ہے۔۔۔اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لئے پیدا ہوا۔اور یقینا سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا۔۔۔سو اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظر ثانی کرو۔کم سے کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہوگئی ہو اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو''۔(اربعین نمبر 4 صفحہ 21)

بالآخر میں اپنے مضمون کا اختتام رسولِ مقبول ﷺ کے عاشقِ صادق، حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام کے چند اور پرشوکت الفاظ سے کرتا ہوں۔

اے لوگو! اس محبت بھرے انتباہ پر کان دھرو کہ یہ کلمات اس برگزیدہ فرستادہ کے ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کی غلامی میں زمانے کا امام بنایا۔آپ فرماتے ہیں:

''جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں، الٹے خدا تعالیٰ کے رسول کو ستاتے اور دکھ دیتے ہیں، وہ آخر کار پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں''۔(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 412۔413)

آپ فرماتے ہیں:

''میں محض نصیحتاً لِلّٰہ مخالف علماء اور ان کے ہم خیال

لوگوں کو کہتا ہوں کہ گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے۔اگر آپ لوگوں کی یہی طینت ہے تو خیر آپ کی مرضی۔لیکن اگر مجھے آپ لوگ کاذب سمجھتے ہیں تو آپ کو یہ بھی تو اختیار ہے کہ مساجد میں اکٹھے ہوکر یا الگ الگ میرے پر بددعائیں کریں اور رورو کر میرا استیصال چاہیں پھر اگر میں کاذب ہوں گا تو ضرور وہ دعائیں قبول ہو جائیں گی اور آپ لوگ ہمیشہ دعائیں کرتے بھی ہیں۔لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ اس قدر دعائیں کریں کہ زبانوں میں زخم پڑ جائیں اور اس قدر رورو کر سجدوں میں گریں کہ ناک گھس جائیں اور آنسوؤں سے آنکھوں کے حلقے گل جائیں اور پلکیں جھڑ جائیں اور کثرت گریہ وزاری سے بینائی کم ہوجائے اور آخر دماغ خالی ہوکر مرگی پڑنے لگے یا مالیخولیا ہوجائے تب بھی وہ دعائیں سنی نہیں جائیں گی کیونکہ میں خدا سے آیا ہوں۔جو شخص میرے پر بددعا کرے گا وہ بددعا اسی پر پڑے گی۔جو شخص میری نسبت یہ کہتا ہے کہ اس پر لعنت ہو وہ لعنت اس کے دل پر پڑتی ہے مگر اس کو خبر نہیں''۔

(اربعین نمبر 4،روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 471_472)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین





ایم ٹی اے غانا کا افتتاح پر

عبدالکریم قدسیؔ امریکہ



آج کے دن ایم ٹی اے غانا کا آنا دوستو
صد مبارک یہ ترقی کا زمانہ دوستو

آسمانوں سے اترتی دیکھ کر نوری سپاہ
ہے پریشاں کفر کا سب تانا بانا دوستو

یہ یقیناً ہے نویدِ صبح صادق کی دلیل
فاختاؤں کا فضا میں چہچہانا دوستو

آسماں والے سے افریقہ کا رشتہ جوڑ کر
اگلا پچھلا سارا قرضہ ہے چکانا دوستو

سچ میں ہوتی نہیں کوئی کمی بیشی ذرا
جس قدر سچائی ہے اتنی بتانا دوستو

اپنی نسلوں کی ترقی اور بقا کے واسطے
عہدِ بیعت کو بہ ہر صورت نبھانا دوستو

اس کی صدق دل سے قدسیؔ پیروی کرتے رہو
حق پرستوں کا ہے جو اک ''مردِ دانا'' دوستو







حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(میرے اتالیق mentor, آئیڈیلسٹک Idealistic اور رہبر Guide)

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

دور او چوں شود
تمام　　بکام
پسرش　یاد　گار
بینم　　　مے



ہر انسان اپنے لئے کوئی آئیڈیلسٹک، مینٹور اور رہبر اختیار کر لیتا ہے اور میں نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح ثانی کو اپنا اتالیق (mentor) آئیڈیلسٹک (Idealistic) اور رہبر (Guide) اختیار کرلیا۔

پس منظر

میرے آباؤاجداد بھیرہ کے غیر معروف صحابہ مسیح موعود میں سے تھے انہیں 1898ء میں بھیرہ سے قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے، ملنے اور دستی بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی الحمد للہ۔ میرے والد صاحب کی پیدائش خلافت اولی کے آغاز پر ہوئی اور انہیں اپنے والدین کے ساتھ بچپن میں قادیان جا کر حضرت خلیفہ اول کو دیکھنے اور ان کے گھر قیام کرنے کا موقع نصیب ہوا

ثم الحمدللہ

میں نے اپنی آنکھ قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر کے دور خلافت میں کھولی جن کے بارے میں آج سے تقریباً 850 سال پہلے علم نجوم کے ذریعے نہیں بلکہ ذات باری کی طرف سے دیکھ کر اپنے فارسی قصیدہ میں ایک ولی اللہ نعمت اللہ رحمۃ اللہ نے اپنے فارسی قصیدہ میں لکھا تھا

دور او چوں شود تمام بکام
پسرش یاد گار مے بینم

یعنی جب مھدئ وقت وعیسٰی دوراں کا زمانہ کامیابی سے گزر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا جو اسی کے رنگ میں رنگین ہوجائے گا۔

خدا کی عجیب شان ہے کہ بچپن میں ہی متعدد بار مہدئ وقت وعیسی دوران کا "پسرش یادگار" حضرت مصلح موعود خواب میں مجھے اپنے صحابہ دادا پڑدادا رضی اللہ عنھم کے گھر کی چھت پر کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے پس مجھے آپ سے بے حد پیار اور للٰہی محبت ہوگئی اور میں نے

آپ کو اپنا آئیڈیل، رہبر اور اتالیق بنالیا۔

سوانح فضل عمر جلد 5 صفحہ 427425 پر میرے والد میاں فضل الرحمان صاحب بسمل کی حضرت مصلح موعود کے ساتھ ایک ملاقات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جس میں والد صاحب نے اپنی مشکلات کا ذکر کرکے دعا کی درخواست کی اور حضور کی روحانی توجہ اور دعا سے والد صاحب کے حالات نے پلٹا کھانا شروع کیا اور اس کے اگلے سال میری پیدائش ہوئی یہ وہی سال ہے جس میں آپ نے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔

حضرت مصلح موعود کی عظمت

جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا آپ کی عظمتوں کا علم میں اضافہ ہوتا چلا گیا میری للٰہی محبت حضرت مصلح موعود کے لئے بڑھتی چلی گئی۔

آپ حسن اور احسان میں اپنے بزرگ والد کے نظیر تھے اور آپ کی زبان پر یہ الہام جاری ہوا تھا۔

انا المسیح الموعود و مثیله و خلیفته

کہ میں بھی مسیح موعود ہوں یعنی اس کا مثیل اور خلیفہ ہوں اس لئے آپ کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکتیں بھی عود کر آئیں۔

پیشگوئی مصلح موعود 20 فروری 1886ء

ماضی کی روایتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خود مسیح موعود کو بھی "پسرش یادگار" کی آپ کی پیدائش سے پہلے خبر دی تھی جس کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 20 فروری 1886ء کو شائع فرمائی جو پیشگوئی مصلح موعود کے نام سے تشہیر پا گئی فرمایا

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

اسی مناسبت سے ہر سال جلسہ مصلح موعود منعقد کیا جاتا ہے

اولوالعزم خلیفہ

جیسا کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے الہاما بتایا تھا یہ بیٹا غیر معمولی اعلیٰ استعدادوں والا اولولعزم اور بڑی بشارتوں کا مالک ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت سے یہی ثابت ہوا۔ آپ نے فرمایا اور ثابت کیا:

میں تیز قدم ہوں کاموں میں
بجلی ہے میری رفتار نہیں
صدیوں کا کام آپ نے سالوں میں کیا

آپ کی لیڈرشپ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ساری استعدادوں کا اثاثہ حضرت مسیح موعود

کے مشن کی تکمیل میں صرف کر دیا اور دن رات کام کیا آپ کی یہ حالت تھی:

کل کے کاموں کو بھی ممکن ہو اگر تو آج کر
اے مری جاں وقت ہر گز نہیں تا خیر کا

آپ کی ایک بیٹی صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ کا ایک مضمون دو دفعہ الفضل سے میں نے پڑھا جس سے آپ کے معمورالاوقات ہونے کا اندازہ ہوتا تھا انہیں بچپن میں شوق ہوا کہ دیکھوں ان کے والد کب سوتے ہیں کہتی ہیں وہ رات بھر کرسی پر بیٹھ کر جاگنے کی کوشش کرتی رہیں اور قہوہ پیتی رہیں کہ کہیں نیند نہ آ جائے لیکن والد صاحب کام کرتے رہے وہ کہتی ہیں آدھی رات کے بعد وہ کرسی پر بیٹھی بیٹھی سو گئیں اور جھٹک کر اٹھیں تو دیکھا والد صاحب تہجد پڑھ رہے ہیں انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ کب سوتے اور کب جاگتے ہیں۔

دنیا کے کناروں تک شہرت

آپ نے نہایت نامساعد حالات میں مسیح موعود کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا اور ساری توانائیاں اس راہ میں خرچ کر دیں۔

آپ کی ایک بہن نواب مبارکہ بیگم اپنے منظوم کلام میں فرماتی ہیں

چیر کر سینے پہاڑوں کے قدم اس کے بڑھے
سینہ کوبی پر ہوئے مجبور اعدائے لعیں
صرف کر ڈالیں خدا کی راہ میں سب طاقتیں
جان کی بازی لگا دی قول پر ہارا نہیں

آپ کے دورِ خلافت میں دنیا کے تمام براعظموں میں اسلام احمدیت کے تبلیغی مراکز کا جال بچھ گیا۔ ایک جائزے کے مطابق آپ نے مندرجہ ذیل ممالک میں مشنری بھیج کر مشن قائم کر دئے اور جماعتیں قائم کر دیں دنیا۔ کی 1/5 آبادی تک آپ نے اسلام احمدیت کا پیغام پہنچا دیا۔ برطانیہ، سپین، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، سکنڈے نیویا (سویڈن، ڈنمارک، ناروے)، شمالی امریکہ، برطانوی گی آنا، نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، لائبیریا، گمبیا، آئیوری کوسٹ، ٹوگولینڈ، کینیا، یوگنڈا، ٹانگانیکا، ماریشس، جنوبی افریقہ، فلسطین، لبنان، شام، عدن، سنگاپور، کوالالمپور، برما، سیلون، انڈونیشیا، بورنیو، جزائر فجی، میڈیکل سنٹر دینی مدارس اور 291 مساجد اس کے علاوہ ہیں۔

”تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔“ (پیشگوئی مصلح موعود)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے رہنمائی حاصل کر کے حضرت خلیفہ اول ایک لمبا عرصہ قرآن کریم کا درس دیتے رہے حضرت مصلح موعود کو خدا تعالیٰ نے تفسیر قرآن مرتب کرنے اور شائع کرنے کی توفیق دی تفسیر صغیر مکمل آپ کی

زندگی میں چھپ گئی اور تفسیر کبیر کی دس جلدیں شائع ہوئیں۔

غیر ملکی زبانوں میں تراجم قرآن

مختلف زبانوں میں قران کے تراجم کا غیر معمولی کام آپ کے دور خلافت میں ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنی خلافت کے پہلے جلسہ سالانہ ربوہ پر قرآن کریم کے تراجم کا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا

"...سب سے ضروری کام تو قرآن کریم کے صحیح تراجم کا دنیا میں پھیلانا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں حضور (المصلح الموعود) نے جو کام شروع کروائے ان میں سے کچھ تو پورے ہو گئے کچھ پورے ہونے والے ہیں

انگریزی زبان میں ترجمہ... (اور) تفسیر...، جرمن زبان میں ترجمہ.. سورۃ کھف کی تفسیر... ڈچ زبان میں ترجمہ.. ڈینش زبان میں پہلے سات پاروں کا ترجمہ مع مختصر تفسیری نوٹ.. لوگنڈی زبان میں پہلے پانچ پاروں کا ترجمہ مع تفسیری نوٹ.. مغربی افریقہ کی مینڈے زبان میں پہلے پارہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ کئی تراجم کئے جا رہے ہیں۔فرانسیسی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی ہو رہی ہے ہسپانوی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی ہو رہی ہے روسی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے پرتگیزی زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے ڈینش زبان میں بقیہ 23 پاروں کا ترجمہ مع تفسیری نوٹ تیار ہے طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے مشرقی افریقہ کے لئے ککویو زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے لکمبا زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے مغربی افریقہ کے لئے مینڈے زبان میں بقیہ 29 پاروں میں سے 20 پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے 9 پاروں کا ترجمہ کروایا جا رہا ہے انڈونیشین زبان میں 10 پاروں کا ترجمہ مع تفسیری نوٹ مکمل ہو چکا ہے بقیہ زیر تکمیل ہے۔"

(خطاب جلسہ سالانہ 21 دسمبر 1965ء

حضرت مصلح موعود کی کچھ ذاتی باتیں اور حسین یادیں

1) پختگی ایمان

ایک بار اپنی adolescence age میں میں نے آپ کی ایک تحریر پڑھی کہ بچپن میں جب کہ آپ کو مسیح موعود کے دعوی کی سمجھ نہ تھی اور ایک دنیا مخالف تھی آپ نے ارادہ کیا کہ حضور کی کتابیں پڑھیں گے اور اس لئے احمدی نہیں رہیں گے کہ اس کے بانی آپ کے والد ہیں بلکہ اگر تحقیق سے ثابت نہ ہوا تو احمدیت چھوڑ دیں گے جنانچہ آپ نے ساری کتب مسیح موعود پڑھیں اور آپ پر مسیح موعود کی صداقت روشن ہوگئی اور آپ کا ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط ہو گیا۔

چنانچہ یہ پڑھ کر میں نے بھی کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں آپ کی اکثر کتابیں تنقیدی نظر سے پڑھیں اور حضرت مسیح موعود کی صداقت کا اسی طرح قائل ہو گیا جس طرح مسیح موعود کے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا قائل تھا۔

2) سٹڈی ٹیبل پر مصلح موعود کی پرزور تحریر

ایک کمزور سے کمزور انسان کے اندر بھی آپ نے حوصلہ اور ہمت پیدا کی میں نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران اپنے study table پر آپ کی ایک تحریر چسپاں کی ہوئی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ارادے کو تکمیل تک پہنچانا ہے یا اسی جدوجہد میں اپنے آپ کو تباہ کر لینا ہے

3) عبادت اور دعا کرنے کا حوصلہ

آپ کی ذوق عبادت اس شعر سے عیاں ہوئی جس میں آپ فرماتے ہیں۔

محمود عمر میری کٹ جائے کاش یوں ہی
ہو روح میری سجدہ میں اور سامنے خدا ہو

اسی طرح دعا کے بارے میں آپ فرماتے ہیں

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو زور دعا دیکھو تو

نیز فرمایا

قدموں میں اپنے آپ کو مولا کے ڈال تو
خوف و ہراس غیر کا دل سے نکال تو

آپ کے ذوق عبادت اور دعاؤں کے یقین نے مجھے بھی نمازوں اور دعاؤں کی طرف راغب کیا

میرے والد صاحب مجھے دعائیہ رنگ میں فرمایا کرتے تھے ''محمود، خدا کرے محمود ہی بنے۔''

4) 1953ء کا زمانہ

جب 1953ء کے جماعت کے خلاف فساد ہوئے میں اس وقت تیسری جماعت میں پڑھتا تھا زیادہ شعور تو نہیں تھا البتہ اتنا یاد ہے کہ دیواروں پر جماعت کو گالیاں لکھی ہوتی تھیں اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو وزارت خارجہ کے عہدے سے ہٹانے کے مطالبات لکھے ہوئے نظر آتے تھے اور جلوس بھی نکلتے تھے آپ کی طرف سے جو پیغام جماعتوں کو ملا اور ہم نے اپنے بڑوں سے سنا وہ آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے فرمایا

خدا میری مدد کے لئے دوڑا آ رہا ہے

تھوڑے ہی عرصے بعد مخالفت دھوئیں کی طرح غائب ہو گئی اس واقعہ نے میرا خدا پر ایمان بڑھا دیا

5) حضرت مصلح موعود کی قوت قدسیہ

میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص سلوک رہا ہے کہ ساری عمر حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی حاصل رہی۔ جب بھی کوئی مشکل آئی آپ کے اگلے خطبہ جمعہ میں اس کا حل مل گیا۔ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کی قوت قدسیہ میرے شامل حال رہی تحدیث نعمت کے طور پر کچھ واقعات ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

مظفر گڑھ

سول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سروس کے حصول کے لئے میں بہت پریشان تھا 1965ء کی پاکستان بھارت جنگ کی وجہ سے گورنمنٹ سروس ایڈ ہاک تقرری پر ban تھا خواب میں مجھے حضرت مصلح موعودؓ ملے میں نے سروس کے لئے دعا کی درخواست کی آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کروانی شروع کر دی جب آمین کہا تو کافی لوگ وہاں جمع تھے جو دعا میں شامل ہو گئے تھے یوں لگا ایسی جگہ ہے جیسے کسی مسجد کا صحن ہو حضور نے میرے کندھے کا سہارا لیا اور میں نے آپ کو جوتا پہنایا۔

یہ جگہ جہاں آپ نے دعا کروائی وہ جگہ ہے جہاں 1968ء میں مظفر گڑھ شہر کی مسجد تعمیر ہوئی اس وقت نہ میں نے مظفر گڑھ دیکھا ہوا تھا اور نہ یہ مسجد بنی تھی چنانچہ اس خواب کے بعد میری نوکری کا آغاز مظفر گڑھ سے ہوا اور اس خواب کے تقریباً 20 سال بعد جب میں کئی جگہوں پر کام کرتے کرتے پھر مظفر گڑھ ٹرانسفر ہو کر آیا تو اسی مسجد میں میرا امیر ضلع مظفر گڑھ کے طور پر انتخاب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے خدمت کا موقع فراہم فرمایا

اٹک (کیمبل پور)

سروس کے سلسلہ میں میرے بہت ٹرانسفر ہوئے ایکٹو سروس کا میرا آخری پراجیکٹ غازی بروٹھا ہائیڈرو پاور پراجیکٹ تھا جہاں میں اٹک کی جماعت سے attach ہوا جب میں ٹرانسفر ہو کر وہاں گیا تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مصلح موعودؓ کی آسمانی رنگ کی موٹر کار چلا رہا ہوں اور حضور پچھلی سیٹ پر تشریف فرما ہیں۔ کار چلاتے ہوئے خیال آیا کہ حضرت مصلح موعودؓ کی کار چلانے کا یہ دوسرا chance ہے۔

کچھ دنوں بعد جماعتی انتخابات کی از سر نو کاروائی ہوئی اور مجھے امیر ضلع اٹک منتخب کر دیا گیا اور فوراً ہی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی بذریعہ ناظر صاحب اعلیٰ منظوری آ گئی۔

یہ امیر ضلع بننے کا دوسرا موقع تھا کیونکہ اس سے چند سال پہلے مجھے امیر ضلع مظفر گڑھ ہونے کا اعزاز حاصل ہو چکا تھا چونکہ نظام جماعت کی تشکیل حضرت مصلح موعودؓ کی فرمائی ہوئی ہے اس لئے خواب میں دوسری بار اٹک کے علاقہ میں آپ کی کار چلاتا ہوا دکھایا گیا۔

اٹک سے ہی خلافت خامسہ کے انتخاب کے لئے اللہ

تعالیٰ مجھے لندن لے گیا جہاں مسجد فضل میں 22اور 23 کی درمیانی شب کو حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ کا انتخاب ہوا تھا۔

6) 2019ء میں schengen ممالک کی سیر کے دوران مجھے خیال آیا کہ خدا جانے حضرت مصلح موعود مجھے جانتے اور پہچانتے بھی تھے کہ نہیں کیونکہ آخری دس سال آپ صاحب فراش تھے اور جلسہ سالانہ پر ملاقات کے لئے پاس سے گزر جانے کا حکم تھا

اسی دوران مجھے حضرت مصلح موعود خواب میں ملے جیسے سامنے بھی ہیں اور فون پر بھی بات کر رہے ہیں فرمایا میں تمہیں جانتا بھی ہوں اور پہچانتا بھی ہوں تم جب چاہو مجھے مل سکتے ہو اور فون کر سکتے ہو اس سے میرے دل کو بہت تسلی ہوئی میں نے یہ خواب حضور انور کو بھی لکھا تھا

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم

میں اپنی معروضات کو عبید اللہ علیم صاحب کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں

لکھو تمام عمر مگر پھر بھی تم اے علیم
اس کو دکھا نہ پاؤ گے وہ ایسا حبیب تھا

غزل
(مبارک صدیقی)



اب تری بزم سے جدائی ہو
اس سے پہلے کے ہاتھا پائی ہو

ایسے ملتا ہے اجنبی بن کر
جیسے برسوں کی آشنائی ہو

اس پہ لازم ہے احتیاط کرے
جس نے عزت بہت کمائی ہو

ایسا میٹھا سا اس کا لہجہ ہے
جیسے جنت سے شہد آئی ہو

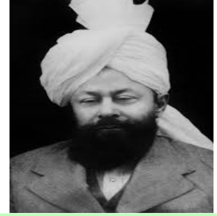
بات آپس میں ہو بھی سکتی تھی
کیا ضروری تھا جگ ہنسائی ہو

آنسوؤں سے کہاں وہ بجھتی ہے
آگ ساون نے جو لگائی ہے

اپنا منشور سیدھا سادہ ہے
چائے کا کپ ہو چارپائی ہو







وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا

جمیل احمد بٹ

حضرت محمد مصطفی ﷺ نے امت میں آنے والے مسیح کی جو علامات بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی یتزوج و یولد لہ (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ نمبر 480 باب نزول عیسیٰ علیہ السلام) یعنی وہ شادی کرے گا اور اس کو اولاد دی جائے گی۔

شادی کرنا اور اس کے نتیجہ میں اولاد کا پیدا ہونا ہر انسانی زندگی کا حصہ ہے اس لئے اس کا بطور علامت ذکر ہونا اس شادی اور اس اولاد کے خاص ہونے کی خبر تھی چنانچہ جب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس اجمال کی تفصیل حضرت مسیح موعود کو الہام کی۔ جسے آپ نے 20 فروری 1886ء کو تحریر فرما کر اخبار ریاض ہند امرتسر میں شائع کروایا۔ یہ حیرت انگیز پیش گوئی تھی۔ اولاد کا ہونا، بیٹے کا ہونا اور اس بیٹے کا 58 ایسی صفات کا حامل ہونا جن میں سے کسی ایک کا بھی کسی فرد میں ہونا اس کو درجہ کمال پر پہنچا سکتا تھا۔ پھر ان میں سے بعض کے پورا ہونے کے لئے لمبی عمر اور اعلیٰ حیثیت بھی ضروری تھی۔ اتنے بہت سارے مختلف النوع امکانات کا یکجا ہونا ایک انہونی بات تھی



۔غرض یہ ہر جہت سے یہ پیشگوئی حیران کن تھی۔اس بیٹے کی ان مذکورہ صفات میں سے ایک خبر یہ تھی کہ وہ ”سخت ذہین وفہیم ہوگا۔“

ایک شخص ذہین ہونے کے ناطے اپنی زندگی بہتر طور پر گزار سکتا ہے اور اپنے حلقہ احباب میں ایک ذہین انسان کے طور پر جانا جا سکتا ہے۔حضرت مصلح موعود اپنی عام زندگی میں ایک زیرک انسان تھے۔ اتنا ہونا بھی اس علامت کو پورا کرسکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تابع آپ کو ایسی زندگی عطا ہوئی جس کا دائرہ کار اور اثر پذیری دنیا بھر پر محیط تھی۔ آپ ایک عالم گیر الٰہی جماعت کے سربراہ ہوئے جس کی اپنی گونہ گوں ذمہ داریاں تھیں اور آپ کے دور قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی جو کامیاب جدوجہد کی اور دیگر ممالک کے مسلمان مختلف حوادث سے گزرے۔ حضرت مصلح موعود کو اپنی خداداد ذہانت اور فہم کی بدولت اس سارے عرصہ میں ان سارے

محاذوں پر ایک انتہائی اہم اور روشن کردار ادا کرنے کا موقع ملا اور بنی نوع انسان نے وسیع پیمانے پر آپ سے فیض پایا۔

ذہانت اور دانش مندی سے لبریز آپ کی زندگی سے ایسے چند اوراق کو دہرانا اس مضمون کا موضوع ہے

ا۔ایک زیرک انسان:

پیش گوئی میں بتایا گیا وصف اس موعود کا عقل و دانش اور فہم ودانائی کا مرقع ہونا ظاہر کرتا ہے۔عقل ودانش انسان کومشکل حالات میں زندگی کے معمولات کو بہتر طریق پر بجا لانے کے قابل کرتی ہے اور حالات کے مطابق درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت بخشتی ہے ۔ اس خوبی کا مالک قائدانہ صلاحتیوں کا مالک ہوتا ہے اور بڑے بڑے کام کرنے کا اہل ہوتا ہے ۔حضرت مصلح موعود کی کامیاب و کامران زندگی کا ہر قدم یہ گواہی دیتا ہے کہ آپ سخت ذہین و فہیم تھے۔ہر روز بہت سے اپنے اور بیگانے آپ سے ملتے اور اپنے مسائل کے حل کے لئے مشوروں کے طالب ہوتے آپ ہر معاملہ کا بہترین حل تجویز فرماتے ۔ جماعتی سرگرمیوں سے متعلق شعبہ جات کے سربراہان اپنی رپورٹس کے ساتھ حاضر ہوتے ، بیرون ملک سے ایک مختلف پس منظر کے ساتھ مسائل سے پُر رپورٹس آپ کو پیش کی جاتیں ۔مختلف ملکوں سے احمدی آپ سے خطوط کے ذریعہ مشوروں کے طالب ہوتے غرضیکہ سینکڑوں افراد ہر روز آپ کی فہم و فراست اور عقل ودانش سے فیض یاب ہوتے اور اپنے کام سنوارتے۔

الف۔بچپن اور لڑکپن

حضرت مصلح موعود کا ذہین وفہیم ہونا کم عمری سے ہی نمایاں تھا۔ پیدائشی احمدی ہوتے ہوئے آپ نے 9 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ گیارہ سال کی عمر میں آپ نے یہ عجیب تجربہ کیا ’’میں گیارہ سال کا ہوا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں ۔اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے وہ گھڑی میرے لئے کیا خوشی کی گھڑی تھی۔‘‘

(یادِ ایام،انوارالعلوم جلد 8،صفحہ ۳۶۵)

اسی لڑکپن کا ایک اور واقعہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے یوں بیان کیا

حضرت صاحب (مراد حضرت مسیح موعود)ایک دفعہ سالانہ جلسہ پر تقریر کر کے گھر واپس تشریف لائے تو حضرت میاں صاحب سے جن کی عمر اس وقت 10,12 سال کی ہو گی پوچھا میاں یاد بھی ہے کہ آج میں نے کیا تقریر کی تھی؟ میاں صاحب نے اس تقریر کو اپنی سمجھ

اور حافظہ کے موافق دہرایا تو حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے خوب یاد رکھا ہے۔

(سیرت المہدی از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 615، ایڈیشن 2008ء)

ب۔ عام زندگی: بعد کی عام زندگی میں بھی آپ کی ذہانت اور فراست ہمیشہ حیران کن رہی۔ گھر میں عطر کی شیشیوں سے بھری چار بڑی الماریوں میں سے ایک کسی خاص عطر کی شیشی کی یوں نشان دہی فرمانا کہ ''فلاں کونے کی الماری کے فلاں خانے کے بائیں کونے میں کٹ وک کی شیشی بیٹی کو حیرت میں ڈبوتا تو گھر سے باہر کیمبل پور جیسی دور افتادہ جگہ اسٹیشن پر جمع احباب کا مقامی سربراہ کے تعارف کروانے میں غلطی پا کر آپ کا ملاقاتی کو صحیح نام سے مخاطب کرنا، سب سننے والوں کیلئے ایک حیران کن تجربہ ہوتا 1960ء میں بیماری کے عالم میں آپ کے ایک ملاقاتی حکیم یوسف حسن صاحب کے لئے اس وقت ایسی ہی حیرت کا سامان ہوا جب آپ کے بتانے پر انہیں بمشکل یاد آیا کہ وہ زمانہ پہلے ایک دفعہ حضرت صاحب کی ایک بیٹی کے علاج کے لئے قادیان تشریف لائے تھے۔

ج۔ جو خوش نصیب آپ کے قریب رہے یا آپ کے زیر ہدایت کام کیا ان کے بیان کردہ ہزارہا واقعات آپ کی ذہانت اور فہم کے مختلف رنگوں کے مظہر ہیں۔ مثلاً مکرم مولانا عبدالرحمن صاحب انور جو 30 سال آپ کے سیکرٹری رہے بیان کرتے ہیں:

i۔ ''یہ امر اکثر دیکھنے میں آتا رہا ہے کہ بہت لمبی لمبی حساب کی میزانوں کو حضور پلک جھپکنے میں کر لیتے اور پیچیدہ حسابی معاملات تو منٹوں میں حل ہو جاتے۔''

(ماہنامہ خالد ربوہ دسمبر 1964ء صفحہ نمبر 155)

ii۔ 'بڑے بڑے تاجر جب حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے تو حضور کے مشوروں سے ہی فائدہ اٹھاتے اور سر دھنتے'۔

(ماہنامہ خالد ربوہ دسمبر 1964ء صفحہ نمبر 155)

د۔ آپ کی ذہانت کا عام زندگی میں ایک اور اظہار عام سے واقعات کے پس پردہ بڑے امکانات کو اخذ کرنے کی صلاحیت تھی۔ ایسے دو واقعات درج ذیل ہیں:

i۔ ویمبلے کانفرنس کے لئے لندن جاتے ہوئے آپ اگست 1924ء میں چار دن اٹلی میں ٹھہرے۔ اس دوران آپ نے عام مشاہدہ سے جو نتیجہ نکالا آپ کے الفاظ میں یوں تھا:

اس وقت فاشسٹ پارٹی کا پوری طرح غلبہ نہیں ہوا تھا جس کا علم ہمیں اس طرح ہوا کہ فاشسٹ پارٹی کا یہ نشان تھا کہ وہ سیاہ قمیض پہنتے تھے مگر میں نے روم، وینس اٹلی کے شہروں میں دیکھا کہ بہت کم لوگ تھے جو سیاہ قمیض پہنے

ہوئے تھے یا سیاہ ٹائی یا بیج لگائے ہوئے تھے۔"
(الفضل 28 مئی 1945 ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 274)

ii۔اس سفر کے دوران شروع اگست 1924 ء میں فلسطین میں اپنے ایک اور عام مشاہدہ اوراس کا حیرت انگیز نتیجہ نکالنے کا ذکر۔

قوموں کی حرکت دیکھنے کا ذریعہ اسٹیشن ہوتے ہیں جہاں پر لوگ آنے جانے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور جہاں پر پتہ لگ جاتا ہے کہ قوم کے اندر کیسی حرکت پائی جاتی ہے۔۔۔فلسطین کے ریلوے اسٹیشنوں پر مجھے اس بات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور میں نے آبادی کے لحاظ سے دس فیصدی یہودیوں کو اسٹیشن پر نوے فی صدی کی تعداد میں دیکھا اور آبادی کے لحاظ سے نوے فی صدی مسلمان اور عیسائی اسٹیشنوں پر دس فی صدی نظر آئے ۔۔۔قوموں میں حرکت بڑی اہمیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سفر کرنے اور سیر فی الارض کا بار بار ذکر آتا ہے۔"
(الفضل 12 مارچ 1945 ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 275)

ہ۔تحدیثِ نعمت: اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو جو دماغی صلاحتیں عطا فرمائیں ان کا بطور تحدیث نعمت کسی قدر آپ نے خود یوں ذکر فرمایا:

i۔"اگر کوئی پرانی بات بھی میرے مطلب کی ہو تو مجھے بہت یاد رہتی ہے۔۔۔کام کی چیز مجھے 20 سال کے بعد بھی یاد رہتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسے پڑھتے یا سنتے وقت میں نے اس کی طرف دماغ کو متوجہ کیا۔۔۔بعض دوستوں کے خطوط کے جواب جب میں دو دو تین تین ماہ کے بعد لکھواتا ہوں تو میں افسر ڈاک کو بتا دیتا ہوں کہ اس نے یہ نہیں بلکہ
(الفضل 9 جون 1932 ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 272)

ii۔"میں اپنے تجربے کی بناء پر بھی اوراس علم کی بناء پر جو خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت اور دماغ کے متعلق مجھے دیا ہے اور بغیر اس کے متعلق کوئی کتابیں پڑھنے کے مجھے ایسا باریک علم عطا کیا ہے کہ بسا اوقات وہ الہام کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔انسان کی شکل دیکھتے ہی اس کے تاثرات جذبات ، احساسات ایسے باریک طور پر میرے دل پر منکشف ہو جاتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ الہام خفی ہوتا ہے۔"
(الفضل 9 جون 1932 ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 272)

iii۔"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ

نے سلطان القلم قرار دیا تھا اس کے مقابلہ میں اس نے مجھے اتنا بولنے کا موقع دیا کہ مجھے اس نے سلطان البیان بنا دیا۔" (خطبات محمود جلد 2 صفحہ نمبر 334 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 273)

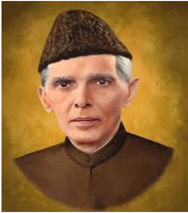
iv۔: میں بہت تیز لکھنے والا ہوں اور خدا کے فضل سے بہت تیز لکھ سکتا ہوں اور بھی تیز لکھنے والے ہوں گے لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ مجھ سے تیز لکھ سکتا ہو۔ میں مضمون کے سَوسوا سَو صفحے ایک دن میں لکھ سکتا ہوں۔"
(خطبات محمود جلد 5 صفحہ نمبر 237 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 273)

v۔کوئی علم ہو خواہ وہ فلسفہ ہو یا علم النفس ہو یا سیاست ہو میں اس پر جب غور کروں گا ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچوں گا ۔۔۔اور چونکہ قرآن مجید کے ماتحت ان علوم کو دیکھتا ہوں اس لئے ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہوں اور کبھی ایک دفعہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اپنی رائے کو تبدیل کرنا نہیں پڑا۔"
(الفضل 7 جولائی 1932ء بحوالہ خطبات محمود جلد 13 صفحہ نمبر 502)

vi۔" میرے ناک کی حس غیر معمولی طور پر تیز ہے یہاں تک کہ میں دودھ سے پہچان جاتا ہوں کہ گائے یا بھینس نے کیا چارہ کھایا ہے۔"
(سیر روحانی۔انوار العلوم جلد 16 صفحہ نمبر 374)

۲۔سیاسی زعماء اور اہل علم شخصیات کا حضرت مصلح موعود سے تعلق

حضرت مصلح موعود کی خداداد دانش اور حکمت ایک مقناطیس کی مانند ملک بھر کے نامور، سیاسی زعماء، لیڈروں، ادیبوں اور صحافیوں کے لئے کشش رکھتی تھی۔ ایک بار کی ملاقات انہیں آپ کا گرویدہ کر دیتی اور وہ آپ سے خط و کتابت کرتے اور دوبارہ ملاقات کی تمنا رکھتے۔ اسی سبب آپ کا برصغیر کے چوٹی کے مسلم زعماء اور ہندو لیڈروں سے ذاتی تعلق تھا۔ بیشتر بڑے بڑے راہنماء آپ کے ملاقاتیوں میں رہے یا ان سے خط و کتابت رہی۔ اکثر یہ ملاقاتیں رسمی یا محض خیر سگالی کے لئے نہ تھیں بلکہ ان کا موضوع مختلف وقتوں میں ملک کو درپیش اہم مسائل ہوتے اور ان کا مقصد ان مسائل کے حل کے لئے حضرت مصلح موعود کی دانشمندانہ مشورہ کا حصول۔ ان سیاسی زعماء میں سے چند نام یہ ہیں:

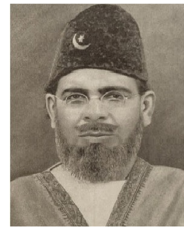


قائداعظم محمد علی جناح، سید عبدالقیوم، سر عمر حیات ٹوانہ، نواب سر ذولفقار علی خان، مولانا شوکت علی، مولانا محمد شفیع داؤدی، مولوی ظفر علی خان، مولانا عبدالباری فرنگی محل، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا ابوالکلام آزاد، نواب بھوپال، خواجہ ناظم

الدین،نواب لیاقت علی خان،سردار عبدالرب نشتر،سر فیروز خان نون،نواب سر سعید احمد خان چھتاری،خان بہادر اللہ بخش صاحب (وزیر اعلیٰ سندھ 1940ء)،خان بہادر راجہ اکبر علی، خان عبدالغفار خان ، شیخ محمد عبداللہ ،مسٹر گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ،مسز سروجنی نائیڈو ،پنڈت مدن موہن مالویہ،ڈاکٹر مونجے،لالہ جپت رائے ،مسٹر سری نواس آئنگر۔

سردار شوکت حیات خان نے 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح کا ایک پیغام پہنچانے کے لئے قادیان کا سفر کیا جس کی روئداد انہوں نے اپنی کتاب ''گمشدہ قوم کے صفحہ نمبر 195 مطبوعہ جنگ پبلیکیشنز1995ء پر درج کی۔

اسی طرح آپ سے مراسم رکھنے والے ادیب ،شاعر اور صحافیوں کے چند نمایاں نام درج ذیل ہیں:



مولانا محمد علی جوہر، شمس العلماء خواجہ حسن نظامی،مولانا سید حبیب مدیر سیاست ،مولانا غلام رسول مہر،مولانا عبدالمجید سالک ، علامہ احسان اللہ خان تاجور،منشی محمد الدین فوق مورخ کشمیر،سیماب اکبر آبادی،شوکت تھانوی،حفیظ جالندھری ،مرزا فرحت اللہ بیگ ،حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگ خیال،مولانا صلاح الدین احمد مدیر ادبی دنیا،وقار انبالوی، عبدالرحمن چغتائی ، سید ابو ظفر نازش رضوی، جوش ملیح آبادی، سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی ایم اے اور سید عبدالقادر ایم اے۔ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔

(تاریخ احمدیت جلد6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 207،نیا ایڈیشن)

حضرت مصلح موعود نے مسلمانوں کے حقوق کے حوالے سے انگریز حکومت کے بعض نمائندوں سے بھی ملاقات کی ان میں نومبر 1917ء میں وزیر ہند مانٹیگو اور 1927ء میں گورنر پنجاب شامل تھے۔ 1946ء میں وائسرائے ہند لارڈ ویول سے آپ کی خط و کتابت رہی۔

آپ کے خطابات کے لئے منعقد کئے جانے والے جلسوں میں صدارت کے فرائض انجام دینے والے زعماء اور اہلِ علم میں نواب سر ذولفقار علی خان،جسٹس (بعد میں چیف جسٹس پاکستان) محمد منیر، ملک فیروز خان نون (بعد میں وزیر اعظم پاکستان)، ملک عمر حیات خان پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور،سر فضل حسین اور سر عبدالقادر شامل رہے۔''

(سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صاحب صفحہ نمبر 292)

۳۔حیرت انگیز دانش مندانہ راہنمائی:

آپ ایک مذہبی رہنما تھے اور دین کی عظمت اور

سربلندی کے لئے سوچ و بچار اور سعی اور مذہبی سرگرمیاں آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔لیکن اپنی خداداد دانش اور فہمِ رسا کی بدولت امت مسلمہ کی بہتری کی خاطر براہ راست متعلق نہ ہونے کے باوجود حضرت مصلح موعود کسی واقعہ سے سطحی طور پر نہ گزرتے بلکہ اپنی کمال زیرکی اور دانش مندی کی بدولت قومی اور ملکی معاملات پر گہری نظر رکھ کر از خود اس کے پس پردہ عوامل اور ممکنہ نتائج کو بھانپ کر قوم و ملک پر اس کے اثرات کے بارے میں صحیح اور درست نتیجہ پر پہنچ جاتے اور اگر انہیں منفی پاتے تو تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر ان کا حل تجویز کرتے اور اس حل پر عمل درآمد کیلئے راستہ بھی۔ایسا بار بار ہوا۔

آپ کی سوانح کا سرسری مطالعہ کرنے والا ایک قاری بھی آپ کے ہر آن متحرک ذہن اور معاملہ فہم دانائی سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کس طرح ملکی اور قومی سطح کے ہر واقعہ پر آپ اسی حیران کن ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔پھر سیاسی لیڈروں اور مسلم عوام کی راہنمائی کے لئے تکلیف اور مشقت اٹھا کر از خود اپنی رائے ،تجاویز اور راہنمائی لکھ اور چھپوا کر متعلقہ لیڈروں اور ذمہ داروں تک پہنچانے کے لئے اقدام کرتے ہیں یا خود قومی اہمیت کی کانفرنسوں اور اجلاسوں میں شریک ہو کر زیر بحث گتھیوں کو سلجھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ آپ کی فہم و

فحش گوئی اور نعرہ تکبیر

(ایک چشم دید د گوش شنیدہ منظر سے متاثر ہو کر)

ہماری جاں فدا سیدہ الوراء ؐ کے لئے
سبھی نثار ہیں اس شاہِ دوسرا ؐ کے لئے
بروئے کار ہے شیطان نقاب بر انداز
''بدی'' کو''خوب ہے'' ہم کیوں کہیں ریا کے لئے
طریق شرع نہیں اُسوۂ رسول ؐ نہیں
مقام ِ شرم ہے یہ ''غول'' اتقیا کے لئے
نبیؐ کے نام مقدس کی آڑ لے لے کر
وفا کی شان دکھانے چلے جفا کے لئے
جو رہن ہو چکی ابلیس کے خزانے میں
وہ ''روح'' نذرِ شہنشاہِ انبیاءؑ کے لئے؟
دہان کھلتے ہی اُڑتی ہے بوئے طاغوتی
نہیں! یہ لب نہ بلیں ذکرِ مصطفیٰ ؐ کے لئے
یزیدی فعل زبانوں پہ ''یا علی'' توبہ
وہ ''روح'' نذرِ شہنشاہِ انبیاء ؑ کے لئے؟
اسی زبان سے اسی وقت گند بک بک کر
خدا کا نام نہ لو ظالمو! خدا کے لئے

(سفینہ لاہور 1953ء)

فراست ہی تھی کہ برصغیر کے سیاسی معاملات آپ کی رائے اور مشورے خصوصی اہمیت کے حامل رہے۔

لَو دیتی ہوئی عقل و دانش سے معمور اس اعلیٰ رخ کردار کی تفصیل تو ایک دفتر کی متقاضی ہے۔ یہاں صرف ایسے چند واقعات کا کچھ ذکر ہی ممکن ہے۔ جنہیں چھ عناوین کے تحت ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

الف۔ ترکی حکومت کا خاتمہ: جنگ عظیم اوّل میں ترکی کی اسلامی حکومت کا جرمنوں سے اشتراک کر کے میدان جنگ میں کود پڑنا اپنے نتائج کے لحاظ سے بعد میں پوری امت مسلمہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا۔ آپ نے اس نتیجہ کو اوّل دن ہی دیکھا اور 9 نومبر 1914ء کو ایک مضمون میں اسے بالکل بے سبب اور بے وجہ قرار دیا اور فرمایا:

اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ترکوں کو ان کی بداعمالیوں اور ظلموں کی پوری سزا دینا چاہتا ہے۔

(انوار العلوم جلد 2 صفحہ نمبر 145)

جنگ میں اتحادیوں نے اپنی فتح کے بعد انتہائی غیر منصفانہ انداز میں سلطنت ترکی کے حصے بخرے کر دئے اور دیگر ذلت آمیز شرائط مسلط کیں۔ اس پر ردعمل کے اظہار کے لئے ہندوستان میں ہجرت، جہاد اور ترک موالات کی تجاویز پیش ہوئیں۔ حضرت مصلح موعود نے ان سب تجاویز کو مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ دیکھا اور جمعیت العلمائے ہند کے مشہور لیڈر مولانا عبدالباری فرنگی محل کی دعوت پر الہ آباد میں خلافت کمیٹی کے تحت منعقدہ ایک کانفرنس کے لئے 30 مئی 1920ء کو لکھے گئے اپنے ایک رسالہ بعنوان معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ'' میں ان مضرات کو درج فرمایا۔ جس میں منجملہ یہ بھی لکھا:

اس تجویز پر عمل کر کے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت بھی ٹوٹ جاوے گی۔ پس سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تعلیم سے محروم ہو جاویں اور اپنے حقوق کو جو۔۔۔ پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں اور خطرہ میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 257 نیا ایڈیشن نیز انوار العلوم جلد 5 صفحہ نمبر 181)

اس رائے کو نظر انداز کر کے مسلمان لیڈروں نے مسٹر گاندھی کی قیادت میں یکم اگست 1920ء کو عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی اور ساتھ ہی مسٹر گاندھی کی مداح سرائی بھی۔

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے سیرت گاندھی پر کتاب لکھی۔ (نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ 1289)

مولوی ظفر علی خان صاحب نے ایک تقریر میں کہا:

مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کئے ہیں ان

کا عوض ہم نہیں دے سکتے ۔ ہمارے پاس زر نہیں جب جان چاہیں ہم حاضر ہیں ۔''

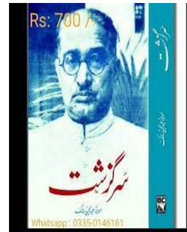
(تقاریر مولانا ظفر علی خان صفحہ نمبر 59 ۔ 61 بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 262 نیا ایڈیشن)

لیکن نتائج ویسے ہی نکلے جیسے حضرت مصلح موعود کے دور اندیشی نے خیال کئے تھے۔

چنانچہ لکھا گیا:

اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جاندار، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر، خریدنے والے زیادہ ہندو تھے، افغانستان ہجرت کر گئے وہاں جگہ نہ ملی واپس کئے گئے، کچھ مرکھپ گئے جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا بے یار و مددگار، اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں۔''

(حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر 108 دوسرا ایڈیشن بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ 262 نیا ایڈیشن)



' ان مہاجرین کی عظیم اکثریت بادل بریاں اور بادیدہ گریاں واپس آگئی اور اس تحریک کا جو محض ہنگامی جذبات پر مبنی تھا نہایت شرمناک انجام ہوا۔''

(سرگزشت از مولانا عبد المجید سالک صفحہ نمبر 116 بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 263 نیا ایڈیشن)

ب ۔ تحفظ ناموسِ رسالت: 1927ء میں ہندوستان میں ایک آریہ نے آنحضرت ﷺ کے خلاف ایک توہین آمیز کتاب رنگیلا رسول نامی شائع کی اور ایک ہندو رسالہ ورتمان میں ایک ہتک آمیز مضمون شائع کیا گیا۔ آں حضرت ﷺ کی ذات اقدس پر ان ناپاک حملوں کی روک تھام اور ان کے دفاع اور توڑ کے لئے آپ نے کئی بار مسلمانان ہند کی راہنمائی فرمائی۔

i ۔ 29 مئی 1927ء میں آپ نے ایک پوسٹر بعنوان ''رسول کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے کیا اب بھی بیدار نہ ہوں گے؟'' شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے وقتی جوش دکھانے کی بجائے ہندوؤں سے مقابلہ کے لئے تین حل تجویز کئے:

ا ۔ مسلمان اپنی اصلاح کریں اور دین سے لاپرواہی چھوڑ دیں۔

۲ ۔ پوری دلچسپی سے اسلام کی تبلیغ کریں۔

۳ ۔ مسلمانوں کو تمدنی اور اقتصادی غلامی سے بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کریں۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 596۔598 نیا ایڈیشن)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ کے اس پوسٹر کو انگریز حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

ii۔23 جون 1927ء کو آپ نے ایک مضمون بعنوان رسول کریم ﷺ کی عزت کا تحفظ اور ہمارا فرض تحریر فرمایا اور مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وقتی جوش سے کام نہیں چلتے استقلال کے ساتھ کام کی ضرورت ہے۔تبلیغ کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے دوسرے ہمیں ہندوؤں کی دکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں نہیں خریدنا چاہئے بلکہ خود اپنی دکانیں بنانا چاہئے تا کہ مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو اور اپنے سیاسی حقوق کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

(انوار العلوم جلد 9 صفحہ نمبر 559۔574)

iii۔ اس نازک وقت میں تحفظ ناموس ﷺ کے لئے ایک پرامن اور موثر عملی تحریک کی طرف راہنمائی کے لئے آپ نے جولائی 1927ء میں آپ نے ایک اور مضمون بعنوان کیا آپ اسلام کی زندگی چاہتے ہیں؟' لکھا جس میں اسلام کو اپنی زندگیوں پر نافذ کرنا اور لین دین کے معاملات میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو مقدم رکھنا آپ نے اصل کام قرار دیا اور وقتی طور پر تجویز کیا کہ ایک وفد گورنر پنجاب سے ملے اور انہیں توجہ دلائے دوسرے ایک محضر نامے پر پانچ لاکھ مسلمانوں کے دستخط کرا کر حکومت کو پیش کیا جائے۔اس محضر نامے میں جو معاملات لکھے جائیں ان میں یہ مطالبے بھی ہوں کہ پنجاب ہائی کورٹ میں کم ازکم ایک ایک مسلمان جج مقرر کی جائے اور اگلا چیف جج بھی مسلمان ہو اور پنجاب میں جلد از جلد کم ازکم پچاس فیصد ملازمتیں مسلمانوں کو دی جائیں تیسرے 22 جولائی کو شہر شہر مسلمانوں کے جلسہ منعقد کیے جائیں اور ان مطالبات کے حق میں قرادادیں پاس کی جائیں اور خطوں اور تاروں کے ذریعہ گورنمنٹ کو بھیجی جائیں۔

(انوار العلوم جلد 9۔صفحہ نمبر 583۔591)

حضرت مصلح موعود کی اس دانشمندانہ قیادت کا اس زمانے کے انصاف پسند مسلم پریس نے برملا اعتراف کیا جیسے:'' جناب امام جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں آپ ہی کی تحریک سے ورتمان پر مقدمہ چلایا گیا آپ ہی کی جماعت نے رنگیلا رسول کے معاملہ کو آگے بڑھایا سرفروشی کی اور جیل خانہ جانے سے خوف نہ کھایا آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر پنجاب کو انصاف اور عدل کی طرف مائل کیا۔

(اخبار مشرق 23 ستمبر 1927ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ نمبر 66۔65)

iv۔17 جولائی 1927ء کو آپ نے ایک اور مضمون

بعنوان اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ کس امر میں ہے لکھا اور مجوزہ جلسہ کو کامیاب بنانے پر زور دیا اور جوش و جذبہ کے اظہار کے لئے متبادل راہیں تجویز کیں اور فرمایا:

جو لوگ سول نافرمانی کے لئے تیار ہوں وہ ذرا ہمت دکھائیں اور جو وقت ان کے پاس فارغ ہوا سے تبلیغ اسلام پر خرچ کریں۔۔۔اگر فارغ ہیں تو ہزاروں گاؤں جن میں سودا ہندو بنئے سے لیا جاتا ہے وہاں جا کر ایک دکان کھول لیں اور اس طرح مسلمانوں کو ہندو دکاندار کے ذلت آمیز سلوک سے محفوظ کریں۔۔۔پس اے دوستو! یہ کام کا وقت ہے جیل میں جانے کا وقت نہیں۔۔ بے فائدہ جوش سے اپنی قوتوں کو ضائع نہ کیا جائے اور خواہ مخواہ دشمن کے تیار کردہ گڑھوں میں نہ گرا جائے۔

(انوار العلوم جلد 9 صفحہ نمبر 602۔603)

v.22 جولائی کو ہونے والے جلسوں کے لئے اپنے پیغام بعنوان اسلام کے غلبہ کے لئے ہماری جدوجہد میں آپ نے ان جلسوں کی جدوجہد کا پہلا مظاہرہ قرار دیا اور فرمایا کہ اصل کام اس جلسہ کے بعد شروع ہوگا اور تجویز کیا کہ اس کام کے لئے ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں کمیٹیاں بننا چاہئیں جو دلیری اور جرات سے اسلامی حقوق کے لئے مناسب کوشش کرنے کے لئے تیا ہوں اس جدوجہد کا آپ نے یہ میدان تجویز فرمایا:

''تبلیغ، اتحاد باہمی، بنئے کے سود سے پرہیز، گورنمنٹ سے اپنی تعداد کے مطابق حقوق کا مطالبہ، سرحدی صوبہ کو نیابتی حقوق دلوانے کی کوشش۔''

(انوار العلوم جلد 9 صفحہ نمبر 611۔607)

vi۔ورتمان کے مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا اور مجرمان کو سزائیں ہوئیں یہ عام طور پر خوشی کا ایک موقع سمجھا گیا اور جدوجہد کا ماحصل۔لیکن حضرت مصلح موعود کا دانش مندانہ ردعمل اس سے مختلف تھا۔

اپنے مضمون بعنوان فیصلہ ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض۔میں آپ نے اوّل فرمایا'' میرا دل غمگین ہے کیونکہ میں اپنے آقا اپنے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک عزت کی قیمت ایک سال جیل خانہ کو نہیں قرار دیتا۔۔۔میرے آقا کی عزت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دیا جائے کیونکہ۔۔میرا آقا دنیا کو جلا دینے کے لئے آیا تھا نہ کہ مارنے کیلئے۔۔پس میں اپنے نفس سے شرمندہ ہوں کہ اگر یہ دو شخص۔۔اس صداقت پر اطلاع پاتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا ہوئی تھی تو کیوں گالیاں دے کر برباد ہوتے؟۔۔۔پس میں اپنے آقا سے شرمندہ ہوں کیونکہ اسلام کے خلاف موجودہ شورش درحقیقت مسلمانوں کی تبلیغی سستی کا نتیجہ ہے۔قانون ظاہری فتنہ کا علاج کرنا ہے نہ دل کا اور میرے لئے اس

وقت تک خوش نہیں جب تک تمام دنیا کے دلوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کا بغض نکل کر اس کی جگہ آپ کی محبت قائم نہ ہو جائے۔''

(انوارالعلوم جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 628۔627)

دوسرے اس سبب سے کہ چونکہ بعض لوگ نصیحت کو نہیں مانتے اور جرم کے ارتکاب پر دلیر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو روکنے کے لئے قانون کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔(انوارالعلوم جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 631)

آپ نے ملک میں رائج قانون کے چار نقائص کی نشان دہی کر کے انہیں دور کرنے کیلئے یہ راہنمائی فرمائی کہ جلسے کر کے گورنمنٹ کوان نقائص کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے'۔ آپ نے اس کام کو عارضی اور پہلے کام کو مستقل قرار دیا

(انوارالعلوم جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 636۔633)

ج۔عالم اسلام کی فلاح و بہبود:

عالم اسلام کے دیگر ممالک بھی آپ کے فہم و تدبر سے متمتع ہوئے۔جیسا کہ درج ذیل چند واقعات سے ظاہر ہے

i۔شاہ سعود کو مشورہ: آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

'سلطان ابن سعود ایک سمجھ دار بادشاہ ہیں مگر بوجہ اس کے کہ یورپین تاریخ سے اتنی واقفیت نہیں رکھتے وہ یورپین اصطلاحات کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ایک دفعہ پہلے جب وہ اٹلی سے معاہدہ کرنے لگے تو ایک شخص کو جوان کے ملنے والوں میں سے تھے۔میں نے کہا کہ اگر ہو سکے تو میری طرف سے سلطان ابن سعود کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ معاہدہ کرتے وقت بہت احتیاط سے کام لیں یورپین اقوام کی عادت ہے کہ وہ الفاظ نہایت نرم اختیار کرتی ہیں مگر ان کے مطالب نہایت سخت ہوتے ہیں۔''

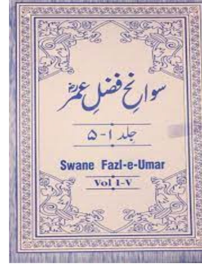
(الفضل 3 ستمبر 1935ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم ازعبدالباسط شاہد صاحب صفحہ نمبر 145)



ii۔ انڈونیشا کی آزادی کے حوالے سے آپ کا ارشاد:

سماٹرا جاوا میں یہ تحریک (آزادی) چل رہی ہے اگر وہ کامیاب ہو جائے تو یہ جزائر اسلامی تعلیم کو پھیلانے اور اسلامی عظمت کو قائم کرنے میں بہت ذریعہ بن سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ باقی اسلامی ممالک نے ان جزائر کی تائید میں بہت کم آواز اٹھائی ہے۔پس اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اخباروں میں ، رسالوں میں، اپنے اجتماعوں میں مسلمان اپنے بھائیوں کے حق میں آواز اٹھائیں اوران کی آزادی کا مطالبہ کریں۔اگر اب ان کی

امداد نہ کی گئی اور اگر اب ان کی حمایت نہ کی گئی تو مجھے خدشہ ہے کہ ڈچ ان کی آواز کو بالکل دبا دیں گے۔ ۔۔اگر انڈونیشیا کے لوگوں کے کانوں میں یہ آواز پڑتی رہے کہ ۔۔۔اس آزادی کی جنگ میں آپ لوگ اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں ۔۔تو وہ اپنی آزادی کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کریں گے



اور امید کی جاسکتی ہے کہ ان کو جلد آزادی مل جائے۔ ہماری جماعت جو اندرون ہند، بیرون ہند ہے اس بات کو ہر وقت مدنظر رکھے اور ہمارے مبلغ جو مختلف ممالک میں ہیں اس آواز کو بلند کرنے کی کوشش کریں اور مختلف رسالوں اور اخباروں میں انڈونیشیا کی تائید میں مضامین لکھیں۔

(الفضل 27 اگست 1946ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صاحب صفحہ نمبر 162۔163,165)

iii۔ فلسطین میں یہود کی آبادی: فلسطین کو کاٹ کر اسرائیل کا قیام اس اسکیم کا منطقی نتیجہ تھا جس کے تحت مغربی طاقتوں نے اس سے پہلے سالوں میں اس خطے میں یہود کو بکثرت آباد کیا۔ حضرت مصلح موعود نے اپنے فہم وفراست سے اس سازش کو ابتداء ہی میں بھانپ لیا اور 1945ء میں اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے فرمایا:

صدر ٹرومین تاریں دے رہے ہیں کہ یہود کو فلسطین میں آباد ہونے دیا جائے وہ خود اکاون لاکھ مربع میل کے ملک پر قابض ہیں مگر اپنے ہاں یہودیوں کو آباد نہیں ہونے دیتے اور فلسطین کا علاقہ 24,25 ہزار زیادہ سے زیادہ 50 ہزار مربع میل سمجھ لو اور اس طرح ممکن ہے کہ ننانوے اور ایک کی ہی نسبت ہو یہود کے آباد کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہودی ہمارے ہاں آ بسیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہود کو فلسطین میں داخل ہونے دو ورنہ ہمارے یہود کہاں جائیں۔ یہ کہتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی اور دنیا میں کوئی نہیں پوچھتا کہ ننانوے گنا زیادہ علاقہ رکھتے ہوئے امریکہ، ننانوے گنا زیادہ علاقہ رکھتے ہوئے آسٹریلیا اور ننانوے گنا زیادہ علاقہ کی کالونیز (Colonies) رکھتے ہوئے انگریز کیوں یہود کو اپنے ممالک میں بسانے کے لئے تیار نہیں اور سو میں سے ایک حصہ جس کے پاس ہے اسے کہتے ہیں کہ یہود کو اپنے ہاں بسنے دو

(الفضل 13 اکتوبر 1945ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صاحب صفحہ نمبر 168)

iv۔ قیام اسرائیل: اسرائیل کا قیام ہو جانے پر آپ نے اپنے فکر انگیز مضمون بعنوان الکفر ملة واحدہ میں عالم

اسلام کو اس مسئلہ کے حل کی طرف متوجہ کیا۔ چند جملے درج ذیل ہیں:

دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابلہ پر اکٹھا ہو گیا ہے کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہ ہوگا؟

ہمارے لئے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہیئے یا اکٹھا ہو کر فتح کے لئے کافی جدوجہد کرنی چاہیئے۔

اگر پاکستان کے مسلمان واقع میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی حکومت کو توجہ دلائیں کہ ہماری جائیدادوں کا کم سے کم ایک فی صدی حصہ اس وقت لے لے۔ ایک فی صدی حصہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک ارب روپیہ اس غرض کے لئے جمع کر سکتا ہے۔۔۔ پاکستان کی قربانی کو دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے اور یقینا پانچ چھ ارب روپیہ جمع ہو سکے گا جس سے فلسطین کے لئے باوجود یورپین ممالک کی مخالفت کے آلات جمع کئے جا سکتے ہیں۔

(الفضل 31 مئی 1948ء بحوالہ انوار العلوم جلد 19 صفحہ نمبر 572-573)

v۔ عالم اسلام کی تنظیم: 12 دسمبر 1948ء کو حضرت مصلح موعودنے لاہور لاء کالج میں زیر صدارت جسٹس ایس اے رحمان صاحب بعنوان موجودہ حالات میں عالم اسلام کی حیثیت اور اس کا مستقبل ایک لیکچر دیا۔ عالم اسلام کی خصوصی اہمیت کی وضاحت میں آپ کے فہمِ رسا نے دور دھندلکوں میں ایک عالم اسلام کو دیکھا اور تجویز فرمایا:

جب اسلامی ممالک سے معاملہ پڑنے پر یورپ خود ان کی ایک جداگانہ حیثیت قرار دیتا ہے تو کیوں نہ اسلامی ممالک سچ سچ آپس میں اس قسم کا اتحاد کر کے صحیح معنوں میں ایک عالم اسلام قائم کر لیں جس کا ہر رکن اپنے ملک کی قومیت کے علاوہ اپنے آپ کو ایک بڑی قومیت یعنی عالم اسلام کا رکن قرار دے۔

(الفضل 14 دسمبر 1948ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 409-408)

د۔ برّ صغیر کے مسلمانوں کی عمومی خیر خواہی: مسلم لیگ اور کانگریس نے 1913ء میں جو میثاق لکھنو کیا اس کے تحت ہر صوبہ میں اقلیتوں کو زیادہ نشستیں دینے کے فارمولا پر اتفاق کیا گیا۔ حضرت مصلح موعودنے اپنی فراست سے سب سے پہلے یہ محسوس کیا کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور صرف دو صوبوں میں موجود ان کی اکثریت بھی جاتی رہے گی۔ چنانچہ آپ کی زیر ہدایت ایک احمدی وفد نے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو سے 15 نومبر 1917ء کو ملاقات کی اور یہ تجویز کیا کہ کوئی ایسا طریق انتخاب نہ اختیار کیا جائے جس سے کم اکثریت رکھنے والی جماعت کو نقصان

پہنچے ۔ یہ درست رائے تھی اور بالآخر قائد اعظم نے 1929ء میں اپنے 14 نکات میں تیسرے نمبر پر اسے شامل کیا۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 201-203 نیا ایڈیشن نیز انصار اللہ حضرت مصلح موعود نمبر 209 صفحہ نمبر 514-517)

ii۔ بڑھتے ہوئے ہندو مسلم فسادات کے پس منظر میں 14 نومبر 1923ء کو لاہور میں ایک پبلک لیکچر میں آپ نے ملک میں آباد سب اقوام کو صلح کے پیغام کے ساتھ مسلمانوں کے لئے سات خود حفاظتی اقدامات تجویز کئے اور ہندو مسلم صلح کے لئے سات اصول بیان فرمائے۔ اس لیکچر کے لئے منعقدہ جلسہ کی صدارت خان بہادر عبدالقادر صاحب نے کی۔ اور صدارتی تقریر میں فرمایا:

مرزا صاحب نے جامع اور پر مغز تقریر فرمائی ہے اور اتفاق و اتحاد کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالی ہے۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 405-409 نیا ایڈیشن)

iii۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 23 مئی 1924ء میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ آپ نے اس موقع پر ایک اہم رسالہ بعنوان 'اساس الاتحاد' تحریر فرمایا۔ جو اجلاس میں عام میں تقسیم کیا گیا۔ آپ کا پیغام تھا کہ مسلم لیگ کا دروازہ ہر مسلمان کہلانے والے کے لئے کھلا رکھا جائے۔ آپ کا یہ مشورہ بالآخر مسلم لیگ نے تسلیم کیا اور مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کا اعلان کیا۔ (تاریخ احمدیت جلد چہارم از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 491 نیا ایڈیشن)

iv۔ 16/17 جولائی 1925 کو امرتسر میں ایک آل مسلم پارٹیز کانفرنس نواب اسمٰعیل خان صاحب بیرسٹر (ممبر لجسلیٹو اسمبلی) کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ حضرت مصلح موعود کو دعوت موصول ہوئی۔ آپ نے تمام زیر بحث مسائل پر اپنی رائے پر مشتمل ایک رسالہ بعنوان آل پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر چھپوا کر ایک وفد کے ہاتھ بھجوایا۔ جو حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔ اس رسالہ کے مندرجات حیرت انگیز ہیں کہ اس میں بلا سود بنکاری کے امکان، بیت المال کے قیام، عورتوں کی تعلیم، مسلم چیمبر آف کامرس اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے ایک بورڈ آف انڈسٹریز کے قیام جیسے تصورات پیش کئے گئے ہیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 535-536 نیا ایڈیشن نیز انوار العلوم جلد 9 صفحہ 105-124)

v۔ دسمبر 1926ء میں ایک مسلمان کے ہاتھوں شدھی تحریک کے علمبردار پنڈت شردھانند کے قتل کے بعد

ہندوستان بھر میں ایک بار پھر ہندو مسلم کشیدگی بڑھ گئی اور مسلمان کم تعداد ہونے کے سبب خطرات میں گھر گئے ، حضرت مصلح موعود نے دسمبر 1926ء میں وائسرائے ہند لارڈ اارون کے نام ایک خط کے ذریعہ اس کشیدگی کو کم کرنے کے لئے اہم تجاویز بھجوائیں۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 569 نیا ایڈیشن)

پھر لاہور میں ایک لیکچر کے ذریعہ ہندو مسلم فسادات کی وجوہ، ان کا علاج اور ان پر قابو پانے کے لئے ایک لائحہ عمل تجویز فرمایا۔آپ کا یہ لیکچر جس کا موضوع تھا ہندو مسلم فسادات ، ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل 2مارچ 1927ء کو زیر صدارت خان بہادر سر محمد شفیع صاحب ہوا۔آپ کے لیکچر کے بعد صدر جلسہ نے اپنے ریمارکس میں کہا:

میں امید کرتا ہوں میرے مسلمان بھائی جو کچھ مرزا صاحب نے ملک کی بہتری کے لئے دونوں قوموں کو سبق دئے ہیں ان کو دل میں جگہ دیں گے اور ان پر غور کریں گے۔(انوار العلوم جلد 9 صفحہ 493)

vi۔مئی 1927ء میں لاہور میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑا۔ایک راوی نے لکھا: دو تین دن لاہور میں کشت وخون کا سلسلہ جاری رہا اور دوسو ہلاک اور تین سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔

(سرگزشت از مولانا عبدالمجید سالک صفحہ نمبر 237)

حضرت مصلح موعود نے اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے 13 مئی کو ایک مضمون بعنوان فسادات لاہور پر تبصرہ کے ذریعہ مسلمانان لاہور کی راہنمائی فرمائی۔جس میں یہ دوررس مشورہ بھی شامل تھا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ سکھ صاحبوں سے تعلقات بڑھائیں۔

اس مضمون کے ساتھ آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے 32 نکات پر مشتمل ایک اسکیم بھی تحریر فرمائی جو بعنوان آپ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں ؟روزنامہ الفضل 17اور 24 مئی 1927ء کو شائع ہوئی۔ اس اسکیم میں مسلمانوں کی معاشی ترقی ،حصول روزگار، کاروبار میں ترقی ، باہمی تعاون اور اشتراک کے لئے انتہائی مفید، کارآمد اور قابل عمل تجاویز شامل تھیں۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 583580۔ نیا ایڈیشن)

آپ نے انہی دنوں ایک اور پمفلٹ زیر عنوان اسلام کی آواز شائع فرمایا۔جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے امن کی اس حقیقی راہ کی طرف راہنمائی فرمائی کہ مسلمانوں کی تربیت کریں اور انہیں مرتد ہونے سے بچائیں ۔۔۔ ہندوستان کے دیگر مذاہب کے

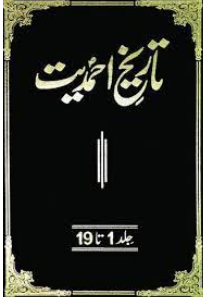
پیروکاروں کو اپنے اندر شامل کرلیں۔اسی ذریعہ سے ملک میں امن ہوگا۔(انوارالعلوم جلد9 صفحہ نمبر 543)

vii۔30اگست 1927ء کو شملہ میں منعقدہ ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کے پہلے اجلاس میں قائداعظم، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولوی ظفر علی خان اور دیگر زعماء شریک ہوئے حضرت مصلح موعود نے بھی خطاب فرمایا اور 7 ستمبر کو دوسرے اجلاس میں ہندو مسلم اتحاد کے لئے 20 اہم تجاویز پیش فرمائیں۔اور ان بنیادی اصولوں کی نشان دہی فرمائی جن پر یہ اتحاد اور مسلمانوں کے اقتصادی حقوق کی حفاظت ہوسکتی تھی۔ جیسے ہندو چھوت چھات کے توڑ کے لئے مسلمانوں کو دکانیں کھولنے، ہندو ساہوکاروں سے نجات کے لئے مسلم کوآپریٹو بینک کھولنے، تعلیمی اداروں میں ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد کے مطابق کوٹہ کی تخصیص کی تجاویز۔ان نکات میں مستقبل بعید کی پیش بندی میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ سندھ اور بلوچستان مستقل صوبے بنا دیے جائیں۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 4 صفحہ نمبر 614۔616 نیا ایڈیشن)

viii۔چند اور مشہور اجلاس جن میں آپ کو مدعو کیا گیا اور آپ نے خود شرکت فرمائی یا اپنا مشورہ تحریری طور پر بھجوایا اور جن کا ذکر اوپر نہیں ہوا۔درج ذیل ہیں:

i۔لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 23 مئی 1924ء میں حضرت مصلح موعود کو شرکت کی دعوت دی گئی آپ نے اپنا مشورہ اساس الاتحاد کے نام سے طبع کروا کر بھجوایا۔جو شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔ (تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 491 نیا ایڈیشن)



ii۔اگست 1927ء میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب نے حضرت مصلح موعود سے اپنی مسلم پارٹیز کانفرنس کی تجویز پر راہنمائی چاہی۔آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 624۔625 نیا ایڈیشن)

iii۔حضرت مصلح موعود نے 4,5 جولائی 1930ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ شملہ میں شرکت فرمائی اور خطاب فرمایا۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 207۔209 نیا ایڈیشن)

iv۔لائل پور (حال فیصل آباد) میں 20,21 جون

1931ء کو ایک زمیندارہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعود کا ایک مضمون بعنوان زمینداروں کی اقتصادی مشکلات کا حل پڑھ کر سنایا گیا۔(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 284 نیا ایڈیشن)

v۔26 مارچ 1948ء کو پنجاب یونیورسٹی میں منعقدہ اردو کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں حضرت مصلح موعود کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔

(الفضل 27 مارچ 1948ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ نمبر 376 از مولانا دوست محمد شاہد)

ہ۔جدوجہد آزادی میں قدم بقدم راہنمائی:

برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں حضرت مصلح موعود نے ہر اہم موڑ پر اپنی خداداد بصیرت سے مسلمانان ہند کی راہنمائی فرمائی۔ایسے چند واقعات درج ذیل ہیں:

i۔طریق رائے دہی: برصغیر میں تمام مسلم راہنماء بشمول قائداعظم ایک عرصہ تک مخلوط طریق انتخاب کے حامی رہے جبکہ حضرت مصلح موعود کی دانش مندانہ رائے ابتداء ہی سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ طریق رائے دہی کے حق میں تھی۔ جولائی 1925ء میں آپ نے آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقدہ امرتسر کے لئے اپنے پیغام میں فرمایا:

مسلمانوں کی کمزوری، ہندوؤں کا کل شعبوں پر قبضہ اور مسلمانوں کی ترقی کے راستے بند کر دینا یہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ جب تک اس حالت کی اصلاح نہ ہو جائے جداگانہ حق نیابت کا مطالبہ کریں۔

(انوارالعلوم جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 119)

ستمبر 1927 میں شملہ میں منعقدہ اتحاد کانفرنس میں آپ نے اس موقف کو دہراتے ہوئے فرمایا:'' ہمارے خیال میں یہ (مخلوط انتخاب کا طریقہ) مسلم مفاد کے لئے خطرناک ہے (تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 616 نیا ایڈیشن)

شملہ میں قیام کے دوران ہی آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کو جداگانہ انتخاب پر قائل کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایک one to one ملاقات کی۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 620-619 نیا ایڈیشن)

ii۔سائمن کمیشن: 1927ء کے آخر میں ہندوستان کو مزید سیاسی حقوق دینے کے لئے ایک کمیشن انگلستان سے بھیجا گیا۔کانگریس نے کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ قائداعظم اور مولانا محمد علی جوہر سمیت مسلمان راہنماؤں نے بھی بائیکاٹ کی تائید کی۔

حضرت مصلح موعود نے اپنی دانش مندی سے اس بائیکاٹ کو ہندوؤں کی ایک خطرناک چال قرار دیا اور اسے مسلم مفاد کے سراسر خلاف اور مہلک قرار دیا اور اپنے

مضمون رقم فرمودہ 8 دسمبر 1927ء میں آٹھ ایسے مسائل کی نشاندہی بھی کی جو مسلمانوں کو اس کمیشن کے سامنے پیش کرنے چاہئیں ۔(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 5 صفحہ نمبر 6_4 نیا ایڈیشن)



iii۔نہرو رپورٹ: کانگریس نے اپنی مرتبہ نہرو رپورٹ کو اگست 1928ء میں ہندوستان کے نمائندہ دستور کے طور پر شائع کیا۔مسلم مطالبات کو نظر انداز کر کے یہ رپورٹ صرف ہندوؤں کے مفاد کا تحفظ کرتی تھی۔ اس کے باوجود بہت سے سرخیل مسلم زعماء جیسے مولانا ابو الکلام آزاد، مولوی ظفر علی خان، مولوی ثناء اللہ امرتسری اس رپورٹ کے حامی تھے ۔گوکئی دردمند مسلم لیڈر اس کے خلاف بھی تھے لیکن اس رپورٹ کا تفصیلی تجزیہ، اس کے مضرت رساں پہلوؤں کو دلائل سے اجاگر کرنے اور مسلمانوں کے مطالبہ کی معقولیت ثابت کرنے کا سہرا صرف حضرت مصلح موعود کے سر رہا۔مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ نامی اس تبصرہ کے آخر میں آپ نے مسلمانوں کے سامنے ایک چار نکاتی لائحہ عمل بھی تجویز فرمایا۔اس میں یہ تجویز بھی تھی کہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہو اور ایک کمیٹی اس کا تفصیلی جائزہ لے اور اس کی خامیوں کو دور اور اچھی باتوں میں اضافہ کر کے ایک مکمل قانون اساسی پیش کرے۔(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 72_64 نیا ایڈیشن)

iv۔گول میز کانفرنس: ہندوستان میں ممکنہ سیاسی تبدیلیوں کے بارے میں حکومت برطانیہ نے ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا۔اس اہم موقع پر آپ نے اوّل 23 جون 1930ء کو ایک مضمون بعنوان گول میز کانفرنس اور مسلمانوں کی نمائندگی کے ذریعہ یہ راہنمائی فرمائی کہ اس کانفرنس کے لئے مسلمانوں کے نمائندے ان کے مشورہ سے منتخب ہونے چاہئیں یعنی مسلمانوں کی اہم سیاسی انجمنوں کے ذریعہ۔نیز اہم معاملات پر ایک واضح پالیسی بنانے پر بھی زور دیا تا کہ یہ نمائندے اس کے مطابق تجاویز پیش کر سکیں۔

(انوارالعلوم جلد 11 صفحہ نمبر 195_187)

v۔قائداعظم کی واپسی: پہلی گول میز کانفرنس کے دوران ہندو لیڈروں کے رویہ سے مایوس ہو کر قائداعظم نے ہندوستان چھوڑ کر لندن میں رہائش اختیار کر لی ۔ ان کا مسلمانوں کی قیادت سے یوں دست کش ہو جانا کانگریسی ہندوؤں اور کانگریس نواز مسلمانوں کو بہت خوش آیا۔لیکن حضرت مصلح موعود کی دوررس نگاہ نے مسلمانوں کے حق میں اس فیصلہ کے مضمرات کو واضح طور پر دیکھا۔اور از خود اسے

منسوخ کرانے کا سوچا۔اس کام کے لئے آپ نے حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب کو منتخب کیا جو انگریزی میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے اور دوسروں کو قائل کرنے میں خاص مہارت رکھتے تھے ۔ چنانچہ حضرت درد صاحب نے 12 مارچ 1933ء کو لندن مشن کا چارج لینے کے چند دن بعد ہی قائداعظم سے ان کے دفتر میں تین چار گھنٹے کی ایک ملاقات کی جو کامیاب رہی اور اگلے ماہ قائداعظم نے لندن کے جماعتی مرکز میں ایک تقریر کے دوران امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب کی کامیابی کا ذکر کیا۔

(تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 102۔103 نیا ایڈیشن)

vi۔کرپس مشن کی ناکامی اور لور لارڈ ویول فارمولہ:

1942ء میں کرپس مشن کی ناکامی کے بعد آزادی ہند کے معاملہ میں ایک تعطل آ چکا تھا اور دونوں فریق کسی پیش رفت کے لئے آمادہ نہ تھے۔یہ تعطل کسی کے لئے خوش آئند نہ تھا بالآخر حضرت مصلح موعود نے 12 جنوری 1945ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں انگلستان اور ہندوستان کو مفاہمت کی تحریک کی۔اور فرمایا:

میں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ اور ہندوستان سے صلح کرلو اور ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ اور انگلستان سے صلح کرلو۔"



(الفضل 17 جنوری 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 306 نیا ایڈیشن)

آپ نے یہ پیش خبری بھی کی کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے۔

(الفضل 17 جنوری 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 307 نیا ایڈیشن)

چنانچہ یہ آواز سنی گئی اور اثر پذیر ہوئی۔اور وائسرائے ہند لارڈ ویول نے انگلستان میں طویل صلح مشورے کے بعد 14 جون 1945ء کو آزادی کا نیا فارمولا پیش کیا۔ حضرت مصلح موعود نے 22 جون 1945ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں ہندوستان کے تمام سیاسی لیڈروں کو انگلستان سے صلح کی طرف بڑھتے ہوئے اس ہاتھ کو تھام لینے کا پیغام دیا۔

(الفضل 23 جون 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 333۔337 نیا ایڈیشن)

آپ کے اس خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نے لکھا:

"چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے

کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا۔‘‘

(اخبار اہل حدیث امرتسر 6 جولائی 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 338 نیا ایڈیشن)

vii۔عام انتخابات: وائسرائے ہند نے ستمبر 1945ء میں ملک میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ حضرت مصلح موعود نے فکر و تدبر سے ان انتخابات کے ممکنہ نتائج کو محسوس کیا اور اس کے مطابق اپنے ایک مضمون بعنوان آئندہ الیکشنوں کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی کے ذریعہ جماعت کو ہدایت دی کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی۔‘‘(انوار العلوم جلد 18 صفحہ نمبر 185-186)

viii۔عبوری حکومت: انگریز حکومت کی جانب سے 16 جون 1946ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ مسلم لیگ نے یہ دعوت قبول کر لیا۔ مگر کانگریس نے اسے رد کر دیا۔ وائسرائے ہند نے حسب اعلان بجائے مسلم لیگ کو حکومت سازی کا موقع دینے کے اپنی دعوت کو واپس لے لیا۔ مسلم لیگ نے جواباً اپنی رضامندی منسوخ کر دی۔ اس پر وائسرائے نے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت کانگریس کو تشکیل حکومت کی دعوت دے دی جو قبول کر لی گئی اور ستمبر 1946ء میں عبوری حکومت کا چارج سنبھال لیا اور مسلم لیگ کے لئے آبرو مندانہ طور پر حکومت میں داخلہ کا امکان نہ رہا۔

اس نازک موقع پر یہ مسئلہ بھی حضرت مصلح موعود کے ناخنِ تدبیر سے حل ہوا آپ نے تین ہفتہ دہلی میں قیام کر کے مسلم لیگ اور کانگریس کے بیشتر زعماء سے مذاکرات کئے اور وائسرائے ہند لارڈ ویول کو تین بار خط لکھے اور توجہ دلائی کہ انہیں اس معاملہ کو خود اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ بالآخر یہ دانش مندانہ تدابیر کامیابی سے ہمکنار ہوئیں اور مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

(تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد 9 صفحہ نمبر 399-398، 408-404 نیا ایڈیشن)

ix۔تقسیم پنجاب: 3 جون 1947ء کے برطانوی اعلان میں پنجاب کی تقسیم کی تجویز بھی تھی۔ اس معاملہ میں بظاہر سکھوں کا مفاد پیش نظر رکھا گیا۔ حضرت مصلح موعود نے اپنی دور اندیشی سے اس موقع پر سکھ قوم کو مخاطب کرنا

مناسب خیال کیااور سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل کے عنوان سے 17 جون 1947ء کوایک ٹریکٹ لکھا۔ جودس دس ہزار کی تعداد میں اردو اور گورمکھی میں شائع کیا گیا۔ آپ کی یہ تجویز فہم و تدبر اور سیاسی بصیرت وفراست کا شاہکار ہے آپ نے اپنے اس مضمون میں اعداد وشمار اور دلائل سے سکھوں پر یہ واضح کیا کہ انہیں پنجاب کی تقسیم سے کیا کیا نقصان ہوگا اور انہیں مشورہ دیا کہ اپنے مفاد میں وہ قائداعظم اور مسلم لیگ سے سمجھوتا کر لیں اور اس یقینی نقصان سے بچ جائیں۔

باؤنڈری کمیشن: پنجاب کی تقسیم سے پہلے ہی حضرت مصلح موعود نے اس کے لئے جو تیاری شروع کی وہ آپ کی حیرت انگیز ذہانت اور غیر معمولی فہم وتدبر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ نے اس کے لئے ایک دفتر قائم کرکے پنجاب کی مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار جمع کرنے اور متعلقہ ضروری تیاری کا اہتمام فرمایا۔ جودستاویز جمع کی گئیں ان میں ایک

Frontier Settlement between Iraq Recommended by Turkey league of Nation Commission on 26_Iraq Boundry 1924_Turkey

یعنی ترکی عراق حد بندی کے متعلق لیگ آف نیشنز کمیشن 1926_24 کی سفارشات کا مکمل متن تھا۔ نیز اس معاہدہ کا متن بھی جو 1926ء میں کُردوں کے متعلق برطانیہ اور عراق کے مابین قرار پایا۔ پھر آپ نے جماعت کے بیرون مشنز کو بین الاقوامی قانون حد بندی سے متعلق لٹریچر بھجوانے اور کوئی خصوصی ماہر کی تلاش اور اس کی فیس کے تعین کی بھی ہدایات بھجوائیں ۔ یہ سب ایک ناقابل یقین پیش بندی کا مظہر تھا۔ تقسیم پنجاب کے ضمن میں آپ نے قائداعظم کو اپنے ایک مکتوب تحریر فرمودہ 11 اگست 1947ء میں یہ پیغام بھی بھجوایا:

بے شک آپ ستلج پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں اگر ہمیں بیاس سے پرے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعہ میں نہ مانیں تب کامیاب ہوں گے۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 479_474 نیا ایڈیشن)

راہنمائی بابت استحکام پاکستان

حضرت مصلح موعود کی غیر معمولی ذہانت اور دوررس فہم و ادراک کا ایک انتہائی حیرت انگیز اظہار وہ اہم اور امتیازی راہنمائی ہے جو آپ نے پاکستان بننے کے فوراً بعد استحکام اور ترقی پاکستان کے لئے عطا فرمائی۔ اس غرض سے آپ نے ستمبر 1947ء سے جنوری 1948ء کے دوران لاہور میں دانشوروں سے براہ راست خطاب فرمایا۔ اکتوبر



1947ء سے مارچ 1948ء کے دوران اخبار الفضل میں 25 اداریئے لکھے ۔ پھر مارچ/اپریل 1948ء میں راولپنڈی، کراچی، پشاور اور کوئٹہ کے سفر اختیار کئے اور وہاں جلسوں میں ہزار ہا افراد کو ان خیالات سے آگاہ فرمایا۔

اس راہنمائی کا دائرہ کمال درجہ وسعت رکھتا تھا۔جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے:

i۔توانائی (Energy) کی ضروریات: حیرت انگیز طور پر آپ کی نگاہ ملک کی Energy توانائی کی ضروریات پر تھی اور آپ نے جنگلات اور چراگاہوں کے ذریعہ سوختنی لکڑی کی فراہمی کا ایک مربوط نظام تجویز فرمایا۔

اس اہم تجویز کے یہ جملے وسعت خیال کی عجیب مثال ہیں،فرمایا دوسرے ڈسٹرکٹوڈ سٹیلیشن (Destructive Destillation) کے ذریعہ بہت سے کیمیاوی اجزاء ملک کے استعمال اور دساور کے لئے پیدا کئے جا سکتے ہیں ڈسٹرکٹو ڈسٹیلیشن زیادہ تر سخت لکڑی سے کیا جاتا ہے ۔کیکر،شیشم، پھلاہی وغیرہ ،اس ذریعہ سے سپرٹ بھی پیدا کیا جا سکتا ہے جو جنگی ضرورتوں کے بھی کام آئے گا اور کئی کیمیاوی کارخانوں میں استعمال ہوگا اس کے علاوہ ایسی ٹون ،ایسٹک ایسڈ اور فارمیلڈی ہائیڈ بھی اس سے بنائے جا سکتے ہیں اول الذکر بارود کے بنانے میں کام آتا ہے اور آخر الذکر پلاسٹک کے بنانے میں۔“

(انوارالعلوم جلد 19 صفحہ نمبر 357-355)

Energy کے حوالے سے آپ کے چند اور ارشاد اس زمانے کے اخباروں کے حوالے سے درج ذیل ہیں:

اگر کوشش کی جائے تو بلوچستان میں اتنا پیٹرول مل سکتا ہے کہ وہ ابادان کو بھی مات کر دے گا۔“

اسی طرح کوئلہ کی کانوں کے لئے جستجو اور تلاش جاری رکھی جائے تو پاکستان اپنی جملہ ضروریات کا خود کفیل ہو جائے گا۔

(اخبار نوائے وقت 4 دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 411)

آپ نے فرمایا کہ کوئلہ، پیٹرول اور دیگر دھاتیں کافی تعداد میں موجود ہیں لیکن ابھی تک گمشدگی کی حالت میں ہیں اس کے لئے مکمل غور و خوض کی فوری ضرورت ہے ۔مثال کے طور پر بلوچستان تیل کا زبردست منبع ہے لیکن ابھی تک اس سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔

(نظام لاہور 4 دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 413)

توانائی کی ضروریات کے ذیل میں لکڑی، کوئلہ اور پیٹرول کے ساتھ ساتھ حضرت مصلح موعودکی نظر بینا کا کمال ملاحظہ ہو کہ دسمبر 1947ء کے پاکستان میں آپ نے Atomic Energy کے حصول کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ نوائے وقت کی اس خبر سے ظاہر ہوتا ہے۔مرزا صاحب نے کہا کہ۔۔۔اسی طرح پاکستان کو سالماتی قوت کے لئے ریسرچ بھی کرنا چاہیئے۔

(اخبار نوائے وقت 4دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 ازمولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 411)

ii۔امریکہ سے قرض: دسمبر 1947ء میں پہلی بار امریکہ سے ساٹھ کرڑوڑ ڈالر قرض لینے کی بات چھڑی۔ حضرت مصلح موعودکی خداداد بصیرت نے اس وقت ہی اس کے مضمرات کو دیکھا اور نہ صرف اس سے منع فرمایا بلکہ اس وقت ہی Foriegn investment اور اس کا Public اور Private Investment سے امتزاج اور Technology Transfer پر مشتمل ایک متبادل راہ بھی سمجھائی۔اگر عقل و دانش سے بھرپور ان باتوں پر کان دھرا جاتا تو آج کا پاکستان یوں قرض کی دلدل میں نہ دھنسا ہوتا۔مولوی ظفر علی خان صاحب کے اخبار زمیندار نے حضرت صاحب کی یہ تقریر اس سرخی کے تحت درج کی امریکہ سے قرضہ لینا پاکستان کی آزادی کو خطرے میں ڈالنا ہے بیرونی سلطنتوں خصوصاً امریکہ سے قرضہ لینا ہماری آزادی کے لئے زبردست خطرہ کا باعث ہوگا۔لہٰذا اس کا علاج صرف یہ ہے کہ بیرونی کمپنیوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی مشروط اجازت دی جائے ،ان فرموں کو چالیس فیصدی حصے دئے جائیں اور چالیس فی صدی حکومت پاکستان دے باقی بیس فیصدی کے مالک پاکستان کے عوام ہوں۔اس سلسلے میں فرموں سے یہ شرط بھی کی جائے کہ وہ ہمارے حصہ دار کو ساتھ ساتھ ٹریننگ دیں گے۔


روزنامہ
زمیندار

(زمیندار 10دسمبر 1947ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم ازعبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 298)

iii۔نہری نظام: آپ کی دوررس نگاہ ملک کی زرعی ترقی کے لئے موجودہ نہری نظام کی دیکھ بھال اور بہتری کی اہمیت اور نصف صدی بعد کے درکار مسائل کی ضرورت کو گویا دیکھ رہی تھی۔آپ نے اپنی تقاریر میں اس کو بھی موضوع بنایا۔اخبار زمیندار نے خبر دی:

مرزا صاحب نے زراعت کے سلسلہ میں ذرائع آب پاشی خصوصاً نہروں کا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پچاس

سال بعد نہروں کے خراب ہوجانے کے باعث پاکستان کی زراعت کو سخت خطرہ ہے اوراس خطرے کے تدارک کے لئے سائنس کے اصولوں پر کام کرنے کے لئے اتنی دولت کی ضرورت ہے اوراتنے اخراجات کا احتمال ہے

(زمیندار 10 دسمبر 1947ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم ازعبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 298۔297)

iv۔ زرعی ترقی: آپ کی تقریر کے حوالے سے ایک اخبار نے لکھا

مرزا بشیرالدین نے پاکستان کی زرعی پوزیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے بیکار زمینوں کو فوراً آباد کرنے پر زور دیا۔"

(اخبار نوائے وقت 4 دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 411)

ایک اور اخبار نے خبر دی۔"اگر شاہ پور، جھنگ، شکر گڑھ، سرحد کے کچھ اضلاع اور پورے سندھ میں (موجودہ ترقی یافتہ طریقوں پر) زراعتی پیداوار کی طرف دھیان دیا جائے تو ہماری زرعی پیداوار قابل رشک ہوجائے گی۔"

(اخبار نظام لاہور 4 دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 412)

v۔ قومی زبان اور اردو کی ترویج: آپ کی فہم و دانش نے ملک کے لئے مشترک زبان کی اہمیت کو محسوس کر کے اپنی تقاریر میں اس بات کو بھی موضوع بنایا اور یوں راہنمائی فرمائی۔

مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان پر زور نہ دیا جائے کہ وہ ضرور اردو کو ذریعہ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا کیونکہ وہاں کے باشندوں کو بنگالی زبان سے ایک قسم کا عشق ہے۔"

اردو زبان کو لینگوا فرینکا (Lingua Franca) قرار دیا جائے۔

غالب، مومن اور داغ کے گھرانوں میں جو اعلیٰ اور شیریں اردو رائج ہے اس کے تحفظ کے لئے دہلی کے مہاجرین کی ایک علیحدہ بستی آباد کی جائے ورنہ اب یہ خاندان منتشر ہورہے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی زبان ناپید ہوجائے گی۔"

(الفضل 14 دسمبر 1947ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم ازعبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 299)

vi۔ بحری دفاع: آپ کی دانشمندانہ رائے تھی کہ بغیر سمندری طاقت کے صحیح معنوں میں آزادی مل ہی نہیں سکتی اس لئے ملک کے بحری دفاع کی مضبوطی کے لئے آپ نے جو راہنمائی فرمائی ان میں یہ امر شامل تھے:

تارپیڈو کا کام سکھانے اور مکینکل ٹریننگ کے لئے کوئی اسکول موجود نہیں ہے۔ یہ اسکول فوری طور پر قائم ہونے چاہئیں۔

پاکستان کو آبدوز کشتیاں (Submarines)، سرنگ بچھانے والے (Mine Layers) سرنگیں صاف کرنے والے(Mine Sweepers)، تباہ کن جہاز (Destroyers)اور ہوائی بردار جہاز (Air Craft Carriers)حاصل کرنے کے لئے فوری طور پر قدم اٹھانا چاہئے۔

’’تجارتی بیڑہ (Merchant Fleet) قائم کرنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت تمام بحری تجارتی کمپنیاں غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں۔‘‘

(الفضل 11 جنوری 1948ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 301)

vii۔خارجہ پالیسی : آپ کی دور اندیش اور دور بین نگاہوں سے کوئی گوشہ پوشیدہ نہ تھا۔ پاکستان کے خارجہ پالیسی کے بارے میں آپ کی راہنمائی کے چند نکات درج ذیل ہیں گزرتے وقت نے ان کا درست ہونا خوب ظاہر کر دیا:۔ہندوستان سے باعزت صلح کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور خود کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہئے کہ یہ تعلقات خراب ہوں۔

برطانیہ اور امریکہ سے بھی خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن ان کی چالوں سے ہوشیار رہنا چاہئے ۔روس کے متعلق بھی امن پسندانہ رویہ رکھنا چاہئے اور اپنی طرف سے کوئی وجہ اشتعال پیدا نہ ہونے دینی چاہئے۔عرب ممالک سے زیادہ سے زیادہ دوستانہ تعلقات رکھنے چاہئیں ۔عراق اور شام کے ساتھ ریل کے ذریعہ پاکستان کا اتصال قائم کرنا ضروری ہے۔

برما اور سیلون کے ساتھ بہت آسانی سے گہرے سیاسی تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں یہ مشرقی پاکستان کی مدد کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

اسپین، ارجنٹائن، جاپان، آسٹریلیا، ابی سینا اور ایسٹ افریقہ سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(الفضل 11 جنوری 1948ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 302-303)

واضح رہے کہ اس وقت چین کی آزاد حکومت کا وجود نہ تھا۔

viii۔سائنسی اور صنعتی ریسرچ : آپ کی تقریر کے حوالے سے ایک اخبار نے لکھا

’معزز (مقرر) نے تقریر کے دوران کہا کہ پاکستان میں ایک قومی لیبارٹری (Labortary) کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں ملک کی صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے ریسرچ کا کام اعلیٰ پیمانہ پر کیا جائے۔ہنوز پورے پاکستان

میں اس قسم کی کوئی لیبارٹری نہیں۔‘‘

(سفینہ لاہور 4دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 ازمولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 414)

اخبار زمیندار میں رپورٹ کے الفاظ تھے’’ آپ نے کہا کمرشل، انڈسٹری، زراعتی اور دفاعی صنعت کی ریسرچ کے لئے پاکستان کا ایک قومی ادارہ قائم کرنا چاہیئے۔‘‘

(زمیندار 4دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 ازمولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 412)

۴۔نظام جماعت کی مضبوطی:

حضرت مصلح موعود کی خداداد ذہانت اور دانش کا ایک تابندہ مظہر وہ تنظیمی ڈھانچہ ہے جو آپ نے تشکیل دیا جس میں نظارتیں، مجلس شوریٰ اور ذیلی تنظیموں جیسے عظیم الشان ادارے شامل ہیں۔

جس شکل میں آپ نے انہیں کم وبیش ایک صدی پہلے قائم فرمایا سوائے چند ضمنی تبدیلیوں کے ان کا وقت کی کسوٹی پر پورا اترنا اور جماعت کے آج کے حیرت انگیز پھیلاؤ کے باوجود جماعتی ضروریات کو پورا کرتے چلا جانا آپ کے گہرے فکر و تدبر، دوراندیشی اور دانش مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ا۔نظارتوں کا نظام:

آپ نے یکم فروری 1919ء کو چند شعبوں کے ذمہ داروں کو بطور ناظر اور بحیثیت مجموعی محکمہ نظارت قائم فرمایا نیز جماعتوں میں امراء اور نظارتوں کے تابع سیکریٹریان کا تقرر فرمایا۔

اکتوبر 1925ء میں اس محکمہ کو صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ مدغم کر دیا۔اس نظام میں شعبوں کے ردو بدل کی چند تبدیلیوں سے قطع نظر یہ نظام آج بھی اسی شکل میں قائم ہے جس طرح حضرت مصلح موعود نے اسے چھوڑا۔ یہ طویل تسلسل اور اس نظام کے قیام سے قبل آپ کی اس حیرت انگیز فکر کا نتیجہ ہے جو ایک راوی نے جو ایک ڈاکٹر تھے یوں بیان کی۔

ایک مرتبہ حضور نے مجھے بتایا کہ آپ نظام جماعت میں اصلاحی تبدیلیاں کرنے پر غور فرما رہے ہیں لہٰذا چاہتے ہیں کہ انسانی جسم کے نظام کا مطالعہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو ایک کامل نظام کی شکل میں پیدا کیا ہے اور اس کے مطالعہ سے بہت سی مفید رہنمائی حاصل ہو سکے گی چنانچہ آپ نے Anatomy اور Physiology وغیرہ کی مختلف کتب حاصل کر کے ان کا مطالعہ فرمایا اور بہت سے مفید نتائج اخذ کئے۔‘‘ (سوانح فضل عمر جلد دوم ازحضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ صفحہ نمبر 127)

وقت کے ساتھ آپ نے اس نظام کے بین الاقوامی ہونے کا تصور بھی پیش کیا اور 1955ء میں فرمایا:

باہر سے نوجوانوں کو یہاں آنے کی کوشش کرنی چاہیئے بلکہ بہتر ہوگا کہ مختلف ممالک کے لوگ یہاں آئیں اور انجمن کا کام سنبھالیں تا کہ ہماری مرکزی انجمن انٹرنیشنل انجمن بن جائے۔''

(الفضل 25 نومبر 1955ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد دوم از حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ صفحہ نمبر 146)

ب۔ مجلس شوریٰ کا قیام:

انتظامی اصلاحات کے ساتھ حضرت مصلح موعود کے فہم وتدبر نے جماعت میں مشورہ لینے کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت کو محسوس کیا اور 1922ء میں جماعت میں مجلس شوریٰ کا نظام قائم فرمایا۔ پھر 1960ء تک ہر سال شوریٰ میں شریک ہوکر قدم بقدم ایسی راہنمائی فرمائی کہ یہ ادارہ اب انتہائی اعلیٰ پاکیزہ اور مفید روایات کے ساتھ ایک تناور درخت ہو چکا ہے اور اس کی شاخیں ملک ملک قائم ہورہی ہیں۔

پہلی مجلس کے انعقاد پر حضرت مصلح موعود کی دوررس نگاہوں نے اس ادارہ کی یہی منزل تجویز فرمائی تھی۔

میری نظر اس بات پر پڑ رہی ہے کہ ہماری جماعت نے آج ہی کام نہیں کرنا بلکہ ہمیشہ کرنا ہے۔۔۔اس لئے مجھے یہ فکر ہوتی ہے کہ آج جو کام کر رہے ہیں یہ آئندہ زمانہ کے لئے بنیاد ہو۔۔۔وہ زمانہ آئے گا جب خدا ثابت کر دے گا کہ اس جماعت کے لئے یہ کام بنیادی پتھر ہے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1922ء صفحہ نمبر 60 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 4 از مولانا دوست محمد صاحب شاہد صفحہ نمبر 297)

اس مجلس کا جو مستقبل آپ کی نظر نے دیکھا وہ یوں ہے:

وقت آئے گا اور ضرور آئے جب دنیا کی بڑی سے بڑی پارلیمینٹوں کے ممبران کو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اس (مجلس مشاورت) کی ممبری کی وجہ سے ہوگا کیوں کہ اس کے ماتحت ساری دنیا کی پارلیمینٹیں آئیں گی۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1928ء صفحہ نمبر 15 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 4 از مولانا دوست محمد صاحب شاہد صفحہ نمبر 299)

ج۔ ذیلی تنظیموں کا قیام:

حضرت مصلح موعود کی خداداد فہم وفراست کا ایک اور حیرت انگیز اظہار جماعت میں ذیلی تنظیموں کا قیام تھا۔ جس کے نتیجہ میں ہر فرد جماعت کو اپنی صلاحتیوں کے اظہار کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا ہوا۔

ہوش سنبھالتے ہی اطفال الاحمدیہ اور ناصرات احمدیہ کی تنظیموں کے ذریعہ جماعت کی نئی نسل میں احمدیت کا رنگ پیدا کرنے کا سامان ہوا۔

اور پھر جوانوں ، جوانوں کے جوانوں اورخواتین میں اپنی تنظیموں کے اندر نیکیوں کا تسلسل ہوا اور اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اقدار ہر نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہونے کا ایک حیرت انگیز سلسلہ چل پڑا۔

پہلی تنظیم لجنہ اماء اللہ 1922ء میں قائم ہوئی اور آخری انصار اللہ 1940ء میں ۔ جبکہ ناصرات احمدیہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ ان کے درمیان ۔ اسی طرح ان سب پر کم از کم سات دہائیاں گزر چکی ہیں ۔ اس لمبے عرصہ میں ان تنظیموں کی برکات آج ہر ایک طرح روشن ہیں ۔

پھر جماعت کے ملک ملک پھیلاؤ کے بعد ان تنظیموں نے دنیا میں ہر جگہ احمدی طرز زندگی کو جس طرح رواج دیا وہ ان کی عظیم افادیت پر ایک اور مہر تصدیق ہے۔

۵۔ زبان خلق:

حضرت مصلح موعود کی فہم و دانش ایک روشن چراغ کی مانند ہر ایک کی نگاہ میں رہی اور بہت سے پرائے بھی اس حقیقت کے برملا اعتراف پر مجبور ہوئے۔ ایسے چند اعتراف ذیل میں دہرائے گئے ہیں۔

1913ء میں امرتسر کے ایک غیر از جماعت صحافی محمد اسلم صاحب قادیان میں آپ سے ملے اور اپنے تاثرات میں انہوں نے لکھا:

’’علاوہ خوش خلقی کے کہیں بڑی حد تک معاملہ فہم و مدبر ہیں ۔۔۔۔صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانہ ماضی کے واقعات کی بناء پر ظاہر فرمائی وہ نہایت ہی زبردست مدبرانہ پہلو لئے ہوئے تھی۔‘‘

(بدر 13 مارچ 1913ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 4 از مولانا دوست محمد صاحب شاہد صفحہ نمبر 90 نیا ایڈیشن)

حضرت مصلح موعود نے 10 فروری 1928ء کے اپنے خطبہ جمعہ میں کامیابی کے لئے صحیح راستہ کی اہمیت بیان فرمائی اس خطبہ پر ایک اخبار نے جماعت کے بالمقابل اپنی صفوں میں ذہانت وفہم کی کم یابی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ’’صاحبو ! مرزا صاحب کی تقریر کا ایک ایک لفظ صحیح ہے ۔۔۔اس وقت مسلمانوں میں نیک نیّت ، مجاہد، ایثار پیشہ اور مقاصد کو سمجھنے والے تو ہزاروں موجود ہیں مگر طریق کار مرتب کرنے والے بہت کم ہیں ۔

(اخبار تنظیم امرتسر 28 فروری 1928ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 8 نیا ایڈیشن)

حضرت مصلح موعود نے 1930ء میں سائمن کمیشن رپورٹ کے حوالے سے ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل نامی جو کتاب تحریر فرمائی اس پر بیسیوں اہل علم نے تعریفی کلمات کہے۔ مثلاً

i۔ حاجی عبداللہ ہارون صاحب ایم ایل اے کراچی

نے لکھا:

میری رائے میں سیاست کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان میں کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل بہترین تصانیف میں سے ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 218 نیا ایڈیشن)

ii۔سیّد حبیب صاحب مدیر اخبار سیاست نے لکھا:

آپ کی سیاسی فراست کا ایک زمانہ قائل ہے۔مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے مدلل بحث کرنے اور مسلمانوں کے حقوق کے استدلال سے مملو کتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابل تعریف کام کیا ہے اور زیر بحث کتاب کے مطالعہ سے آپ کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔آپ کا طرز بیان سلیس اور قائل کر دینے والا ہوتا ہے اور آپ کی زبان بہت شستہ ہے

(اخبار سیاست لاہور 2 دسمبر 1930ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 219 نیا ایڈیشن)

خواجہ حسن نظامی صاحب نے آپ سے ایک ملاقات کے بعد لکھا:

’آج (10 اکتوبر 1946 ء) شام کوئی دہلی میں ۔۔۔جناب مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ جماعت احمدیہ سے ملنے گیا تھا۔ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں کیں۔۔۔مرزا صاحب مخلص بھی ہیں، دانش مند بھی ہیں، دوراندیش بھی ہیں اور بہادرانہ جوش بھی رکھتے ہیں۔

(منادی 24 اکتوبر 1946ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط صاحب شاہد صفحہ نمبر 287)

1947ء میں دئے گئے حضرت مصلح موعود کے استحکام پاکستان پر لیکچرز میں سے ایک کے صدر سر فیروز خان صاحب نون تھے جو بعد میں ملک کے وزیر اعظم بھی ہوئے۔انہوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا:

حضرت صاحب کے دماغ کے اندر علم کا ایک سمندر موجزن ہے۔انہوں نے تھوڑے وقت میں ہمیں بہت کچھ بتایا ہے اور نہایت فاضلانہ طریق سے مضمون پر روشنی ڈالی ہے‘۔ (الفضل 9 دسمبر 1947ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 313)

پانچویں لیکچر کے صدر اجلاس سر عبدالقادر صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا:

حضرت مرزا صاحب کے پر مغز اور پر از معلومات لیکچروں کا اصل منشاء یہی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو اس اہم موضوع پر غور وخوض کرنے کی طرف توجہ ہو۔۔۔حضرت مرزا صاحب نے ان لیکچروں کے ذریعہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے ہم سب

دل سے ان کے ممنون ہیں۔۔

(الفضل 11 جنوری 1948ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 314)

چھٹے لیکچر کی صدارتی تقریر میں سر عبدالقادر صاحب نے فرمایا:

نہ صرف آج کے لیکچر کے لئے بلکہ گزشتہ پانچ لیکچروں کے لئے بھی جن میں بے شمار اہم معاملات اور مسائل کے متعلق نہایت مفید اور ضروری باتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں ۔میں فاضل مقرر سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان لیکچروں کو کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو پبلک آپ کی بہت ممنون ہوگی۔

(الفضل 18 جنوری 1948ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 314)

مفکر احرار چوہدری افضل حق کا اعتراف:

جو عظیم الشان دماغ اس (تحریک قادیان) کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا۔"

(اخبار مجاہد 10 اگست 1935ء بحوالہ انصار اللہ حضرت مصلح موعود نمبر 2009 صفحہ نمبر 809)

اسی حوالے سے ایک صاحب نے ایک اور احراری لیڈر کا بیان یوں دہرایا:

شجاع آباد میں کئی دفعہ مشہور احراری لیڈر قاضی احسان احمد صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے دو تین دفعہ انہوں نے کہا کہ آپ کے خلیفہ صاحب اس قدر ذہین ہیں اور ان کا دماغ اتنا اعلیٰ ہے کہ ہماری اسکیمیں فیل کر دیتے ہیں۔

(الفضل 20 مارچ 1966ء بحوالہ انصار اللہ حضرت مصلح موعود نمبر 2009 صفحہ نمبر 809)

لاہور ہائی کورٹ کے ایک غیر از جماعت ایڈووکیٹ نے بیان کیا:

ہفتہ وار پارس کے ایڈیٹر لالہ کرم چند ایک دفعہ اخبار نویسوں کے وفد کے ساتھ قادیان کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے۔ واپس آئے تو یکے بعد دیگرے کئی مضامین میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کی قیادت، فراست اور شخصیت کا ذکر کیا۔ مجھے خود کہنے لگے ہم تو ظفر اللہ کو بڑا آدمی سمجھتے تھے مگر بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سامنے اس کی حیثیت ایک طفلِ مکتب کی ہے۔۔۔اس میں بے پناہ تنظیمی قابلیت ہے ایسا آدمی با آسانی کسی ریاست کو بام عروج تک لے جاسکتا ہے۔

(سوانح فضل عمر جلد پنجم از عبدالباسط شاہد صفحہ نمبر 557)

ویمبلے لندن کے سفر حضرت خلیفۃ المسیح چند دن دمشق ٹھہرے ۔ اس دوران آپ سے ملاقات کرنے والے

ایک عرب صحافی نے لکھا:

یہ خلیفہ صاحب اپنی عمر کے چالیسویں سال میں ہیں ۔۔۔دونوں آنکھیں ذکاء وذہانت اور غیر معمولی علم وعقل کی خبر دے رہی ہیں۔آپ ان کے چہرہ کے خدوخال میں جبکہ وہ اپنی برف کی مانند سفید پگڑی پہنے کھڑے ہوں۔یہ دماغی قابلیتیں دیکھیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ آپ ایک ایسے شخص کے سامنے ہیں جو آپ کو قبل اس کے کہ آپ اسے سمجھیں خوب سمجھتا ہے۔

(اخبار فتی العرب دمشق ۱۰ اگست ۱۹۲۴ء بحوالہ ماہنامہ خالد سیّدنا مصلح موعود نمبر 2008ء صفحہ نمبر 320)

احمدیت کے خلاف احرار کی تحریک کے دوران انگریز حکومت بھی احرار کی پشت پناہ تھی اور کوشاں تھی کہ کسی طرح امام جماعت احمدیہ پر قانونی گرفت کریں۔اس مذموم کوشش میں ناکامی پر گورنر پنجاب کا ردعمل ایک راوی نے یوں بیان کیا:

سر ایمرسن حضرت اقدس کی خداداد ذہانت اور فراست دیکھ کر حیران تھے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب انسان ہے اپنی قوم کو بیدار کرنے اور ابھارنے کے لیے ایسی زبردست تقریر کرتا ہے جو سراسر قابل اعتراض ہوتی ہے مگر آخر میں ایک ہی فقرہ ایسا کہہ جاتا ہے کہ جس سے پہلی تقریر ساری کی ساری ناقابل اعتراض ہو کر رہ جاتی ہے اور ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکتے۔

(تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 428 نیا ایڈیشن)

انگریز حکومت کی اس مخالفانہ روش کے بارے میں حضرت مصلح موعود نے خود ایک دفعہ یوں فرمایا:

سی آئی ڈی کا ایک چوٹی کا افسر ان دنوں مجھے لاہور میں ملا اس نے مجھ سے کہا حد ہو گئی حکومت کے آفیسرز اور گورنر ہر روز مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح آپ کی کوئی چھوٹی سی بات بنا کر ہی پکڑ لیں مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

(الفضل 16 نومبر 1946ء بحوالہ ماہنامہ خالد سیّدنا مصلح موعود نمبر 2008ء صفحہ نمبر 322)

مشہور صحافی خواجہ حسن نظامی نے 1933ء میں حضرت مصلح موعود کی قلمی تصویر کھینچتے ہوئے لکھا:



مرزا محمود احمد ۔۔۔اپنے والد کے قائم مقام اور خلیفہ ہیں۔آواز بلند اور مضبوط ہے۔عقل دور اندیش اور ہمہ گیر ہے۔۔۔سیاسی سمجھ بھی رکھتے ہیں اور مذہبی عقل وفہم میں بھی قوی ہیں اور جنگی ہنر بھی جانتے ہیں یعنی دماغی اور قلمی جنگ کے ماہر ہیں۔

(اخبار منادی سالنامہ 1936ء صفحہ نمبر 179-178 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 276-275 نیا ایڈیشن)

مشہور ادیب اور مورخ مولانا غلام رسول مہر صاحب نے لاہور کے مکرم شیخ عبدالماجد صاحب سے حضرت مصلح موعود کی وفات پر 1966ء میں جو اظہار خیال کیا اس میں منجملہ یہ رائے بھی تھی:

مرزا صاحب بلا کے ذہین تھے۔ میں نے پاک وہند میں سیاسی نہ مذہبی لیڈر ایسا دیکھا ہے جس کا دماغ پریکٹیکل پالیٹکس (Practical Politics) میں ایسا کام کرتا ہے جیسا مرزا صاحب کا دماغ کام کرتا تھا، بے لوث مشورہ، واضح تجویز اور پھر صحیح خطوط پر لائحہ عمل یہ ان کی خصوصیت تھی۔''

ہم یاس افسردگی کی تصویر بنے ان سے ملاقات کے لئے جاتے اور جب باہر آتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ناامیدی کے بادل چھٹ گئے ہیں اور مقصد میں کامیابی سامنے نظر آرہی ہے وزنی دلیل دیتے اور قابل عمل بات کرتے۔''

(ماہنامہ خالد سیّدنا مصلح موعود نمبر 2008ء صفحہ نمبر 326-325)

مشہور محقق اور ادیب علامہ نیاز فتح پوری نے تفسیر کبیر جلد سوم کے مطالعہ کے بعد لکھا:

آپ (حضرت مصلح موعود) کے تبحر علمی، آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فکر وفراست، آپ کا حسن استدلال، آپ کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔''

(الفضل 17 نومبر 1963ء بحوالہ انصار اللہ حضرت مصلح موعود نمبر 2009ء صفحہ نمبر 807)

اختتامیہ:

مندرجہ بالا واقعات ہر قاری کو اسی نتیجہ پر پہنچا ئیں گے کہ پیش خبری کے عین مطابق حضرت مصلح موعود کو اللہ تعالیٰ نے ایک انتہائی روشن دماغ عطا فرمایا تھا اور آپ الہامی الفاظ کے تمام مفاہیم کے مطابق ایک سخت ذہین و فہیم وجود تھے۔

اس پیش گوئی کا یوں لفظ بہ لفظ اس شان سے پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود کی صداقت کی ایک انتہائی روشن دلیل ہے۔ وہیں اس سے کہیں بڑھ کر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی صداقت پر بھی ایک عظیم دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی 1400 سال پہلے دی ہوئی خبر کس طرح حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی۔ اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد





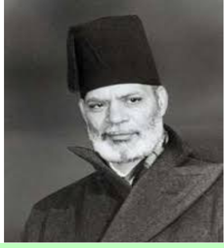




آسمان احمدیت کا ایک درخشندہ ستارے

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب ؓ

از حافظ قدرت اللہ صاحب سابق مبلغ ہالینڈ انڈونیشیا



حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا وجود مختلف جہات سے جماعت کے لئے ایک نادر المثال وجود تھا۔ ماہنامہ خالد ربوہ نے حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپؓ کے بارے میں ایک خاص نمبر دسمبر 1985 ء، جنوری 1986 ء میں شائع کیا۔ اس میں سے ایک مضمون ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین عالمِ احمدیت کا وہ مایہ ناز اور جلیل القدر فرزند اور سلسلہ کا وہ مخلص اور قابل صد رشک فدائی خادم جو آسمانِ احمدیت پر اس صدی کے شروع سے ایک درخشندہ ستارہ بن کر آب و تاب سے چمکا اور بڑی شان و شوکت سے جلوہ گر رہا یعنی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کا وجود بابرکت۔ وہ بالآخر ہمارے قلوب کو حزیں بنا کر اور ہماری آنکھوں کو اشکبار چھوڑ کر ہم سے جدا ہو گیا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

ذاتی تاثرات:

حضرت چوہدری صاحبؓ کے تعلق میں جہاں تک ذاتی تاثرات کا سوال ہے ان کیفیات کا بیان کوئی سہل کام نہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اس تعلق میں آپ کی زندگی کے متفرق واقعات خواہ کتنے ہی اختصار کے ساتھ ان کو الگ الگ بیان کیا جائے اپنی افادیت کے لحاظ سے پھر بھی یقیناً اپنے اندر بہت سے پہلو لئے ہوئے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کی شہرت کو دور سے یا غائبانہ سنا ہو تو اس کا اثر طبیعت پر مختلف ہوتا ہے۔ مگر جب اس شخص کو قریب ہو کر دیکھنے کا موقع ملے تو اس کی عظمت اکثر طور پر اس رنگ میں قائم نہیں رہتی بلکہ اس میں کمی آجاتی ہے۔ لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ کو جس قدر بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے آپ کی عظمت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کیونکہ آپ کا ظاہر اور باہر حتی الامکان ایک تھا۔ آپ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ لغو اور بے فائدہ اُمور سے آپکو پرہیز تھا۔ نظام کی پابندی آپ کا شیوہ

تھا۔دین کو دنیا پر مقدم رکھنا آپ کی زندگی کا اُصول تھا۔وقت کی پابندی اور اس کی پوری قدر کرنا آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔تمام نمازوں کوآپ حتی المقدور اپنے وقت پرادا فرماتے۔سادہ زندگی،غریب پروری نیز دین کے لئے غیرت کے جذبات اور پھر اس کے لئے جذباتی،مالی اور وقت کی قربانی آپ کی زندگی کا ایک عام معمول تھا۔ہالینڈ کے قیام کے دوران ایک لمبا عرصہ آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے فیضیاب ہونے کے مواقع اس عاجز کو میسر آئے اور میں اس بنا پر علی وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو انہی اوصاف سے متصف پایا جن کا ابھی میں نے ذکر کیا

آپ کا عجز وانکسار:

عجز وانکسار کا ایک اور اہم وصف ایک سچے مومن کا خاصہ ہوتا ہے۔میں نے اس وصف کو بھی نہایت عمدہ رنگ میں آپ کی ذات میں جلوہ گر پایا۔اس ضمن میں آپ کے سوانح حیات پر مشتمل کتاب ’’تحدیث نعمت‘‘ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔مجھے یاد ہے اور اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے کی بات ہے کہ میں نے چند ایک دفعہ نہایت ادب سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی زندگی اور اس میں ہونے والے واقعات کا تعلق صرف آپ کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق تو پوری جماعت اور ایک قوم کے ساتھ ہے بہتر ہے آپ انہیں تحریر میں کبھی لے آئیں کہ یہ حالات قوم کی راہنمائی کا باعث ہوں گے۔مگر آپ ہر دفعہ یہی فرماتے رہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں کوئی عجب کا م خودنمائی کا احساس کسی رنگ میں پیدا نہ ہوجائے۔مگر آخر کار جب آپ کو آپ کے قریبی احباب نے قرآن کریم کی آیت اَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ کی روشنی میں اس طرف توجہ دلائی اور اس کی تحریک کی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر یہ قدم اُٹھایا۔ چنانچہ اسی مناسبت سے پھر آپ نے اس کا نام بھی ’’تحدیث نعمت‘‘ رکھا۔پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ آپ کو اپنے حالات کے بیان میں لفظ ’’میں‘‘ کا استعمال مرغوب نہیں تھا۔اور اس لفظ سے آپ ہمیشہ بچنا چاہتے تھے۔چنانچہ اس کے بعد آپ نے اپنے سوانح کو جب انگریزی میں ڈھالا تو وہاں لفظ ’’I‘‘ سے بچنے کے لئے آپ نے ’’He‘‘ کے لفظ کا استعمال فرمایا جس سے پڑھنے والے کو کچھ اُلجھن ضرور ہوتی ہے لیکن آپ نے ’’I‘‘ کی بجائے ’’He‘‘ سے کام چلانا بہتر خیال فرمایا۔اور پھر یہیں تک بس نہیں آپ نے انکساری کے خیال سے اس انگریزی ایڈیشن کا نام بھی ’’Servant of God‘‘ رکھا تا کہ ’’He‘‘ کے پیچھے بھی جو جذبات کا رفرما ہو سکتے ہیں ان کا بھی بالکل ہی خاتمہ ہوجائے۔

اسلامی اخلاق کا نمونہ

حضرت چوہدری صاحبؓ کے اسلامی اخلاق حسنہ اور آپ کے اوصاف حمیدہ جو دنیا کے کونے کونے سے اور دنیا کی عظیم ہستیوں اور مسلم اکابر سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ اوران سے ایک سچے اور فدائی مسلمان ہونے کا اقرار کروا رہے تھے۔

آپ کے یہ اخلاق فاضلہ آپ کی زندگی کے صرف آخری سالوں کا ہی عکس نہیں بلکہ ایامِ جوانی میں بھی آپ کے یہ اسلامی اخلاق حسنہ آپ کے زمانہ کے نامور مسلمانوں کو آپ کا گرویدہ کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آج سے 50 سال قبل 1937ء میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکا عشق رسولؐ کا جذبہ اور حضرت نبی پاکؐ کے اُسوہ کی پیروی کی لگن عالم جوانی میں بھی آپ کی زندگی کا ایک جزو لاینفک اور آپ کی زندگی کا مقصود تھا۔ خواجہ حسن نظامی ہندوستان کے ایک مشہور گدی نشین اور اہل قلم تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں متعدد معروف لوگوں کا قلمی خاکہ کھینچا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کا جو خاکہ کھینچا وہ اگرچہ مختصر تھا مگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے وہ ایک نہایت جامع اور قابل قدر مضمون اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ وہ لکھتے ہیں: ”اگر میری زندگی میں سرظفر اللہ خاں ہوتا تو محمدؐ کی سیرت مجھے اپنا غلام بنالیتی کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔“ کہنے کو یہ ایک فقرہ ہے مگر اس مختصر تحریر میں خواجہ صاحب نے حضرت چوہدری صاحبؓ کے اوصاف کو ایسے جامع اور حسین انداز میں بیان کیا ہے کہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔

دینی اور دنیاوی پہلو

حضرت چوہدری صاحبؓ کا وجود جیسا کہ میں پہلے عرض کیا ہے ایک نادر المثال وجود تھا۔ اور بیک وقت مختلف النوع صفات کا حامل تھا۔ جن کا دائرہ نہ صرف یہ کہ مذہبی دنیا تک وسیع ہے بلکہ بین الاقوامی خدمات بھی حاوی ہے۔ اور یہی کیفیت دراصل ایک کامیاب زندگی کا اعلیٰ تصور بھی ہے جس کی نشاندہی سید سلیمان ندوی صاحب نے بھی اپنے ایک مضمون میں کی ہے۔ سید سلیمان ندوی ایک ممتاز عالم اور مصنف ہیں۔ وہ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں کہ

”ایک زندگی تب ہی پوری طرح کامیاب تصور کی جا سکتی ہے جب کسی کی زندگی کے روحانی اور جسمانی دونوں پہلو کامیاب ہوں۔“

چنانچہ اس لحاظ سے جب ہم حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کی زندگی میں بھی یہ

دونوں پہلو شانہ بشانہ اکٹھے قدم بڑھاتے نظر آتے ہیں اور زندگی کا یہ اعلیٰ اور کامیاب تصور آپ پر پورے طور پر چسپاں ہوتا نظر آتا ہے۔ جہاں تک حضرت چوہدری صاحبؓ کی قومی، ملی اور بین الاقوامی خدمات کا تعلق ہے وہ تو کھلی ہوئی کتاب کی طرح واضح اور روشن ہیں مگر اپنی زندگی میں جہاں جہاں بھی آپ نے قیام فرمایا اور جو موقع بھی کسی لحاظ سے آپکو میسر آیا، آپ نے دینی خدمات کی انجام دہی میں بھی وہاں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اور پھر آپ کی زندگی کے آخری دس سال جس رنگ میں گزرے ان کی تو مثال شاید کم ہی کسی جگہ ملے۔ یہ کوئی خدائی اشارہ ہی تھا کہ آپ نے اپنے تمام اعلیٰ ترین مناصب اور دیگر مشاغل کو یک قلم خیر آباد کہہ کر اور ان سے کنارہ کش ہو کر اپنی بقیہ زندگی خصوصی طور پر دین کے لئے وقف کر دی اور لندن میں قیام فرمایا۔

ہالینڈ کی مسجد سے تعلق:۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کا اپنی زندگی میں جہاں بھی قیام رہا ان کا وجود ہر جگہ ہی دینی خدمات کے ضمن میں وہاں کی جماعت کیلئے بہت مفید اور برکات کا موجب رہا۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہمارا ہالینڈ کا مشن اور وہاں کی جماعت بڑی خوش قسمت ہے کہ انہیں سالہا سال حضرت چوہدری صاحبؓ کے وجود کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ بلکہ کچھ اتفاق ایسا ہے کہ جب سے ہالینڈ کی مسجد کی تعمیر کا پروگرام شروع ہوا ہے حضرت چوہدری صاحبؓ کا خاص تعلق اس مسجد سے رہا ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے 1950ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جب ارشاد موصول ہوا کہ ہالینڈ کی مسجد کی تعمیر کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کی جائے تو ان ایام میں بھی جبکہ حضرت چوہدری صاحبؓ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے ہالینڈ میں ابھی پاکستان کی کوئی ایمبیسی وغیرہ نہ تھی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کا گزر ہالینڈ سے ہوا بلکہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی یہ آمد ایمبیسی پاکستان کے قیام ہی کے ضمن میں تھی۔ ادھر مسجد کے لئے زمین کی خرید کا معاملہ بھی ابتدائی اور ضروری مراحل میں تھا۔ اس وقت حضرت چوہدری صاحبؓ کی رہنمائی اور آپ کا مشورہ ہمارے لئے برکت کا موجب ہوا اور ہم نے وہ زمین مسجد کے لئے خرید لی۔ اس کے بعد مسجد کی تعمیر کے ضمن میں نقشے وغیرہ کے مراحل تھے۔ ان اُمور میں بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کا صلاح مشورہ ہمارے بہت کام آتا رہا۔ آخر مسجد کی تعمیر کی ابتدا ہوئی اور تکمیل پر مسجد کا افتتاح عمل میں آیا۔ ان دنوں اہم موقعوں کا اعزاز حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) کے ارشاد پر حضرت چوہدری صاحبؓ کے حصہ میں آیا۔ بلکہ اس کے بعد حضور (رحمہ اللہ) ہی کے ایما سے حضرت چوہدری صاحبؓ نے کچھ عرصہ اپنی رہائش

بھی اسی مسجد کے ایک کمرے میں اختیار فرمائی۔

جماعتی تقریبات میں شمولیت:

جہاں تک جماعتی تقریبات کا تعلق ہے حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے ہالینڈ کے عرصہ قیام کے دوران اکثر اہم جماعتی تقریبات میں بھی اپنی بابرکت حاضری سے جماعت کو مستفیض فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب عرب کے پرنس فیصل جو سعودی عرب کے دارالخلافہ ریاض کے لارڈ میئر تھے، جماعت کی دعوت پر مشن تشریف لائے تو اس موقع پر حضرت چوہدری صاحبؓ بھی موجود تھے بلکہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی موجودگی اور آپ کی ملاقات سے لارڈ میئر بہت خوش تھے۔ خاکسار نے عربی زبان میں انکی خدمت میں ایڈریس پیش کیا اور تحفۃً کچھ کتب بھی پیش کیں۔ اسی طرح ایک موقع پر ملائیشیاء کے وزیراعظم Tunku Abdul Rahman جب تشریف لائے اور ایک اور موقع پر جب نائیجیریا کے وزیراعظم Sir Abubakar Tafawa Balewa تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی موجودگی ہمارے لئے اور معزز مہمانوں کے لئے بڑی مسرت اور شادمانی کا باعث تھی۔ ہالینڈ کے مشہور وزیر خارجہ Dr.Joseph Luns بشوق سے تشریف لائے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب حضرت چوہدری صاحبؓ سے محو گفتگو رہے۔ یہی کیفیت Sir Abubakar Tafawa Balewa کی تھی۔ وہ بھی جب آئے تو دیر تک حضرت چوہدری صاحبؓ سے بے تکلفانہ باتیں کرنے میں مشغول رہے۔ اسی طرح ایک اور موقع بھی ہم سب کے لئے لطف کا باعث تھا جب 1960ء میں پاکستان کی ٹیم ورلڈ ہاکی چیمپین اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت نے ان کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا۔ اس موقع پر حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہم سب کے لئے ایک لطف کا موجب تھی۔ ویسے تو پاکستان ورلڈ ہاکی چیمپین ٹیم ایک دفعہ 1964ء میں بھی ہمارے ہاں آئی اور ہم نے انہیں اعزازی ریسیپشن دیا مگر اس موقع پر حضرت چوہدری صاحبؓ موجود نہ تھے۔ بہر حال ایسے متعدد مواقع ہیں جو حضرت چوہدری صاحبؓ موصوف کی فیض بخش صحبت کے جماعت کو میسر آتے رہے جن کی یاد آج بھی ایک سرور بخشتی ہے اور اس بابرکت وجود کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

بناوٹ اور تکلفات سے پرہیز:

جیسا کہ خاکسار نے عرض کیا ہے حضرت چوہدری صاحبؓ کو تصنع، بناوٹ یا تکلفات وغیرہ سے کوئی لگاؤ وغیرہ نہ تھا بلکہ آپ کی طبیعت اس سے بہت متنفر تھی۔ اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جو طبیعت پر گہرے طور پر اثر

انداز ہے۔ہالینڈ میں ایک دفعہ یورپ کے انچارج مبلغین کی کانفرنس تھی۔اس کا افتتاح جمعہ کی نماز کے بعد ہوتا تھا۔تمام مبلغین جمع تھے۔پریس کے نمائندگان بھی کافی تعداد میں وہاں موجود تھے بلکہ جب پریس والوں کو پتہ چلا کہ نماز اور خطبہ وغیر حضرت چوہدری صاحبؓ کی اقتدا میں عمل میں آرہا ہے تو انہوں نے پروگرام یہ بنایا کہ وہ خطبہ اور نماز کا سارا پروگرام ریکارڈ کریں اور پھر اسے ملکی ٹی وی پر براڈ کاسٹ کریں۔چنانچہ اس غرض کے لئے انہوں نے مورچے سنبھال لئے۔ساری مسجد میں فوٹوگرافروں نے تیز روشنی والے لیمپوں کا جال بچھالیا اور مختلف اطراف میں کیمرے سیٹ کر لئے جن کا رُخ محراب کی طرف تھا اور ایک بڑی گہما گہمی کا عالم تھا اور مسجد کی چھوٹی سی جگہ ایک سٹوڈیو کا سا منظر پیش کررہی تھی۔ایسے عالم میں جب حضرت چوہدری صاحبؓ نماز جمعہ کے لیے مسجد کے اندر تشریف لائے تو یہ سارا منظر ان کی طبیعت پر بہت بوجھ سا معلوم ہوا اور عبادت کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ انہیں گم ہوتی نظر آئی۔چنانچہ مسجد میں داخل ہوتے ہی حضرت چوہدری صاحبؓ نے بے ساختہ مجھے فرمایا: ”میں ایکٹنگ نہیں کرسکتا“ فقرہ انگریزی میں تھا اور مطلب یہ تھا کہ جمعہ کی نماز کوئی اور دوست پڑھا دیں۔اور یہ کہہ کر آپ نے سنتیں شروع کر دیں۔ہمیں اس کیفیت کا احساس تو تھا مگر موقع کی نزاکت کے پیش نظر دوبارہ درخواست کے باوجود آپ کے خیال میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔یہ واقعہ ممکن ہے بعض کے نزدیک ایک معمولی سا واقعہ ہو مگر جہاں تک حضرت چوہدری صاحبؓ کے اخلاص، آپ کے ایمانی جذبات اور آپ کی طبیعت کی گہرائیوں کا تعلق ہے، جس سے آپ کے کیریکٹر پر روشنی پڑسکتی ہے اور ہم سب کے لئے ایک رنگ کا سبق ہے۔

فضول خرچی سے اجتناب:

آپ کی طبیعت کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ فضول خرچی اور ظاہری تکلفات سے حتی الامکان بچتے تھے اور اس سے احتراز کرتے تھے۔اس تعلق میں آپ کی شادی کے ایام کا ایک واقعہ ذہن میں آرہا ہے جو گو بظاہر ایک معمولی سی بات ہے مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ منفرد ہے۔اور اس سے آپ کی طبیعت کی وہ صفت ضرور نمایاں ہوجاتی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ ظاہری رنگ کے تکلفات آپ کو کوئی ایسے مرغوب نہیں تھے۔ہالینڈ کا ہی واقعہ ہے جب کچھ عرصہ کے لئے آپ کی رہائش مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں تھی آپ کی شادی کی تقریب تھی۔میں نے اپنے رفیق محترم مولانا ابوبکر ایوب صاحب سے کہا کہ اگرچہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو ظاہری قسم کے تکلفات سے کوئی خاص لگاؤ نہیں اور آپ انہیں پسند نہیں فرماتے مگر آج چونکہ انکی شادی کی

تقریب ہے اگر حضرت چوہدری صاحبؓ کے کمرے میں تھوڑے سے پھول گملے میں لگا کے رکھ دیئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ ہم نے پھول ایک گملے میں لگا کر آپ کے کمرے میں رکھ دیئے۔لیکن اس کے بعد جب حضرت چوہدری صاحبؓ باہر سے تشریف لائے اور کمرے میں داخل ہوئے تو باہر آ کر فرمانے لگے یہ پھولوں کا آپ نے کیا تکلف کر دیا! آپکا یہ اظہار بظاہر معمولی سا تھا مگر اس سے آپ کی اندرونی طبیعت پر ایک جھلک ضرور پڑتی ہے کہ آپ کو دنیا کے ظاہری ساز وسامان اور ٹِپ ٹاپ سے کوئی سروکار نہیں نہ تھا۔ہاں جہاں تک ضرورت آپ کو مجبور کرتی تھی وہاں تک جانے کے آپ روادار ضرور تھے مگر اس کے علاوہ ظاہری رکھ رکھاؤ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔آپ کے دل میں اگر کوئی لگن یا تڑپ یا کوئی خواہش تھی تو وہ صرف یہی تھی کہ خدا تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔اور یہی وہ لگن تھی جو ہر وقت ان کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی۔اور انکا تصور اور ان کا خیال دل سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا تھا۔اور میرا یہ تاثر بھی بغیر بنیاد کے نہیں۔اس ضمن میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا ایک دفعہ کا ایک اظہار ایسا ہے جو اس عاجز کی طبیعت پر گہرے طور پر نقش ہے جس کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

خدا یادی

ایک دفعہ میرا لڑکا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ اسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ دکھانے لگے کہ وہ اس کمرے میں رہا کرتے تھے۔میرے لئے یہ امر خوشی کا باعث تھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کا سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے اور نصائح وغیرہ اسے کیا کرتے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے جب اسے اپنا کمرہ دکھایا تو وہ کمرہ چونکہ چھوٹا ہی تھا اس لئے عزیز موصوف نے بے ساختگی سے کہا کہ آپ اس کمرہ میں رہا کرتے تھے! تو اس پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے بھی بے تکلفانہ اور بلا توقف یہ اظہار فرمایا کہ عزیز! اس جسم نے آگے جس جگہ رکھا جانا ہے وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی۔یہ گفتگو آپ نے بظاہر بہت معمولی رنگ میں کی ہے اور بہت سادگی کے ساتھ ہے اور کوئی پبلکی رنگ اسے حاصل نہیں مگر یہ سادہ سی گفتگو آپ کے پاک اور مقدس خیالات کی ترجمان ضرور ہے۔اور آپ کے اندرونے کی عمدگی کیساتھ عکاسی کر رہی ہے کہ آپ اس دنیا میں خواہ کیسے بھی رہ رہے ہوں آپ نے اپنے انجام کو دل سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔

طبیعت میں مزاح

حضرت چوہدری صاحبؓ کی طبیعت میں خوش کن مزاح بھی تھا اور بڑی باغ وبہار طبیعت کے مالک بھی تھے

اور یہ صفت آپ کی وہ دوست خوب جانتے ہیں جنہیں آپ کی صحبت میں اکثر بیٹھنے کا اور آپ کی گفتگو سے متمتع ہونے کا موقع ملا ہو۔میرے لئے یہ امر باعث افتخار اور مسرت ہے کہ حضرت چوہدری صاحب ؓ کی نوازشات اور شفقتوں اور آپ کی نصائح سے نہ صرف اس عاجز نے وافر حصہ پایا بلکہ میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی آپ کا کچھ کم مشفقانہ نہ تھا بلکہ اس کے انگلستان کے تعلیمی دور میں جبکہ میں یہاں موجود نہ تھا اس کی ہر قسم کی ضرورتوں کا خیال رکھا اور اس کی راہنمائی فرمائی اور آپ کے ایسے فیوض کا دائرہ کوئی ایک دو افراد تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ کے ایسے فیوض کا دائرہ بہت وسیع تھا۔فَجَزَاہُ اللہُ خَیْرًا۔بہرحال جہاں تک عزیزم عزیز اللہ کا تعلق ہے جو اب کینیڈا میں رہائش پذیر ہے حضرت چوہدری صاحب ؓ اکثر مجھ سے اس کی صحت کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ فرمایا کہ اس کی صحت کچھ عرصہ سے خراب کیوں جا رہی ہے۔تو میرے پوچھنے پر عزیز نے جواباً لکھا کہ اس کی کیا وجہ کیا بتاؤں کہ بس اب بڑھاپا ہی ہے۔(بہت ممکن ہے کہو ان ایام میں انصار اللہ میں داخل ہو رہا ہو) چنانچہ یہی اس کا جواب نے بے تکلفی سے حضرت چوہدری صاحب ؓ کی خدمت میں عرض کر دیا۔چنانچہ میرا جواب سنتے ہی حضرت چوہدری صاحب ؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے اسے لکھ دینا کہ تم خواہ مخواہ بوڑھے بن رہے ہو میں جو تمہارے باپ سے بھی 25 سال بڑا ہوں اب بھی اگر مجھے کوئی بوڑھا کہتا ہے تو طبیعت اسے آسانی سے قبول نہیں کرتی اور تم نے ابھی سے اپنے آپ کو بوڑھا کہنا شروع کر دیا ہے۔

صاف معاملگی اور دیانت

حقیقت یہ ہے کہ آپکے ساتھ بیتے ہوئے لمحات اور آپ کے تعلق میں گزرے ہوئے چھوٹے چھوٹے واقعات آج ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آ رہے ہیں اور اس وقت کی یاد دلا رہے ہیں کہ وہ کیسے بہار ایام تھے اور وہ کیسی باغ و بہار ہستی تھی ،جس سے بے شمار پیاسے سیراب ہوئے اور وہ کیا وجود تھا جو کتنوں کے لئے تسکین و راحت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔وہ اسلامی سیرت کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھا۔وہ جس کا جسم تو زمین پر تھا مگر جس کا دل خدا تعالیٰ کی محبت میں محو تھا۔اس کی کون کون سی صفت بیان کی جائے اور اس کے اخلاص کی گہرائیوں کو کن پیمانوں سے ناپا جائے۔آپ کی دیانت اور صاف معاملگی کو ہی لے لو۔بعض دفعہ وہ گہرائی امانت اور دیانت کی کسی اور جگہ نظر نہیں آتی ۔بہت ممکن ہے کہ بعض دفعہ ایسے معاملات کا تعلق ان کی اپنی ذات کے لئے تو کوئی خاص اہمیت نہ رکھتا ہو مگر مقصود اس کا دوسروں کی تربیت ہو یا دوسروں کی توجہ مبذول کرانا ہو۔مثلاً ایک چھوٹا سا واقعہ ہالینڈ کا ہی

ہے۔ایک دفعہ آپ کو اپنی گھریلو ضرورت کے لیے کچھ مکھن کی ضرورت تھی۔اتوار کا دن تھا دکانیں بند تھیں۔چنانچہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے پاس مکھن کا کوئی زائد پیکٹ ہوگا۔مگر ساتھ ہی فرمایا کہ میری جیب میں اس وقت صرف کچھ guilder ہی ہیں۔ان دنوں مکھن کی قیمت ایک guilder سے کسی قدر زائد ہوا کرتی تھی۔فرمایا بس مجھے ایک guilder کی قدر کا ایک پیکٹ میں سے کاٹ دیجیے زیادہ نہیں۔اور پھر باوجود اصرار کے انہوں نے اسی قدر اس میں سے لیا۔یہ واقعہ بظاہر ایک بہت معمولی سا واقعہ ہے مگر حضرت چوہدری صاحبؓ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کی اندرونی کیفیات کو روشن کرنے کے لیے ایک بہت واضح مثال ہے۔

نظام کا احترام:۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کا ایک اور اہم وصف جو اس عاجز پر گہرے طور پر اثر انداز ہے وہ جماعت کے نظام کا احترام۔آپ اس چیز کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔خلیفہ کا مقام تو اپنی ذات میں ایک بہت بڑا اور عظیم الشان مقام ہے۔ہم ایسے حقیر اور ناچیز غلام بھی جو نظام کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہیں ہمارے ساتھ بھی آپ کا سلوک اس رنگ کا تھا کہ آپ کے احترام کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ ایک شرم سی محسوس ہونے لگتی تھی کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا اس رنگ

غزل



مبارک صدیقی

ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں
جو دکھ اٹھاتے ہیں اور مسکرائے جاتے ہیں
آزمائشیں یوں ہی عطا نہیں ہوتیں
جو لوگ خاص ہوں وہ آزمائے جاتے ہیں
دعا سلام نہ حدِ ادب نہ عجز و خلوص
میرے شہر میں اب کون آئے جاتے ہیں
عجیب لوگ ہیں شاعر بھی یہ خدا جانے
کوئی سنے نہ سنے یہ سنائے جاتے ہیں
تو گُل ملا کے مجھے بات یہ سمجھ آئی
جو دل گلاب ہوں وہ دل دکھائے جاتے ہیں
وہ شخص صورتِ خورشید جب نکلتا ہے
تو رنگ و نور میں ہم بھی نہائے جاتے ہیں
اسے بھی پیار ہے ان سے جو دل شکستہ ہوں
سو اس کی بزم میں ہم بھی بلائے جاتے ہیں
مرا یقین ہے یہ خامشی یہ گہرا سکوت
یہ لوگ خود نہیں آتے یہ لائے جاتے ہیں
راہ وفا میں جان کے نذرانے لے چلے
ہم بھی سیاہ راتانے لے چلے
صبرو رضا و نیکی و تقویٰ میں تھے بسے
صدق و وفا سے بھرے پیمانے لے چلے
حافظؔ ابھی تلک تو رہا منتظر کھڑا
پل بھر میں سر کٹاکے وہ پروانے لے چلے

کا احترام کیا۔مگر یہ ایک ایسی بات تھی جو آپ کے دل میں گھر کئے ہوئے تھی۔خلافت کا احترام تو اپنی نظیر آپ تھا اور جماعت کے خلفاء سے جو آپ کو قلبی لگاؤ تھا یا جو محبت تھی اس میں بھی آپ کا نمونہ ایک مثالی رنگ کا حامل تھا۔مجھ سے ایک سے ایک دوست نے ذکر کیا کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں اتنا بڑا تحفہ اور نذرانہ پیش کیا کہ حضورؓ نے فرمایا اتنا بڑا انذرانہ میں اپنی ذات میں کے لئے قبول نہیں کرنا چاہتا بہتر ہے آپ جماعت کے لئے وقف فرما دیں۔چنانچہ ایسا ہی آپ نے عمل فرمایا۔بہرحال خلفاء سے آپ کی محبت وعقیدت مندی کے جذبات اپنی نذیر آپ تھے۔ایک اور صفت جو آپ کی زندگی میں ہمیشہ ایک نمایاں کردار ادا کرتی رہی وہ وقت کی پابندی تھی جس کا آپ ہمیشہ خیال رکھا کرتے تھے۔چنانچہ نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرنے کی پابندی بھی آپ کی اسی صفت کا ایک حصہ تھی اور اس میں آپ حتی الوسع تساہل نہیں پیدا ہونے دیتے تھے۔آپ جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے تو اس وقت بھی آپ کی یہ صفت خاص طور پر اُجاگر ہو کر دنیا کے سامنے آئی۔عام طور پر اسمبلی ممبران کا طریق یہی تھا کہ تھوڑی بہت تاخیر حاضری میں ہو جائے تو اسے محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔مگر جب تک یہ نظام آپ کے سپرد رہا سب کو وقت کی پابندی کا احساس ہو گیا اور اجلاس کی کاروائی اپنے وقت پر ہونے لگی۔ایک دفعہ وقت کی پابندی کے ضمن میں فرمایا کہ زندگی میں میرا سیر کا وقت بھی معین ہوا کرتا تھا۔اس حد تک کے لوگ مجھے دیکھ کر اپنی گھڑیاں درست کر لیا کرتے تھے۔ایک دفعہ خود میرے ساتھ بھی ایک واقعہ گزرا۔انگلستان میں ہی ایک نجی سی تقریب تھی۔حضرت چوہدری صاحبؓ کے کسی عزیز کی شادی تھی جس کے لیے دو بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔اس تقریب کا انتظام یا اس کی نگرانی حضرت چوہدری صاحبؓ ہی فرما رہے تھے۔اتفاق سے جب میں مشن کے محمود حال میں پہنچا تو حضرت چوہدری صاحبؓ ابھی وہاں موجود نہیں تھے۔ادھر دو بج رہے تھے صرف ایک آدھ منٹ کا فرق ہوگا۔میرے دل میں خیال گزرا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ تو وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں خدا جانے ابھی آپ کیوں تشریف نہیں لائے۔میں دروازہ میں کھڑا یہ خیال ابھی کر ہی رہا تھا اور اپنی گھڑی سے وقت دیکھ رہا تھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ ادھر نمودار ہو گئے اور مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت تھی میں جو آ گیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ صرف وقت کی کی پابندی ہی نہیں بلکہ وقت کی پوری قدر بھی کرتے تھے اور کوئی لمحہ بھی ضائع کرنا آپ کو گوارا نہ تھا اور یہی آپ کے دن رات کا عالم تھا۔الغرض حضرت چوہدری

صاحبؓ کا وجود مختلف جہات سے جماعت کیلیے نادر المثال وجود تھا۔ایک طرف جہاں آپ نے بانی سلسلہ حضرت امام الزمان مہدی دورانؑ کے فیض صحبت سے حصہ پایا وہاں آپ حضورؑ کے چار خلفاء کے بابرکت زمانہ سے بھی مشرف ہوئے بلکہ ان کے خاص معتمد رہ کر جماعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ کی 92 سالہ زندگی کا عظیم الشان دور اور اس کا بھرپور حصہ خدمات دینیہ کے لیے سراسر وقف رہا۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی نامور ہستیاں جن کو ایک طرف روحانی برکات اور دینی خدمات سے وافر حصہ ملا ہو اور دوسری طرف انہیں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور قابلیتوں کے باعث بین الاقوامی شہرت سے بھی نمایاں حصہ ملا ہو بہت کم وجود میں آتی ہیں۔

دعا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ تعالیٰ جماعت میں ایسے ہزاروں، لاکھوں ظفر اللہ خاں پیدا کرے جو اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار سے جماعت کے نام کو بلند کرنے والے اور اس کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے والے ہوں اور احمدیت کی اچھی شہرت کو چار چاند لگانے والے ہوں۔اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔آمین۔



در مدح حضرت مصلح موعودؓ

(مولانا ظفر محمد ظفرؔ)

اے تخیل گر رسائی پر تجھے کچھ ناز ہے
تا سرعرشِ بریں تیری اگر پرواز ہے
شاخ ہائے سدرہ پر گر تو نشیمن ساز ہے
عالمِ ملکوت سے تو کچھ اگر ہم راز ہے
تو مرے محمود کے احسان کی تصویر کھینچ!
نقش ان کے حسن کا در پردہ تحریر کھینچ!

پنجۂ تسخیر سے بالا مہِ کامل نہیں
توڑنا تارے فلک کے یہ کوئی مشکل نہیں
غیر ممکن کچھ بیان جذبہ ہائے دل نہیں
اور بیروں از احاطہ بحرِ بے ساحل نہیں

پر احاطہ مردِ کامل کا بہت دشوار ہے
یہ وہ نکتہ ہے جہاں ادراک بھی لاچار ہے
دیدہ ظاہر میں اے محمود اک انساں ہے تو
اہل دل کی دید میں پر بحرِ بے پایاں ہے تو

صورتِ زیبا میں اپنی یوسفِ کنعاں ہے تو
سیرت حسنہ میں اپنی مظہرِ رحماں ہے تو

احمدِ مرسل کے ثانی حسن میں احسان ہے تو
خوبیاں تجھ سی نہیں ہرگز کسی انسان میں

تو مقدس باپ کے ہم رنگ اے محمود ہے
نصرت ِ اسلام روحِ والد و مولود ہے

یہ حقیقت وہ ہے جو خود شاہد و مشہود ہے
لاجرم لاریب تو ہی مصلح موعود ہے

دیر سے آیا ہے تو دور سے آیا ہے تو
یعنی اک نور ازل کے نور سے آیا ہے تو

حضرتِ احمد سے پہلے تین تھے ایسے بشر
حق تعالیٰ کی بشارت سے ملے جن کو پسر

حضرت ابراہیمؑ اول دوم یحیٰ ؑ کے پدر
سوم مریم ؑ محصنہ جس پر تھی مولیٰ کی نظر

تیری پیدائش نے احمد کو کھڑا ان میں کیا
ہیں یہی وہ تین جن کو چار تونے کردیا

ارضِ ربوہ پر ہیں جب سے آپ جلوہ گر ہوئے
اس کے ذرے جگمگا کر ہم سر اختر ہوئے

آپ کی ہمت سے ہی آباد اجڑے گھر ہوئے
اور قائم از سر نو مرکزی دفتر ہوئے

بالیقین اپنی اولوالعزمی میں تو اک فرد ہے
اے خدا کے شیر! تو اک آسمانی مرد ہے

تیرے دم سے اے مسیحی روح فاروقی دماغ
خانہ اسلام کا روشن ہوا دھندلا چراغ

عاشقانِ ملتِ احمد کے دل ہیں باغ باغ
دشمنانِ تیرہ باطن کے ہیں سینے داغ داغ

حق نے باندھا ہے تیرے سرسہرہ فتح وظفر
اے بشیر الدین محمود احمد و فضلِ عمر

نوٹ: یہ نظم سلور جوبلی کے موقع پر قادیان میں پڑھی گئی۔ نیا مرکز ربوہ بننے کے بعد اس نظم میں مولانا نے چند اشعار کا اضافہ کیا۔







قادیان دارالامان سے سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ اورافرادِ جماعت کی ہجرت اور قیام ربوہ

خواجہ محمد افضل بٹ۔ امریکہ



سن 1947ء برصغیر ہندو پاکستان کی تاریخ میں قیامتِ صغریٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔کیونکہ اس سال انتقالِ اقتدار کی وجہ سے کروڑوں افراد کا تبادلہ ہوا،اورفتنہ وفساد کی آگ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف پھیل گئی،بالخصوص مشرقی پنجاب کے نہتے مسلمانوں پر ایسے انسانیت سوز مظالم توڑے گئے جن کے تصور سے بھی روح کانپ اُٹھتی ہے۔قتل وغارت کے ان شعلوں نے جماعت احمدیہ کے دائمی مرکز قادیان کے نواح کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''الہام''داغ ہجرت'' انبیاء کی بہت سی جماعتوں کو ہجرت کرنی پڑی ہے۔جب انبیاء کی جماعتوں کی مخالفت انتہا کو پہنچ جائے اور جینا حرام کر دیا جائے تو وہاں سے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت ابتداء سے ہی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔چنانچہ 18 ستمبر 1894ء کو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الہام نازل ہوا کہ:''داغ ہجرت''(تذکرہ صفحہ 218)

حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:''انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رویاء نبی کے زمانے میں پورے ہوتے ہیں۔اوربعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں۔مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیصر وکسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے۔''(بدر جلد اوّل نمبر 23 ستمبر 1905ء)حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام''داغ ہجرت'' آپ کے متبع اورفرزند حضرت المصلح الموعودرضی اللہ عنہ کے دور بابرکت میں پورا ہونا تھا۔اور پیشگوئی مصلح موعودرضی اللہ عنہ''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا'' کو بھی ظاہر کرنے والا تھا۔قادیان سے ہجرت مقدرتھی۔اس کا اشارہ ایک رویا کے ذریعہ پہلے سے دے دیا تھا۔

(انوارالعلوم جلد 21 صفحہ 29,30)

نئے دَور کا آغاز''

قادیان سے ہجرت کے موقعہ پر حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ساری جماعت کو اس پُر آشوب اور نازک دَور میں خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا۔ ''آج ہر احمدی سمجھ لے کہ اب احمدیت پر ایک نیا دور آیا ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 4 الفضل 18 اکتوبر 1947ء) نیز آپؓ فرماتے ہیں۔

''میں نے جب قادیان چھوڑا یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس کا غم نہیں کروں گا۔''

(خطبات محمود جلد 30 صفحہ 93 خطبہ فرمودہ 15 اپریل 1949ء)

''حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی احمدی مسلمانوں کو ہدایت''

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ



مشرقی پنجاب میں رہنا ناممکن نظر آ رہا ہے، تو حضور انورؓ نے احمدی مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔ جو مہاجرین ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ رہے تھے وہ بالکل بے سروسامانی اور بے کسی کی حالت میں پاکستان پہنچے تھے۔ قادیان اور قادیان کے گرد ونواح کے احمدی گھرانے ہجرت کر کے جودھامل بلڈنگ لاہور کے ساتھ ''رتن باغ'' کے وسیع احاطہ میں آ کر ٹھہر رہے تھے۔ ہمارے خاندان کے افراد بھی رستے کی صعوبتیں برداشت کرتے رتن باغ لاہور پہنچے تھے۔ یہاں عارضی قیام تھا۔

''لنگر خانہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جاری ہونا''



مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین سلسلہ احمدیہ کے مہمان ہوتے تھے۔ اور ان کو کھانا وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اس غرض کے لئے رتن باغ کے ایک حصہ میں لنگر خانہ کھول دیا گیا تھا۔ اور ملک سیف الرحمن صاحب فاضل ناظر ضیافت مقرر ہوئے اور ان کی امداد کے لئے شیخ محبوب الٰہی صاحب کا تقرر ناظم سپلائی کی حیثیت سے ہوا۔

(تاریخ احمدیت جلد یازدہم 10 صفحہ 26,96)

احمدی مہاجرین کی اکثریت رتن باغ میں اکٹھی ہو گئی۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ بھی خاندان اقدسؑ کے افراد (جن میں خواتین مبارکہ بھی شامل تھیں) کے ساتھ موجود تھے۔ ''رتن باغ کی مرکزی حیثیت'' جودھامل بلڈنگ کے ساتھ رتن باغ کا وسیع احاطہ تھا جہاں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ (معہ خواتین مبارکہ کے

)فروکش ہو گئے۔ بعد ازاں قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ،حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ ،حضرت صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے چشم و چراغ بھی پاکستان میں ہجرت کر کے آ گئے،تو انہیں بھی اپنی پناہ گزینی کے ابتدائی تکلیف دہ ایام یہیں گزارنے پڑے ۔(تاریخ احمدت ،جلد 10،صفحہ 15)۱۲۔اگست 1947ء حضورؓ کو قادیان سے ہجرت کے متعلق الہام ہوا۔''اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا'' ترجمہ:تم جہاں کہیں بھی ہو گے،اللہ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔

(خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی تحریک جدید انجمن احمدیہ ص 130)

31۔اگست 1947ء

حضورؓ سوا بجے دوپہر قادیان سے ہجرت کر کے لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔آپ نے حضرت صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔حضورؓ ساڑھے چار بجے لاہور پہنچے۔حفاظت کے انچارج کے طور پر کیپٹن عطاء اللہ صاحب آف دوالمیالی آپؓ کے ہمراہ تھے۔آپ رتن باغ میں قیام فرما ہوئے۔آپؓ کے ساتھ خاندان مسیح موعودؑ کے دیگر افراد بھی تھے ۔(خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی تحریک جدید انجمن احمدیہ صفحہ 131)

''مہاجرین کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے کا ارشاد

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 14 اکتوبر 1947ء کی مجلس عرفان میں مشرقی پنجاب سے آنے والے احباب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:''اگر تم مومن اور متوکل ہو تو تمہیں اپنی جائیدادوں کے تلف ہونے کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہیے ۔ایسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو دے دیتا ہے ۔اور جب لینے پر آتا ہے تو لے لیتا ہے ۔ہمارا مقام یہی ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھے ہم اس پر راضی رہیں ۔یہی حقیقی توکل ہے اور جب یہ پیدا ہو جائے تو پھر انسان طوعی اور جبری دونوں طرح کی قربانیوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور شرح صدر کے ساتھ قربانیوں کے میدان میں آجاتا ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 336)

جب قادیان اور گرد و نواح کے احمدی گھرانے ہجرت کر کے رتن باغ پہنچ چکے تو حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد موصول ہوا کہ

''ان سب کو احمد نگر میں بھیج دیں۔''

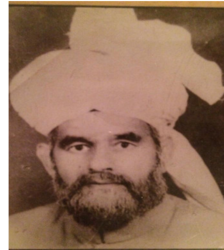
حضور رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں قادیان اور گرد و نواح کے احمدی مہاجرین ان میں غوث گڑھ کے مہاجرین بھی تھے، ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد جامعہ احمدیہ قادیان کے اساتذہ اور طلباء کی تھی۔ احمد نگر نزد ربوہ

اختیار کی۔ اس طرح احمد نگر میں مضبوط جماعت احمدیہ کی بنیاد قائم ہوگئی۔

شروع شروع میں احمدی احباب نے بڑا مشکل وقت گزارا۔ کھانے کے لئے نہ گندم نہ چاول غرض کے کچھ بھی نہیں تھا۔ کسی کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احمدی مہاجرین کے امداد کے لئے مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کے سپرد چنیوٹ، احمد نگر میں لوگوں کو آباد کرنا اور ان کی مشکلات کا حل، لاوارث مستورات جو رتن باغ میں مقیم ہیں، کی ضروریات کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا۔ جو احمدی مہاجرین کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے حتی الوسع کوشش کیا کرتے تھے۔"

(تاریخ احمدی جلد 10 صفحہ 96)

"لاہور پہنچنے والے احمدی مہاجرین کی حالتِ زار"



احمدی مہاجرین کی حالتِ زار کے بارہ میں خالدِ احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی سالانہ رپورٹ میں حضورؓ کے لطف و کرم اور شفقت و احسان کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا: "جماعت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ہزاروں مرد عورتیں اور بچے بے سروسامانی کی حالت میں لاہور میں آ کر آستانہ خلافت پر پڑے تھے۔ سینکڑوں تھے جنہیں تن پوشی کے لئے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ اور ہزاروں تھے، جن کو خورد و نوش کی فکر تھی اور سینکڑوں تھے جو صدموں کی تاب نہ لا کر بیمار اور مضمحل ہو رہے تھے۔ مزید برآں موسم سرما بھی قریب آ رہا تھا اور ان غریبوں کے پاس سردیوں سے بچنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ پھر ان لوگوں کو مختلف مقامات پر آباد کرانے اور ان کی وجہ معاش کے لئے حسب حالات کوئی سامان کرنے کا کام بھی کچھ کم اہمیت نہ رکھتا تھا۔ یہ مشکلات ایسی نہ تھیں جو غیر از جماعت لوگوں پر نہیں آئیں مگر ان کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ اور ہمارا ایک مونس و غمخوار تھا۔ جب وہ لوگ پراگندہ بھیڑوں کی طرح مارے مارے پھر رہے تھے ہم لوگوں کو آستانہ خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے ایک گونہ تسکین قلب حاصل تھی۔۔۔"

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحات 101,102)

"قادیان کے مکرم امیر مقامی کی پاکستان آمد"

16 نومبر 1947ء حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حکم سے خالد احمدیت مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس (امیر مقامی) اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ قادیان سے لاہور آ گئے۔ اور مکرم شمس صاحبؓ

کی جگہ قادیان میں مولوی عبدالرحمن صاحب فاضل امیر مقامی اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب ناظر اعلیٰ مقرر ہوئے۔(تاریخ احمدیت جلد 10 ص 171)

”16۔نومبر کے آخری کنوائے کی روانگی کا رقت انگیز منظر“

یہی وہ کانوائے ہے جس کے ذریعہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ ،مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس ؓ اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ اور احباب جماعت لاہور تشریف لائے ۔مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس ؓ نے رخصت ہوتے ہوئے نہایت درد بھرے الفاظ میں کہا:”اے قادیان کی مقدس سرزمین تو ہمیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ پیاری ہے ۔لیکن حالات کے تقاضا سے ہم یہاں سے نکلنے پر مجبور ہیں ۔اس لئے ہم تجھ پر سلامتی بھیجتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں (ماہنامہ الفرقان ربوہ درویشان قادیان نمبر اگست، ستمبر، اکتوبر 1957 ص 6)(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 367)

صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اس کانوائے کی روانگی کے رقت انگیز منظر کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچتے ہیں:

”آخری قافلہ یہاں سے 16 نومبر 1947ء کو گیا ۔چونکہ بہت لوگوں نے جانا تھا، ہر قسم کی تیاری کرنی تھی اس لئے اکثر لوگ قریباً بیشتر حصہ رات کا جاگتے رہے مگر صبح ہی پھر ہلچل جلدی ہی شروع ہوگئی اور سامان کے ساتھ یہ لوگ محلہ دارالانوار کی سڑک پر پہنچنے شروع ہو گئے ۔بارہ بجے کے قریب سب ٹرک لد گئے ۔اور اجتماعی دعاؤں کے بعد جو کہ مسجد مبارک، بیت الدعا، مسجد اقصیٰ اور بہشتی مقبرہ میں ہوئیں ۔سب لوگ ٹرکوں کے پاس پہنچ گئے ۔مگر وہاں منظر ہی اور تھا۔جانے کی خوشی تو کسی کو کیا ہونی تھی ہر ایک رنج اور غم سے پسا جا رہا تھا۔ہر ایک قدم جو کنوائے کی طرف اُٹھتا تھا وہ آگے سے بوجھل ہوتا۔جو ضبط کی طاقت رکھتے تھے ،وہ ضبط کی کوشش کرتے مگر اس کے راز کو اُن کی سُرخ آنکھیں پکار پکار کے فاش کر رہی تھیں ۔اور جن کو ضبط کی طاقت نہ تھی وہ اس طرح روتے تھے جس طرح کہ کوئی بچہ اپنی ماں سے بچھڑنے کے وقت روتا ہے۔آخر وہ وقت بھی آ گیا یعنی الوداعی دُعا کا۔جس کرب اور الحاح کے ساتھ یہ دعا مانگی گئی اور جس تضرع اور عاجزی سے انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے اور جس نے وہ نظارہ دیکھا وہ بھی اسے بھول نہیں سکتا۔وہاں بہت غیر مسلم آئے ہوئے تھے ،اس کے علاوہ مسلم ملٹری کے سب سپاہی موجود تھے اور وہ سب محو حیرت تھے کہ ان لوگوں کو کیا ہوا۔کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کی گذشتہ چار ماہ موت کے مُنہ میں جھانکنے کے باوجود بھی اس وقت یہ حالت ہے ۔جبکہ ان کو موت سے بچایا جا رہا ہے۔دُعا ختم

ہوئی ٹرک ایک ایک کر کے روانہ ہوئے، جانے والے چلے گئے اور پیچھے رہنے والے ایک سکتہ کی حالت میں ان کو تکتے رہے۔ میں بھی انہیں لوگوں میں تھا جو کہ ان کو الوداع کر رہے تھے۔ (تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 367)

''قیام پاکستان کا پس منظر''

ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں چاہے وہ ہمیں ماریں یا دکھ پہنچائیں۔ احرار کی طرف سے ہندو وکلاء مفت پیش ہوتے رہے۔ احمدیت کا پودا کوئی معمولی پودا نہیں یہ اُس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور وہ خود اسکی حفاظت کرے گا۔ دشمن پہلے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر یہ پودا ان کی حسرت بھری نگاہوں کے سامنے بڑھتا رہا۔'' سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دلّی کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ احمدی اس وقت تو پاکستان کی حمایت کرتے ہیں مگر ان کو وہ وقت بھول گیا ہے جبکہ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بُرے سلوک کئے تھے۔ جب پاکستان بن جائے گا تو ان کے ساتھ مسلمان پھر وہی سلوک کریں گے جو کابل میں ان کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُس وقت احمدی کہیں گے کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کرلو۔ کہنے والے کی اِس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اِس کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے وہی سلوک ہوگا جو آج سے کچھ عرصہ پیشتر افغانستان میں ہوا تھا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک دیندار جماعت جس کی بنیاد ہی مذہب، اخلاق اور انصاف پر ہے کیا وہ اس کے متعلق اس نقطۂ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ میرا اس میں فائدہ ہے یا وہ اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ اس امر میں دوسرے کا حق کیا ہے۔ یقیناً وہ ایسے معاملہ میں موخر الذکر نقطۂ نگاہ سے ہی فیصلہ کرے گی پس قطع نظر اس کے کہ مسلم لیگ والے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ وہ ہمارے ساتھ وہی کابل والا سلوک کریں گے یا اس سے بھی بدتر معاملہ کریں گے۔ اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے میں حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؟ ہم نے بار بار ہندوؤں کو توجہ دلائی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں۔ یہ امر ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کو اس طرح نظر انداز کر دینا بعید از انصاف ہے۔ اور ہم نے بار بار ہندو لیڈروں کو آگاہ کیا کہ یہ حق تلفی اور یہ ناانصافی آخر رنگ لائے گی مگر افسوس کہ ہمارے توجہ دلانے، ہمارے انتباہ اور ہمارے ان کو آگاہ کرنے کا نتیجہ کبھی کچھ نہ نکلا۔ ہندو سختی سے اپنے اس عمل پر قائم رہے۔ انہوں نے اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کے حقوق کا گلا گھونٹا۔ انہوں نے حکومت کے غرور میں

اقلیت کی گردنوں پر چھری چلائی اور انہوں نے تعصب اور ہندوانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ مسلمانوں کے جذبات کا خون کیا۔اور ہندو لیڈروں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود نتیجہ صفر ہی رہا۔ہندوؤں کو اُس وقت اس بات کا کیوں خیال نہ آیا کہ ہم مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں۔اور ہر محکمہ میں اور ہر شعبہ میں ان کے ساتھ بے انصافی کر رہے ہیں۔

مجھے پچیس سال شور مچاتے اور ہندوؤں کو توجہ دلاتے ہو گئے ہیں۔کہ تمہارا یہ طریق آخر رنگ لائے بغیر نہ رہے گا۔لیکن افسوس کہ میری آواز پر کسی نے کان نہ دھرا اور اپنی مَن مانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ہمارا احرار سے جھگڑا تھا تو ہندوؤں نے احرار کی پیٹھ ٹھونکی۔اور حتی الوسع ان کی امداد کرتے رہے احرار کی طرف سے ہندو وکلاء مفت پیش ہوتے رہے۔میں نے اِس بارہ میں پنڈت نہرو کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ لوگوں کی احرار کے ساتھ ہمدردی کس بناء پر ہے اور یہ طرفداری کیوں کی جارہی ہے۔انہوں نے ہنس کر کہا سیاسیات میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔اب جن لوگوں کی ذہنیت اس قسم کی ہو اُن سے بھلا کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔یہ جو کچھ آجکل ہو رہا ہے یہ سب گاندھی جی،پنڈت نہرو اور مسٹر پٹیل کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔مسلمانوں کو ہمیشہ باوجود لائق ہونے کے نالائق قرار دیا جاتا رہا،ان کو باوجود قابل ہونے کے ناقابل سمجھا جاتا رہا۔ہزاروں اور لاکھوں دفعہ ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔لاکھوں مرتبہ ان کے احساسات کو کچلا گیا اور متعدّد مرتبہ ان کی اُمیدوں اور اُمنگوں کا خون کیا گیا۔انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ چپ رہے۔یہ سب کچھ ان پہ بیتا اور وہ خاموش رہے۔انہوں نے خاموشی کے ساتھ ظلم سہے اور صبر کیا۔کیا اب بھی ان کے خاموش رہنے کا موقع تھا؟یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے وہ اپنا الگ اور بلا شرکتِ غیرے حق مانگنے کے لئے مجبور نہیں ہوئے بلکہ مجبور کئے گئے،یہ حق انہوں نے خود نہ مانگا،بلکہ ان سے منگوایا گیا۔یہ علیحدگی انہوں نے خود نہ چاہی بلکہ ان کو ایسا چاہنے کے لئے مجبور کیا گیا۔میں پچھلے سال اکتوبر نومبر میں اس نیت سے دہلی گیا تھا کہ کوشش کر کے کانگرس اور مسلم لیگ کی صلح کرادوں۔میں ہر لیڈر کے دروازہ پر خود پہنچا اور اس میں مَیں نے اپنی ذرا بھی ہتک محسوس نہ کی۔اور کسی کے پاس جانے کو عار نہ سمجھا صرف اس لئے کہ کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے،میں مسٹر گاندھی کے پاس گیا اور کہا کہ اس جھگڑے کو ختم کراؤ۔لیکن انہوں نے ہنس کر ٹال دیا اور کہا میں تو صرف ایک گاندھی ہوں،آپ لیڈر ہیں آپ کچھ کریں۔مگر میں کہتا ہوں کہ کیا واقعہ میں گاندھی ایک

آدمی ہے اوراس کا اپنی قوم یا ملک کے اندر کچھ رُعب نہیں اگر وہ صرف ایک گاندھی ہے تو سیاسیات کے معاملات میں دخل ہی کیوں دیتا ہے۔

حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ تیس کروڑ کے لیڈر ہیں اور میں ہندوستان کے صرف پانچ لاکھ کا لیڈر ہوں کیا میرے کوئی بات کہنے اور تیس کروڑ کے لیڈر کے کوئی بات کہنے میں کوئی فرق نہیں تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ضرور اثر رکھتی ہے ۔لیکن افسوس کہ وہی گاندھی جو ہمیشہ سیاسیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں میری بات سننے پر تیار نہ ہوئے ۔اسی طرح میں پنڈت نہرو کے دروازہ پر گیا ۔اسی طرح میں نے تمام لیڈروں سے ملاقاتیں کر کر کے سارا زور لگایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے ۔مگر افسوس کہ کسی نے میری بات نہ سنی اور صرف اس لئے نہ سنی کہ میں پانچ لاکھ کا لیڈر تھا اور وہ کروڑوں کے لیڈر تھے ۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ملک کے اندر جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں اور قتل وغارت کا بازار گرم ہے پس آج یہ سوال نہیں رہا کہ ہمارے ساتھ پاکستان بن جانے کی صورت میں کیا ہوگا۔سوال تو یہ ہے کہ اتنے لمبے تجربہ کے بعد جبکہ ہندو حاکم تھے اور جب وہ نوکری میں ہندو کو ایک مسلمان پر صرف یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ ہندو ہے فوقیت دیتے تھے اُس وقت کے ستائے ہوئے اور تنگ آئے ہوئے مسلمان اگر اپنے الگ حقوق کا مطالبہ کریں تو کیا ان کا یہ مطالبہ نا جائز ہے؟ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارا وہ خدا جس نے اس سے پیشتر ہر موقع پر ہم پر ظلم کرنے والوں کو سزائیں دیں کیا نَعُوْ ذُبِاللہِ اب وہ مر چکا ہے؟ وہ ہمارا خدا اب بھی زندہ ہے اور اپنی ساری طاقتوں کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم انصاف کا پہلو اختیار کریں گے اور اس کے باوجود ہم پر ظلم کیا جائے گا تو وہ ظالموں کا وہی حشر کرے گا جو امان اللہ کا ہوا تھا۔اگر ہم پہلے خدا پر یقین رکھتے تھے تو کیا اب چھوڑ دیں گے؟ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہے۔وہ انصاف کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے ۔اور ظالموں کو سزا دیتا ہے ۔کیا ہم اب نَعُوْ ذُبِاللہِ یہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے انصاف پر قائم ہو جانے سے وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا ؟ ہر گز نہیں ۔احمدیت کا پودا کوئی معمولی پودا نہیں ۔یہ اُس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کرے گا اور مخالف حالات کے باوجود کرے گا۔دشمن پہلے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر یہ پودا ان کی حسرت بھری نگاہوں کے سامنے بڑھتا رہا۔اور اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی طرح ہوگا۔یہ چراغ وہ نہیں جسے دشمن کی پھونکیں بجھا سکیں ،یہ درخت وہ نہیں جسے دشمن کی پھونکیں بجھا سکیں ،یہ درخت وہ نہیں جسے عداوت کی آندھیاں اُکھاڑ سکیں ،مخالف ہوائیں چلیں گی ،طوفان آئیں گے ،مخالفت کا سمندر ٹھاٹھیں

مارے گا اور لہریں اُچھالے گا مگر یہ جہاز جس کا نا خدا خود خدا ہے پار لگ کر ہی رہے گا۔پس ہمارا خدا جو علیم اور خبیر ہے وہ اب بھی موجود ہے۔اگر ہم انصاف سے کام لیں گے اور پھر بھی ہم پر ظلم ہوگا تو وہ ضرور ظالموں کو گرفت کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ظلم تو ہمیشہ سے نبیوں کی جماعتوں پر ہوتا آیا ہے مگر یہ نہایت ذلیل احساسات ہیں جو اس اخبار نے پیش کئے ہیں۔حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی ہم پر ہمیشہ ظلم کیا۔شروع شروع میں جب احمدی تالاب سے مٹی لینے جاتے تھے تو یہاں کے سکھ وغیرہ ڈنڈے لے کر آ جاتے تھے۔آخر ہمارے ساتھ کس نے کمی کی مگر ہر موقع پر خدا ہماری مدد کرتا رہا۔ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لیں گے اور جب تک یہ رُوح ہمارے اندر پیدا نہ ہو جائے خدا ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔پس ہم دیکھیں گے کہ حق کس کا ہے ہندو کا ہوگا تو اُس کی مدد کریں گے،سکھ کا ہوگا تو اُس کی مدد کریں گے،مسلمان کا ہوگا تو اُس کی مدد کریں گے ۔ہم کسی کی دوستی اور دشمنی کو نہیں دیکھیں گے بلکہ اس معاملہ کو انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور جب انصاف پر قائم ہونے کے باوجود ہم پر ظلم ہوگا تو خدا کہے گا کہ اِنہوں نے دشمن کے ساتھ انصاف کیا تھا۔کیا میں اِن کا دوست ہو کر ان سے انصاف نہ کروں گا؟اور اس کی غیرت ہمارے حق میں بھڑکے گی جو ہمیشہ ہمارے کام آئے گی۔انشاءاللہ‘‘

(فرمودہ16مئی 1947ءازالفضل قادیان 21مئی 1947ء)

’’حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ کا سفر نئے مرکز کی مجوزّہ زمین ملاحظہ فرمانے کے لئے‘‘

خدا تعالیٰ کے مقدّس اولوالعزّم خلیفہ موعود رضی اللہ عنہ نے یہ قطہ زمین خود ملاحظہ فرمانے کا مصمّم فیصلہ کر لیا۔چنانچہ حضور پُر نورؓ نے خاص اس



مقصد کے لئے 18۔اکتوبر 1947ءکومندرجہ ذیل خدام (ہمراہیوں)کے ساتھ سفر سرگودھا اختیار فرمایا۔ا۔قمرالا نبیاءحضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔1۔حضرت نواب محمد دین صاحبؓ۔۳۔حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔4۔چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیر سٹر ایٹ لاء ۔5۔راجہ علی محمد صاحب افسر مال۔6۔شیخ محمد دین صاحب دفتر جائیداد صدر انجمن احمدیہ راجہ علی محمد صاحب فرماتے ہیں کہ:’’رتن باغ لاہور سے صبح سویرے روانہ ہو کر تقریباً دس بجے یہ قافلہ ربوہ میں جہاں اب بسوں کا اڈہ ہے وہاں پہنچا،وہاں حضورؓ نے اپنی کار سے نکل کرسڑک پر

کھڑے کھڑے رقبہ کا جائزہ لیا۔وہاں سے روانہ ہو کر احمد نگر کے بالمقابل سڑک پر اپنی موٹر سے نکل کر نزدیک ہی ایک کنوئیں کے قریب درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور تمام ہمراہی احباب کے حلقہ میں احمد نگر کے چند غیر احمدی معززین سے جو وہاں آ گئے تھے،مخاطب ہوئے بالخصوص وہاں کے نمبردار وہدری کرم علی صاحب (کرملّی) سے دریافت فرمایا کہ:''دریائے چناب میں سیلاب کے پانی کے زد کی حد کہاں تک ہے؟''نمبردار نے عرض کیا کہ: سیلاب کا پانی تو یہاں (درخت کی شاخ کی طرف اشارہ کر کے کہا) تک بھی پہنچ جاتا ہے۔پھر حضورؓ نے دریافت فرمایا کہ:''آیا وہ رقبہ جہاں اب ربوہ آباد ہے سیلاب کی زد میں ہے؟''اس پر نمبردار مذکور نے کہا کہ:''وہاں تو پانی صرف ایسی صورت میں پہنچے گا کہ جب سیلاب کے پانی کی بلندی اس درخت کی جس کے نیچے حضورؓ کھڑے تھے جھکی ہوئی شاخوں کو چھوئے گا۔''حضورؓ ان لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے تھوڑی دیر اور وہاں گفتگو فرمائی اور پھر سرگودھا کی طرف سفر شروع کیا۔موٹر میں بیٹھے''کڑانہ پہاڑیوں''کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس کا جائزہ لیا۔(پھر وہاں سے روانہ ہو کر)سرگودھا پہنچ کر محترم چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج کی کوٹھی پر جوان دنوں وہاں تعینات تھے ،دوپہر کا کھانا تمام ہمراہی احباب سمیت تناول فرمایا۔یہ کھانا حضرت نواب چوہدری محمد دین صاحبؓ پکوا کر اپنے ہمراہ موٹر میں لے گئے تھے۔اس کے بعد نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھائیں اور بعد نماز جلدی ہی لاہور کو روانہ ہو کر قریباً شام کے وقت واپس لاہور پہنچ گئے۔

(الفضل 7 جون 1964ء)(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 286 تا 288)

''حضورؓ بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ خطبہ جمعہ''سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ 15 جولائی 1949ء کو بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ میں فرمایا:''یہاں پاکستان پہنچ کر میں نے پورے طور پر محسوس کیا



کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے۔یعنی ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ فوراً ایک مرکز بنایا جائے۔جہاں قادیان کے لوگوں کو آباد کیا جائے اور مرکزی دفاتر بھی بنائے جائیں۔''

(خطبات محمود جلد 30 صفحہ 208)(ماخوذ از خطبہ جمعہ 15 جولائی 1949ء منقول از الفضل 49/731)

''ایک خواب''سیّدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''ایک خواب کی وجہ سے میرا ذہن سندھ کی طرف جاتا ہے مگر جماعتی تنظیم کے لحاظ سے پنجاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ کئی مقامات زیرِغور آئے۔جیسے ننکانہ صاحب ، ماڈل ٹاؤن (لاہور) وغیرہ مگر شہر کی مسموم فضاء کے پیشِ نظر حضورؓ کو یہ جگہ پسند نہ تھی۔''حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ:''حضرت مسیح موعودؑ بھی پنجاب میں ہی مبعوث ہوئے۔اگر پنجاب کو چھوڑ دیا گیا تو پھر پنجاب کو پہلے جیسی پوزیشن کبھی حاصل نہ ہوگی اور بھی کئی مقامات تجویز ہوئے۔بالآخر چوہدری عزیز احمد صاحب سب سیشن جج سرگودھا کی تجویز چک ڈھگیاں کی اراضی جہاں اب ربوہ تعمیر ہوا ہے مرکزِ نو کے لئے منظور کی گئی۔''

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 281 حاشیہ 1)

''جماعت کو نصیحت''

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''مرکز کے بغیر کوئی جماعت نہیں رہ سکتی۔پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ انہوں نے بے مرکز کے کبھی نہیں رہنا۔''(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 اپریل 1949ء خطبات محمود جلد 30 صفحہ 95)''مرکز کے لئے زمین خریدنے کی کامیاب کوشش'' پاکستان میں نئے مرکز کے قیام کا اوّلین مرحلہ یہ تھا کہ موزوں جگہ کی تلاش کی جائے۔یہ کام خدا کی مشیّت ازلی میں مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ کے لئے مقدر تھا۔جو اُن دنوں سرگودھا میں سیشن جج کے عہدہ پر فائز تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 281)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت کو چنیوٹ کے قریب دریائے چناب کے پار ایک ایسا رقبہ مل گیا جو بالکل بنجر اور غیر آباد تھا۔جہاں صرف رہائش کی غرض سے مکان بنائے جا سکتے تھے۔یہ رقبہ''چک ڈھگیاں'' کے نام سے ایک قطعہ اراضی جس کا رقبہ پندرہ سو چھ ایکڑ ہے،اس میں سے چار سو بہتر ایکڑ کا رقبہ تو''غیر ممکن'' کہلاتا ہے۔یعنی اس میں آبادی نہیں ہوسکتی بقیہ رقبہ ایک ہزار چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے جو گورنمنٹ نے دس روپے فی ایکڑ کے حساب سے جماعت احمدیہ کو فروخت کرنے کی منظوری فرمائی اور جماعت احمدیہ نے یہ رقبہ گورنمنٹ سے خرید لیا۔جو چیز مل سکی ،خدا تعالیٰ کے شکر کے ساتھ قبول کر لیا۔اور اسے قادیان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں اور صدر انجمن احمدیہ کے اداروں کے واسطے بستی آباد کرنے کے لئے تجویز کر لیا گیا۔

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 291)

''حکومت مغربی پنجاب کا اعلان''حکومت مغربی پنجاب نے بھی مندرجہ بالا بیان کی تائید میں ایک سرکاری اعلان شائع کیا،جو بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔''احمدیوں کو دس روپے فی ایکڑ کے بھاؤ بنجر زمین دی گئی

ہے۔ یہاں قادیان کے خانماں ویران لوگ آباد ہوں گے۔'' (تاریخ احمدیت، جلد 10 صفحہ 295)

''مرکز پاکستان کا نام ربوہ رکھا گیا''

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کا نام تجویز کرنے کے لئے احباب سے پوچھا تو بہت احباب نے نام تجویز کئے۔ آجکل ربوہ جس جگہ آباد ہے، اس دیہہ کا پرانا نام ''چک ڈھگیاں'' تھا۔ چک ڈھگیاں کی زمین کے حصول کے بعد مورخہ 16 ستمبر 1948ء کو صدر انجمن احمدیہ کی میٹنگ میں ''چک ڈھگیاں'' کا نیا نام تجویز کیا گیا کہ جس میں کئی نام زیر غور آئے۔ جن میں ماویٰ (پناہ گاہ) ذکریٰ (عبادت گاہ) دارالہجرت اور مدینۃ المسیح بھی شامل تھے۔ خالد احمدیتِ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ نے ''چک ڈھگیاں'' کا نیا مبارک نام ''ربوہ'' تجویز فرمایا۔ یہ اسماء حتمی منظوری کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ سیّدنا حضرت مصلح الموعود نور اللہ مرقدہ نے ''ربوہ'' کے نام کی حتمی منظوری عطا فرمائی۔ عربی میں ربوہ کا وہی مطلب ہے، جو پنجابی میں ''ڈھگیاں'' یعنی اُونچے ٹیلوں والی جگہ کے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ پورے علاقہ میں بس اڈے پر صرف کیکر کا درخت ہوتا تھا۔ اور باقی سارا علاقہ شورزدہ چٹیل میدان پر مشتمل تھا۔ آج بہتر سال بعد (2021ء) تک گل وگلزار اور سرسبز و شاداب ہو چکا ہے۔ جس میں اہالیان ربوہ کی سالہا سال کی شب و روز محنتِ شاقہ کی بدولت ہزاروں اقسام کے پھل اور پھول دار درخت اور پودے اس شہر کے حسن و جمال کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ یہ شہر قریباً ایک لاکھ (100,000) کی آبادی پر مشتمل ہے۔ جہاں 95 فیصدی احمدی آباد ہیں۔ عصر حاضر میں قادیان کے بعد یہ شہر اسلام کے احیائے نو کا مرکز بن چکا ہے۔

(خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی 2008ء از تحریک جدید، انجمن احمدیہ پاکستان صفحہ 143)

''ربوہ اور اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا اعلان'' حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ بھی اعلان فرمایا کہ:



حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ربوہ کے افتتاح کے لئے لگائے جانے والے خیمہ میں نماز پڑھا رہے ہیں

''نئے مرکز کا نام ربوہ (RABWAH) تجویز کیا گیا ہے۔ جس کے معنی بلند مقام یا پہاڑی مقام کے ہیں۔ یہ نام اس نیک فال کے طور پر تجویز کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس مرکز کو حق وصداقت اور روحانیت کی بلندیوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے اور وہ خدائی نُور کا ایک ایسا بلند مینار ثابت ہو جسے دیکھ کر لوگ اپنے خدا کی طرف راہ پائیں۔ اِس کے علاوہ ظاہری لحاظ

سے بھی یہ جگہ ایک ربوہ کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ اردگرد کے علاقہ سے اونچی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بعض چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں ۔گویا ایک پہلو میں چناب کا دریا ہے ۔جو پانی یعنی ذریعہ حیات کا منظر پیش کرتا ہے ۔اور دوسری پہلو میں بعض پہاڑیاں ہیں جو بلندی کی علامت کی علمبردار ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 444الفضل 22 ستمبر 1948ء)

''ربوہ کے افتتاح کی تیاری''

ستمبر 1948ء کو لاہور سے ربوہ کے لئے دو قافلے روانہ ہوئے ۔ پہلے قافلہ کی روانگی: پہلا قافلہ مکرم چوہدری عبدالسلام صاحب اختر (امیر قافلہ) مکرم مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب ان کے علاوہ ایک مددگار، ایک ڈرائیور اور دومزدوروں پر مشتمل تھا۔ لاہور سے یہ قافلہ تقریباً ایک بجے روانہ ہوا اور شام سات بجے کے قریب ربوہ کی مقدس سرزمین میں پہنچا۔(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 424)

دوسرے قافلہ کی روانگی:

دوسرا قافلہ بھی 19 ستمبر 1948ء لاہور سے ربوہ کے لئے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کی قیادت میں پانچ بجے شام روانہ ہوکر رات گیارہ بجے کے قریب چنیوٹ پہنچا اور رات سڑک پر گزارنے کے بعد دوسرے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے وارد ربوہ ہوا۔ یہ قافلہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے چونتیس کارکنوں پر مشتمل تھا۔

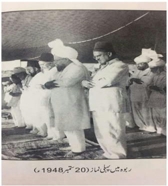
(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 427)

''وسیع شامیانے اور خیموں کی تنصیب''

19 ستمبر 1948ء کو لاہور سے آنے والے مرکزی کارکنوں نے مل کر اس مقام پر ایک وسیع وعریض شامیانہ نصب کر دیا جو افتتاح کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اور جہاں حضورؓ نے نماز پڑھانا تھی۔ علاوہ ازیں چھ رہائشی خیمے بھی لگا دیئے گئے۔(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 429)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری اور نمازظہر کی ادائیگی:

طے شدہ پروگرام کے مطابق 20 ستمبر 1948ء بروز پیر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بذریعہ موٹر لاہور سے صبح نو بجکر بیس منٹ پر روانہ ہوکر ایک بج کر بیس منٹ پر ربوہ سر زمین میں رونق افروز ہوئے۔ حضورؓ کے ہمراہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور بعض دوسرے بزرگان سلسلہ بھی تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی آمد سے قبل چنیوٹ، احمد نگر اور لالیاں کے علاوہ سرگودھا ، لاہور ،قصور ،سیالکوٹ ،لائل پور ، گجرات ،گوجرانوالہ ،جہلم اور بعض دوسرے اضلاع کے احمدی


ربوہ میں پہلی نماز (20 ستمبر 1948ء)

دوست بھی اس بابرکت تقریب میں شمولیت کے لئے پہنچے ہوئے تھے ۔’’نماز ظہر‘‘نماز ظہر قریباً ڈیڑھ بجے شروع ہوئی۔جس میں تقریباً دوصد پچاس احباب شریک تھے۔یہ پہلی باجماعت نماز تھی جوحضورؓ کی اقتداء میں سرزمین پر پڑھی گئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 429,430)

’’مسجد یادگار‘‘

حضرت المصلح الموعودرضی اللہ عنہ نے جس جگہ ظہر وعصر کی نمازیں پڑھائی تھیں،وہ موجودہ فضل عمر ہسپتال کے قطعہ میں ہے،اوراب اس پرایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر ہوچکی ہے جو’’مسجد یادگار‘‘ کہلاتی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 430 حاشیہ 2)

’’مسجد یادگارکاسنگِ بنیاد‘‘

حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ نے ربوہ میں پہلی نماز 20 ستمبر 1948ء بروز پیرادا کی ۔حضورؓ نے جس جگہ نماز پڑھائی اس جگہ مسجد کاسنگِ بنیاد 21 مارچ 1958ء کوقمرالا نبیاء حضرت صاجزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ نے مسجد مبارک قادیان سے لائی گئی ایک اینٹ سے رکھا۔جس پر حضرت المصلح الموعودخلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی اور 1959ء کوفضل عمرہسپتال کی’’یادگارمسجد‘‘ کی تعمیر ہوئی۔

’’فضل عمرکا آغاز‘‘

حضرت المصلح الموعودرضی اللہ عنہ کی ہدایت پرفضل عمر ہسپتال ربوہ کا آغاز 21 اپریل 1949ء کوایک خیمہ میں قائم ہوا ۔جس کی نگرانی صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے سپرد تھی ۔ان دنوں ڈاکٹرحشمت اللہ صاحب لاہور میں قیام رکھتے تھے ۔ان کی آمد پر وہ نگران مقرر ہوئے ۔فضل عمر ہسپتال کی موجودہ عمارت کا سنگِ بنیاد 20 فروری 1956ء کوحضرت المصلح الموعودرضی اللہ عنہ نے رکھا اور افتتاح 21 مارچ 1958ء کو اپنے دست مبارک سے کیا۔(تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 399)



’’ربوہ کے بارے مزید معلومات‘‘

☆ربوہ میں رہائش کے لئے رقوم پیش کرنے والوں کی فہرست میں پہلا نام حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ کا اور دوسرا نام حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کا تھا۔

☆19 ستمبر 1949ء کوحضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مستقل رہائش کے لئے ربوہ تشریف لے آئے۔

☆2اگست 1948ء کوصدرانجمن احمدیہ پاکستان کو حکومت سے زمین کا قبضہ ملا۔

☆ربوہ کا پلان پنجاب کے پراونشل ٹاؤن پلانر مسٹر حبیب جے ۔اے ۔سومجی صاحب نے تیار کیا۔ربوہ کی

زمین کا اونچے سے اونچا کنٹور یعنی سطع سمندر سے بلندی 613فٹ اور کم از کم 590فٹ ہے۔

"افتتاح اجتماعی دُعا"

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت درجہ موثر اور درد سے بھری تقریر فرمائی اور حاضرین کے ساتھ مل کر لمبی دعا کی۔

"پانچ بکروں کی قربانی"

دُعا کے بعد حضورؓ نے فرمایا کہ: "اب اِس رقبہ کے چاروں کونوں میں قربانیاں کی جائیں گی۔ اور ایک قربانی اِس رقبہ کے وسط میں کی جائے گی۔ اِس کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اِس رقبہ کے وسط میں تشریف لے گئے۔ اور مسنون دعاؤں کے ساتھ ایک بکرا اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا۔ بعدہٗ چاروں کونوں پر قربانیاں کی گئیں۔ جو مندرجہ ذیل اصحاب نے کیں۔"

ا۔ حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحبؓ۔ ۲۔ حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالویؓ۔ ۳۔ چوہدری برکت علی خان صاحبؓ وکیل المال تحریکِ جدید۔ ۴۔ مولوی (محمد صدیق صاحبؓ مولوی فاضل۔

"نئے مرکز کا پہلا پھل"

قربانیوں کے بعد ایک تُرک نوجوان محمد افضل صاحب نے حضرت امیر المومنینؓ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور یہ خوش قسمت نوجوان نئے مرکز کا پہلا پھل قرار دیا گیا۔ "**نماز عصر**" قربانی اور بیعت کے بعد حضورؓ نے تھوڑے سے وقفہ سے اُسی مقام پر جہاں شامیانے کے نیچے نماز ظہر ادا کی تھی عصر کی نماز بھی پڑھائی، جس میں علاوہ چھ سَو مردوں کے بعض مستورات بھی پردہ کے پیچھے نماز میں شریک ہوئیں۔

"حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی واپسی"

نماز عصر کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے چنیوٹی احمدیوں کے زیرِ انتظام دعوتِ طعام میں شرکت فرمائی اور پھر چار بج کر چالیس منٹ پر واپس لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس طرح نئے مرکز احمدیت کی افتتاحی تقریب جو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک عظیم نشان تھی۔ بخیر وخوبی اختتام کو پہنچی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحات 442,443,444)

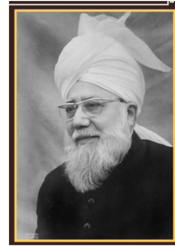
"خدا تعالیٰ کی محبوب بستی ربوہ"

بانی ربوہ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ کبھی وہم نہ کرنا کہ ربوہ اُجڑ جائے گا۔ ربوہ کو خدا تعالیٰ نے برکت دی ہے۔ ربوہ کے چپہ چپہ پر اللہ اکبر کے نعرے لگے ہیں۔ ربوہ کے چپہ چپہ پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ اس زمین کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہ بستی قیامت تک خدا تعالیٰ کی محبوب بستی رہے گی اور قیامت تک اس پر برکتیں نازل ہوں گی

۔اس لئے کبھی نہیں اجڑے گی۔کبھی تباہ نہیں ہو گی۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا دنیا میں کھڑا کرتی رہے گی۔''ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کی دعائیں۔

آخر پر خلیفۃ المسیح کے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔''

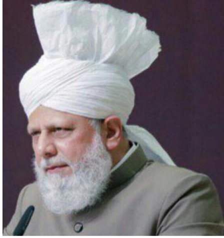


☆حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:۔''ہمارے دلوں میں اپنے ملک کے لئے جو محبت ہے ۔یہ وہی محبت ہے جس پر حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ نے یہ مہر لگائی ہے۔حب الوطن من الایمان یعنی وطن کی محبت ایمان کا ایک جزو ہے ۔یہ وہ صادق محبت ہے ،یہ وہ گناہوں سے پاک محبت ہے ،یہ وہ دکھ دینے کے خیالات سے مطہر محبت ہے،یہ وہ محبت ہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت کی اقتداء اور آپ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ہمارے دلوں میں پیدا کی گئی ہے۔اور یہی وہ محبت ہے جو ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ اگر ہمیں جانیں بھی دینی پڑیں تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔لیکن اپنے ملک کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔خواہ ہمیں ہر طرف سے بُرا بھلا ہی کیوں نہ کہا جائے۔''

(خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 552)

☆سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں

''جماعت احمدیہ نے پہلے دن سے ہی جب سے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے، ہمیشہ پاکستان اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے قربانیاں دی ہیں ۔اس لئے یہ تو کبھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک احمدی کا کوئی مسلمان



بھائی تکلیف میں ہو یا ملک پر کوئی مشکل ہو اور ایک احمدی پاکستانی شہری دور کھڑا صرف نظارہ کرے اور اس تکلیف کو دُور کرنے کی کوشش نہ کرے ۔پس جماعت احمدیہ نے ملک کے بنانے میں بھی حصہ لیا ہے اور ان شاءاللہ اسکی تعمیر و ترقی میں بھی ہمیشہ کی طرح حصہ لیتی رہے گی ۔کیونکہ آج ہمیں ''وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے'' کا سب سے زیادہ ادراک ہے۔آج احمدی ہے جو جانتا ہے کہ ''وطن کی محبت کیا ہوتی ہے''۔

(14 اکتوبر 2005ء خطبہ جمعہ، ہفت روزہ الفضل انٹر نیشنل لنڈن 4 نومبر 2005 صفحہ 6,7)

☆☆☆☆



تعلیم الاسلام کالج ۔ ربوہ کی مختصر تاریخ اور کچھ میری اپنی یادیں

سید حسن خان لندن

(میرے اس مضمون کو لکھنے میں جامعہ احمدیہ انگلستان کے نوجوان طالبعلم جری اللہ خان نے بہت مدد کی ۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ۔اور ہر میدان میں خدا ان کا مددگار رہو۔آمین)

انسان کے بچپن کی کچھ پرانی یادیں بیشک ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن کو انسان اپنی آئندہ زندگی میں یاد کرنے اوران یادوں کی جگالی کرتے رہنے میں ایک ایسی عجیب خوشی اورلذّت محسوس کرتا ہے جس کو بیان کرنا بیشک مشکل امرہے، جب کبھی اپنا کوئی یار بیلی اس بچپن کی بات کا ذکر چھیڑتا ہے تو فوراًہی اس کا دل بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک عجیب سی خوشی اورلذّت محسوس کرتا ہے اور پھر اسی یاد میں گم ہوجاتا ہے نیز مزید سننے کی خواہش کرتا ہے۔خاکسار ربوہ میں ہی پلا بڑھا اور یہاں کے سکول اور کالج میں ہی تعلیم حاصل کی اورربوہ میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ زمانہ جبکہ ربوہ خود اپنے قیام کے ابتدائی مراحل میں تھا۔ جہاں پر زندگی کی وہ آسائشیں نہیں تھیں جو آجکل ربوہ میں حاصل ہیں۔اُس وقت سکول میں بچوں کے لئے کرسیاں اورڈیسک تو دور کی بات بیٹھنے کے لئے ٹاٹ تک مہیا نہیں تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب مجھے میرے کزن بھائی سید صادق نور حال لندن نے نرسری سکول میں داخل کروایا تھا تو اس وقت ہم زمین پر بیٹھتے تھے جبکہ گرد ہی گرد ہوا کرتی تھی۔ بہرحال جو بھی اورجیسا بھی تھا اس پر ہم بے حد خوش اورمطمئن تھے۔اس وقت کے ہمارے استاد اور پیارے دوستوں کی مہربانیاں اور شفقتیں ابھی بھی ہمیں پیاری ہیں۔خدا تعالیٰ میرے تمام استادوں کوخواہ انہوں نے مجھے سکول میں پڑھایا یا کالج میں ان سب کا یہ ناچیز تہہ دل سے ممنون اورشکرگزار ہے اوران کی سلامتی اورلمبی عمر کی دعا کرتا ہو ہے۔اس سے پہلے کہ میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے بارہ میں اپنے چند خیالات کا اظہار کروں۔مَیں تاریخ احمدیت کے حوالہ سے تعلیم الاسلام کالج کے بارہ میں ہی کچھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔جہاں تک تعلیم ا لاسلام کالج کی تاریخ بیان کرنے کاتعلق ہے۔اس بارہ میں

ہوسکتا ہے خاکسار ان تمام حقائق کو پوری طرح بیان نہ کر پائے۔ اس لئے جو جو حقائق اور معلومات خاکسار حاصل کرسکا ہےاس کو بیان میں لارہا

تعلیم الاسلام کالج کی مختصراً تاریخ تعلیم الاسلام کالج کا قیام:۔

1944ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت کے تقاضہ کے تحت نو جوانوں کی تعلیم کو مزید فروغ دینے کے لئے آپؓ نے قادیان میں احمدیہ کالج کھولنے کے لئے جماعت کے چار احباب کی ایک کمیٹی بنائی جن کے ذمہ کالج کے اجراء کے لئے مناسب جگہ اور اس کے لئے اخراجات وغیرہ کا اندازہ لگا کر پیش کریں۔ اس ضمن میں چار احباب پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ ، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ ، حضرت پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ تھے۔اس کمیٹی نے بڑی سوچ بچار کے بعد اپنی طرف سے مندرجہ ذیل چار تجاویز پیش کیں: نمبر ا۔کالج ماہِ جون 1944ء میں کھل جانا چاہیئے۔نمبر ۲۔اس کالج کا نام تعلیم الاسلام کالج رکھا کیا جائے۔نمبر ۳۔حضرت مرزا ناصراحمد صاحب اس کالج کے پرنسپل مقرر کئے جائیں۔نمبر ۴۔کالج کی ابتداء پہلے تعلیم الاسلام سکول کی بلڈنگ میں کی جائے بعد میں اس کے لئے علیحدہ جگہ لے کر عمارت تعمیر کی جائے۔کالج کی سفارشات مکمل ہونے کے بعد کالج میں طلباء کو پڑھانے کا مسئلہ پیش آیا تو سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے مطابق مندرجہ ذیل خوش قسمت پروفیسر صاحبان کا انتخاب عمل میں آیا۔

(1)۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل اور لیکچرار پولیٹیکل سائنس ۔(2)محترم اخوند محمد عبدالقادر صاحب لیکچرار انگلش ۔(3)۔محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب ۔عربی۔(4)۔محترم چوہدری محمد علی صاحب۔ فلاسفی۔(5)۔محترم را نا عبد الرحمن ناصر صاحب۔ حساب۔(6)۔محترم سید فضل احمد صاحب۔ انگلش ۔(7)۔محترم عبد العباس قادر صاحب۔ تاریخ۔ (8)۔محترم عطاء الرحمن غنی صاحب۔فزکس۔(10)۔ محترم یحیٰی بن عیسٰی صاحب۔کیمسٹری۔(10)۔محترم محبوب احمد خالد صاحب۔اردو۔(11)۔محترم عبدالرحمن صاحب۔ فارسی۔(12)۔ اور مولوی محمد دین صاحب لائبریرین کے طور پر مقرر کئے گئے۔ان کے علاوہ ایک سال کے بعد یعنی 1945ء میں دو اور لیکچرار مقررر کئے گئے جن کے نام یوں ہیں۔محترم عطاء الرحمن صاحب بھیروی فزکس اور یحیٰی بن عیسٰی صاحب مگر یحیٰی بن عیسٰی صاحب اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے کالج چھوڑ گئے ان کی

جگہ محترم حبیب اللہ خان صاحب کو تاریخ کا لیکچرار مقرر کیا گیا۔ 1947ء میں ہندو پاک کی تقسیم کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج پاکستان میں منتقل ہوگا اس کے لئے پاکستان میں اب نئی جگہ تلاش کی جائے۔ اس غرض کے لئے مندرجہ ذیل کالجز کی عمارتیں دیکھی گئیں۔ نمبر ۱۔ سِکھ نیشنل کالج لاہور۔ نمبر ۲۔ خالصہ کالج لائل پور (فیصل آباد) نمبر ۳۔ SD کالج راولپنڈی۔ نمبر ۴۔ DAV کالج راولپنڈی۔ نمبر ۵۔ DAV کالج لاہور۔ مگر اس وقت کے ہنگامی حالات کیوجہ سے یہ پانچوں کالجز کی عمارتیں عوام کی رہائش گاہوں کے طور پر مہاجرین سے بھری ہوئی تھیں۔ گویا وہاں پر مناسب جگہ نہیں مل سکی۔ مگر لاہور میں ایف سی کالج میں صرف سائنس کی لیبارٹری بھی اس شرط پر دی گئی کہ تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ ان کے طلباء کو پڑھانے میں مدد دیں گے۔ اس صورت میں پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب اور پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ایف سی کالج میں فزکس اور کیمسٹری پڑھانے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں طلباء کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے مزید اساتذہ کی ضرورت پیش آئی تو اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل مزید اساتذہ بھرتی کئے گئے۔ جن میں محترم راجہ مقبول الٰہی جنجوعہ صاحب، لیکچرار حساب۔ محترم پروفیسر محمد صفدر صاحب، لیکچرار حساب۔

محترم محمود احمد صاحب، لیکچرار بیالوجی۔ محترم محمد یعقوب صاحب، لیکچرار حساب۔ اور محترم چوہدری محمد فضل داد صاحب DPE کے استاد۔ محترم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب، لیکچرار فزکس۔ ۲/اپریل 1950ء میں تعلیم الاسلام کالج لاہور پاکستان میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی فرمائی۔ اس موقع پر آپؓ نے طلباء کو مندرجہ ذیل نصائح فرمائیں:۔

''یہ نہ سمجھو کہ اب تعلیم پوری ہوگئی ہے بلکہ اپنے علم کو با قائدہ مطالعہ سے بڑھاتے رہو۔ خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو۔ بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد کے لئے تیار ہوجاؤ اور قرآنی منشا کے مطابق اپنا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔'' نیز فرمایا:۔ ''پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علوّ حوصلہ سے قدم مارو۔ قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اوّل بھی ہوتی ہے اور منزل دوم بھی ہوتی ہے، منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوتی ۔۔۔ ان کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہوکر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی دادرسی سے حاصل کرتے ہیں جو ایک

ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے ۔۔۔پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانوں! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قومی محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہا ہے۔"

(الفضل 15/اپریل 1950ء)

لاہور سے ربوہ منتقل ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تعلیم الاسلام کی عمارت ربوہ میں تعمیر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس بارہ میں آپؓ نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو 50,000 روپیہ اس کی تعمیر اور اخراجات کے لئے مختص کیا۔ لہٰذا حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے اپنی زیر نگرانی اس کام کو انجام تک پہنچایا ۔آپ تپتی اور چلچلاتی دھوپ سے بچنے کیلئے رقم کی کمی کی وجہ سے ایک چھتری بھی خریدنے سے قاصر تھے۔ اور ننگے سر آپ نے اس کام کا بیڑہ اُٹھایا۔ 1954ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں شفٹ ہوا۔ جب ہمارا کالج 1954ء میں ربوہ میں منتقل ہوا تو طلباء کی کثرت کی وجہ سے اساتذہ کی تعداد بڑھانی پڑی ۔ لہٰذا اس وقت کے اساتذہ کے نامِ گرامی درج ذیل ہیں جن کو مختلف مضامین پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ محترم مبارک احمد انصاری صاحب۔ محترم مسعود احمد عاطف صاحب۔ محترم چوہدری عطاء اللہ صاحب۔ محترم ظفر احمد وینس صاحب۔ محترم نصیر احمد صاحب۔ محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب۔ محترم چوہدری محمد شریف خالد صاحب۔ محترم چوہدری حمید اللہ صاحب۔ محترم رفیق احمد صادق صاحب۔ محترم کنور ادریس صاحب۔ محترم سعید احمد خان صاحب۔ محترم چوہدری حمید احمد صاحب۔ محترم آفتاب احمد صاحب۔ محترم متاصم حماط اللہ صاحب۔ محترم عبدالرشید غنی صاحب۔ محترم چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب۔ محترم محمد اسلم صابر صاحب۔ محترم ناصر احمد خان پرویز پروازی صاحب۔ محترم سعید اللہ خان صاحب۔ محترم محمد احمد انور صاحب۔ محترم چوہدری محفوظ الرحمن صاحب مرحوم، جو بعد میں کالج میں بطور لائبریرین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ محترم انور حسن صاحب۔ محترم سید حبیب الرحمن صاحب۔ محترم نذیر احمد صاحب۔ محترم عبد الرشید فوزی صاحب۔ محترم محمد شریف خان صاحب۔ محترم چوہدری عزیز احمد صاحب۔ محترم قریشی عبدالجلیل صادق صاحب۔ محترم رشید احمد جاوید صاحب۔ محترم اعجاز الحق قریشی صاحب۔ مبارک احمد عابد صاحب۔ محترم سعید احمد چٹھہ صاحب۔ محترم محمد ارشد ترمذی صاحب۔ اور محترم صادق علی صاحب۔ خاکسار نے 1965ء میں تعلیم الاسلام کالج

میں جب داخلہ لیا تو اس وقت حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کالج کے پرنسپل تھے۔ خاکسار نے کالج میں داخلہ لینے کی درخواست دی تو حالانکہ خاکسار بعض مجبوریوں کی وجہ سے کالج میں داخلہ کا وقت بیشک گزر چکا تھا پھر بھی حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت مجھے کالج میں داخلہ دیدیا۔ میرے کالج کے زمانہ میں پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے آکسن ، نائب پرنسپل محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب مرحوم۔ جہاں تک اس وقت کے پروفیسر صاحبان کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب مرحوم، چوہدری محمد علی صاحب ایم اے، محمد دین صاحب ایم اے، ناصر احمد خان صاحب پرویز پروازی ایم اے، عبدالرشید غنی صاحب ایم اے مرحوم، چوہدری حمید اللہ صاحب ایم اے، پروفیسر چوہدری محمد شریف صاحب خالد ایم اے ایڈوکیٹ، قریشی عبدالجلیل صادق صاحب ایم اے، محمد احمد انور صاحب ایم اے، صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ایم اے اور محترمی محبوب خالد صاحب ایم اے تھے۔

جہاں تک میرے پروفیسر صاحبان کے پڑھانے کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد صاحب ایم اے ہمارے سائنس کے اور پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب ایم اے اور عبد الرشید غنی صاحب ایم اے حساب پڑھاتے تھے، جبکہ مجھے ان سے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ میرے مضامین سائنس کے نہیں تھے بلکہ آرٹس میرا سبجکٹ تھا۔ میرا زیادہ تر تعلق صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، جو ہمیں انگلش پڑھاتے تھے، پروفیسر محمد دین صاحب ایم اے دینیات پڑھاتے تھے۔ پروفیسر ناصر احمد خان پرویز پروازی اردو کے استاد تھے۔ قریشی عبدالجلیل صادق صاحب بھی انگلش پڑھاتے تھے۔ نیز پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم اے مرحوم آپ عربی پڑھاتے تھے۔ ان سے بھی مجھے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

کھیلوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم اے باسکٹ بال کے انچارج تھے۔ آپ کے زیر اہتمام باسکٹ بال ہوتا تھا۔ آپ بڑی محنت اور خندہ پیشانی کے ساتھ کھلاڑیوں کی ضروریات کا اور ان کی صحت کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ ان کے زیرِ اہتمام آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کالج کی گراؤنڈ میں بڑے زور شور سے ہوا کرتا تھا۔ دور دور سے بڑی بڑی ٹیمیں اس ٹورنامنٹ میں حصہ لیا کرتی تھیں۔ خوشی کی بات کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے آکسن پہلے اس گیم کے خود انچارج ہوا کرتے تھے اور آپ ہی اس گیم کے بانی مبانی تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہمارے کالج نے بڑے عمدہ کھلاڑی پیدا کیئے۔ جن کو پاکستان کی نیشنل ٹیم میں بھی بڑھ

چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق ملی۔

ہمارے کالج کی روئینگ Rowing کی ٹیم بھی سارے پنجاب میں اوّل نمبر پر تھی۔اس ٹیم کے لئے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بہت تھیں۔دریائے چناب میں روئینگ کے لیے باقاعدہ پریکٹس ہوتی تھی اوردریا کے کنارے کالج کی طرف سے بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں خریدی گئی تھیں جن پر کھلاڑی پریکٹس کیا کرتے تھے۔روئینگ کی ٹیم کے ایک جوانمرد مبارک احمد ساہی صاحب حال لندن بھی تھے جو ہمیشہ ان پرانی یادوں کو یاد کیا کرتے ہیں۔اس کھیل کے انچارج بھی چوہدری محمد علی صاحب تھے۔ہاکی کا کھیل بھی ہمارے کالج کا بہت ہی مقبول اور عمدہ کھیل تھا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کی ٹیم ضلع بھر میں بہت اچھی اور معیاری ٹیم تھی۔خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں بھی اس ٹیم کا باقاعدہ ممبر تھا ۔اس ناچیز کوسکول کے زمانہ سے ہاکی کھیلنے کا موقع نصیب ہوتا رہا ہے۔ہماری ٹیم میں بہت ہی عمدہ اور پائے کے کھلاڑی تھے۔ ہاکی ٹیم کے انچارج اورکوچ پروفیسر عبد الرشید غنی صاحب مرحوم تھے ۔ماشاء اللہ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ۔آپ تمام کھلاڑیوں کو اپنے گھر بلاکر باقاعدہ چائے اور بسکٹ سے تواضع کیا کرتے ۔اورآپ انتہائی مہمان نواز اورشفقت کرنے والے انسان تھا۔ان کے ساتھ مَیں نے بطور کھلاڑی کے بہت سا وقت گزارا۔زیادہ تر جب ہاکی کے ٹورنامنٹ قریب آتے تو آپ تمام کھلاڑیوں کو گھر بلا کر باقاعدہ پلاننگ کیا کرتے تھے۔اب تو آپ ہم میں موجود نہیں ہیں۔خدا تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے اوراپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔ویسے پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب مرحوم کے زمانہ میں ہماری ہاکی کی ٹیم ضلع بھر میں ایک معیاری ٹیم کہلائی جاتی تھی۔آپ مرحوم مغفور کے زمانہ میں ہم نے بہت سے شہروں میں جا کر اپنا سکہ جمایا تھا۔ہاکی کے کھیل کے علاوہ باسکٹ بال کی بھی بڑی اعلیٰ ٹیم تھی۔جوکہ محترم چوہدری محمد علی صاحب کی زیرنگرانی تھا۔آپ نے بھی اس گیم کو بڑھانے اورکھلاڑیوں کی صحت اورضروریات پوری کرنی کی ذمہ داری بڑی احسن طور پر نبھائی۔جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہماری ٹیم میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی چوٹی کے کھلاڑی ہوتے تھے۔تعلیم الاسلام کالج میں کھیلوں کے علاوہ اور چوٹی کے اتھلیٹس بھی تھے جوسارے ضلع بھر میں ہمیشہ اوّل پوزیشن حاصل کیا کرتے تھے۔مگر جب سے حکومت پاکستان نے زبردستی ہمارے کالج کو اورسکول کو اپنی تحویل میں لیا ہے۔ہمارے کالج کی تمام نیک نامیاں اوراعلیٰ قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں۔بلکہ ختم ہوچکی ہیں۔





حضرت مصلح موعودؓ کا عشق رسول ﷺ

(رجل خوشاب)



حضرت مصلح موعودؓ نے 1944ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:* مَیں کسی خوبی کا اپنے لیے دعویدار نہیں ہوں۔ مَیں فقط خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہتھیار بنایا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے کوئی دعویٰ ہے نہ مجھے کسی دعویٰ میں خوشی ہے۔ میری ساری خوشی اسی میں ہے کہ میری خاک محمد رسول اللہ ﷺ کی کھیتی میں کھاد کے طور پر کام آجائے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور میرا خاتمہ رسول کریم ﷺ کے دین کے قیام کی کوشش پر ہو۔" نصف صدی سے زیادہ اسلام کا یہ بطلِ جلیل مسندِ خلافت پر رونق افروز رہا اور اس دوران معاندینِ اسلام نے کئی مرتبہ اپنی نادانی اور شرارت سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اُچھالنے کی ناپاک کوشش کی۔ کبھی "ورتمان" اخبار میں ناپاک مضمون چھپوائے تو کبھی "رنگیلا رسول" قسم کی دلوں کو چھلنی کر دینے والی کتابیں شائع کی گئیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کا دل یہ سب دیکھ کر لہولہان ہو جاتا تھا اور آپؓ اپنے محبوب ﷺ کی ناموس کے دفاع کے لیے سینہ سپر ہو جاتے۔ کبھی یہ فرض تقریر و تحریر کے ذریعہ ادا کرتے اور کبھی جلسہ ہائے سیرت النبی ﷺ اور یوم پیشوایان مذاہب کے سلسلہ کو جاری فرما کر۔

1927ء میں ایک ہندو اخبار "ورتمان" میں ایک مضمون شائع ہوا تو حضورؓ نے ایک پوسٹر کی شکل میں اپنا بیان ایک ہی رات میں طبع کروا کر ملک کے طول و عرض میں چسپاں کروا دیا۔ اس میں آپؓ نے فرمایا: "مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو ستانے کے لیے ان لوگوں کو کوئی اَور راستہ نہیں ملتا۔ ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ہماری اولادوں کی جانیں حاضر ہیں۔ جس قدر چاہیں ہمیں دکھ دے لیں لیکن خدارا نبیوں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ کو گالیاں دے کر آپؐ کی ہتک کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ نہ کریں کہ اس ذاتِ بابرکت سے ہمیں اس قدر تعلق اور وابستگی ہے کہ اِس پر حملہ کرنے والوں سے ہم کبھی صلح

نہیں کر سکتے۔ ہماری طرف سے بار بار کہا گیا ہے اور مَیں پھر دوبارہ ان لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جنگل کے درندوں اور بَن کے سانپوں سے صلح ہو سکتی ہے لیکن ان لوگوں سے ہرگز ہرگز صلح نہیں ہو سکتی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دینے والے ہیں۔''

(الفضل 10 جون 1927ء)

اس پوسٹر کی اشاعت کے بعد مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ چنانچہ اخبار ''ورتمان'' کے مالک اور مضمون نگار پر مقدمہ چلا اور انہیں بالترتیب ایک سال اور چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ مسلمانوں نے خوشی سے حضورؓ کو مبارکباد کے خطوط اور تار بھیجے۔ لیکن آپؓ نے ان کے جواب میں فرمایا: میرا دل غمگین ہے کیونکہ مَیں اپنے آقا، اپنے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک عزّت کی قیمت ایک سال کے جیل خانے کو قرار نہیں دیتا۔ مَیں اُن لوگوں کی طرح، جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دینے والے کی سزا قتل ہے، ایک آدمی کی جان کو بھی اس کی قیمت قرار نہیں دیتا۔ مَیں ایک قوم کی تباہی کو بھی اس کی قیمت قرار نہیں دیتا کیونکہ میرے آقا کی عزّت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دیا جائے۔ کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ میرا آقا دنیا کو جلا دینے کے لیے آیا تھا نہ کہ مارنے کے لیے۔ وہ لوگوں کو زندگی بخشنے کے لیے آیا تھا نہ کہ ان کی جان نکالنے کے لیے۔ غرض محمد رسول اللہ کی عزّت دنیا کے احیاء میں ہے نہ اِس کی موت میں۔ پس مَیں اپنے آقا سے شرمندہ ہوں کیونکہ اسلام کے خلاف موجودہ شورش درحقیقت مسلمانوں کی تبلیغی سستی کا نتیجہ ہے۔ قانون ظاہری فتنہ کا علاج کرتا ہے نہ دل کا اور میرے لیے اس وقت تک خوشی نہیں جب تک کہ تمام دنیا کے دلوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بغض نکال کر اس کی جگہ آپؐ کی محبت قائم نہ ہو جائے۔

(الفضل 19 اگست 1927ء)

ایک موقع پر جب غیر احمدی مولویوں نے اعلان کیا کہ ہم عیسائیوں، یہودیوں، آریوں اور سکھوں سے صلح کر سکتے ہیں مگر احمدیوں کے ساتھ نہیں۔ تب حضورؓ نے جواباً فرمایا کہ باوجود اس کے کہ سب سے بڑھ کر ہماری مخالفت کرنے والے غیر احمدی ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کے ملکوں میں ہمارے آدمیوں کو نہایت بے دردی اور ظلم کی راہ سے قتل کیا جاتا ہے لیکن مذاہب کے لحاظ سے مَیں غیر احمدیوں کو آریوں اور عیسائیوں سے کروڑہا درجے افضل جانتا ہوں۔ یہ کہیں گے کہ عیسائیوں کی حکومت اور ان کے ملک میں ہمارے لیے بہت امن اور انصاف ہے لیکن جب مذہب کا اصول آئے گا تو مَیں امیر امان اللہ خان کو کروڑوں درجے کِنگ جارج سے بڑھ کر سمجھوں گا

کیونکہ وہ رسول کریم ﷺ کی عزت کرتے ہیں، انہیں خدا کا سچا رسول مانتے ہیں جو کہ ہمیں تمام چیزوں سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔

(الفضل 14 جولائی 1925ء)

ایک بار مولوی محمد علی صاحب (امیر غیر مبائعین) نے اپنی کتاب میں لکھا کہ گویا حضرت مصلح موعودؓ اور آپؓ کی جماعت حضرت مسیح موعودؑ کو نبی مان کر آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکاری ہیں اور آپؐ کی ہتک کرتے ہیں۔ حضورؓ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''نادان انسان ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم۔ اُسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ وہ کیا جانے کہ محمد ﷺ کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی۔ وہ میری جان ہے۔ میرا دل ہے۔ میری مُراد ہے۔ میرا مطلوب ہے۔ اُس کی غلامی میرے لیے عزت کا باعث ہے اور اُس کی کفش برداری مجھے تختِ شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے۔ اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے پھر مَیں کیوں اُس سے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر مَیں کیوں اُس سے محبت نہ کروں۔ وہ خدا تعالیٰ کا مقرّب ہے پھر مَیں کیوں اس کا قرب تلاش نہ کروں۔ میرا حال مسیح موعودؑ کے اس شعر کے مطابق ہے کہ؛

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور یہی محبت تو ہے جو مجھے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ بابِ نبوت سے بکلّی بند ہونے کے عقیدے کو جہاں تک ہو سکے باطل کروں کہ اِس میں آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے۔'' (حقیقۃ النبوّۃ) حضرت مصلح موعودؓ نے جب جلسہ ہائے سیرت النبی ﷺ کا اجرا فرمایا تو ان جلسوں کا مقصد یوں بیان فرمایا کہ لوگوں کو آپؐ پر حملہ کرنے کی جرات اس لیے ہوتی ہے کہ وہ آپؐ کی زندگی کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں اور اِس کا ایک ہی علاج ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دیئے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپؐ کے حالاتِ زندگی سے آگاہ ہو جائے اور کسی کو آپؐ کے متعلق زبانی درازی کی جرات نہ رہے۔ جب کوئی حملہ کرتا ہے تو یہی سمجھ کر کہ دفاع کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ (تقریر جلسہ سالانہ 1937ء) حضورؓ کی کوششوں کے نتیجہ میں 17 جون 1928ء کو ہندوستان کے طول وعرض میں پہلی بار جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کا انعقاد عمل میں آیا اور غیروں

نے بھی اس کی تعریف کی۔ چنانچہ اخبار ''مشرق'' گورکھپور نے لکھا: ''ہندوستان میں یہ تاریخ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ...... 17 جون کو جلسے کی کامیابی پر ہم امام جماعت احمدیہ جناب مرزا محمود احمد صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اگر شیعہ وسُنّی اور احمدی اسی طرح سال بھر میں دو چار مرتبہ ایک جگہ جمع ہوجایا کریں گے تو پھر کوئی قوّت اسلام کا مقابلہ اِس ملک میں نہیں کرسکتی۔'' حضرت مصلح موعودؓ نے اٹھارہ سال کی عمر سے نعتِ رسول کریم ﷺ کہنی شروع کی۔ 19 سال کی عمر میں کہی جانے والی ایک پُرکیف نعت میں عرض کیا:

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کُوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اُس نے روشن کردیا ہے۔
اندھیرے گھر کا میرے وہ دیا ہے
مرا ہر ذرّہ ہو قربانِ احمد
میرے دل کا یہی اِک مدّعا ہے
اسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اِک مزا ہے
مجھے اس بات پر ہے فخر محمودؔ
مرا معشوق محبوبِ خدا ہے



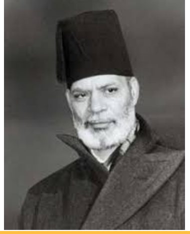


غزل

عبدالصمد قریشی

مکرم ومحترم مولانا سلطان محمود انورؔ صاحب کی وفات پر ''ھدیۂ عقیدت''

سراپا عشق تھا چاہت کی بات کرتا تھا
جہاں میں پیار کی عظمت کی بات کرتا تھا
وہ سچ کے ابدی حوالوں کا ترجمان بن کر
وہ دین کی صداقت کی بات کرتا تھا
وہ ایک شخص بھی تھا ایک انجمن بھی تھا
جو گفتگو میں مروت کی بات کرتا تھا
وہ بولتا تھا تو ساری فضا مہکتی تھی
زباں سے ایسی محبت کی بات کرتا تھا
جلا کے سب خیالوں میں آگہی کے چراغ
پھر ان چراغوں کی سطوت کی بات کرتا تھا
عجب خمار چھلکتا تھا اس کی آنکھوں سے
وہ جب بھی شانِ خلافت کی بات کرتا تھا
وہ اپنی ذات میں صدق و صفا کا پیکر تھا
جو صدق دل سے اطاعت کی بات کرتا تھا
وفا کی راہوں پہ چل کر امر ہوا ہے



نئی دُنیا
(از آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں)

ماہنامہ ''ادیب'' دہلی کا آغاز مئی 1941ء میں ہوا۔ اس کے ایڈیٹرز سید محمد ارتضیٰ واحدی اور فصیح الدین احمد ایم اے تھے۔ مؤخر الذکر اس رسالے کی پالیسی کے متعلق لکھتے ہیں: ''ادیب کبھی ایسے مضامین تو شائع نہیں کرے گا جن میں کسی جماعت سے نفرت دلانی یا کسی جماعت کی حمایت کرنی مقصود ہو البتہ ادیب سے ایسے مضامین ضرور شائع ہوں گے جن میں ادبی بحث چھڑ جانے کے امکانات ہوں۔'' (ادیب، دہلی۔ جولائی 1941ء صفحہ 2)

حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ 'لا ممبر گورنمنٹ آف انڈیا' نے ''نئی دنیا'' کے سلسلے میں 26 مئی 1941 کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے تقریر کی جسے 'ادیب' کے شمارہ جولائی 1941ء میں صفحہ 37 تا 39 پر ایک مضمون کی صورت شائع کیا گیا۔ ادیب، ستمبر 1941ء میں حضرت چودھری صاحبؓ کی تصویر بھی شائع ہوئی جو اغلباً نشرگاہ یعنی آل انڈیا ریڈیو پر تقریر کے موقع کی ہے۔ حضرت چودھری صاحبؓ کا مضمون افادۂ عام کے لیے ذیل میں دیا جاتا ہے۔ (ناقل)

نئی دُنیا

''اس وقت مشرق و مغرب میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ موجودہ جنگ کے بعد ایک نئی دنیا کی بنیا د ڈالی جائے۔ ایک طرف محوری طاقتیں دعویدار ہیں کہ وہ ایک نئے نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ دوسری طرف جمہوریتیں اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ اس جنگ کے بعد وہ ایک نئی دنیا بسانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے۔ کیا موجودہ نظام کسی خارجی طاقت نے دنیا کے سر زبردستی منڈھ دیا تھا کہ اب اس کے بدلنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یا دنیا غفلت و نسیان کی گھڑیوں میں اپنے پہلے اچھے راستے کو بھول کر کسی ایسے راستے پر چل پڑی تھی جو خرابی پیدا کرنے والا تھا اور اب اُسے دوبارہ اپنے اصل مقام کی طرف لوٹ کر آنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔ یا یہ کہ جس مقصد کو اس زمانے کے لوگوں نے اپنے لئے چُنا تھا۔ اُس کی خرابی اب ان پر واضح ہوگئی ہے اور اب وہ ایک نئے مقصد کی تلاش کے

در پے ہو رہے ہیں۔

جہاں تک علمی اور مادّی ترقی کا سوال ہے آج کی دنیا سابق دو تین سو سال کی دنیا سے یقیناً بڑھ کر ترقی یافتہ ہے۔ علم پہلے سے زیادہ ہے۔ صنعت و حرفت کی ترقی پہلے سے زیادہ ہے۔ تجارت پہلے سے زیادہ ہے۔ ایجادات کا باب وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ غرباء کے حقوق کا پہلے سے بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ زمین کے مخفی خزانوں پر پہلے سے کہیں زیادہ انسان کو تصرّف حاصل ہے۔ غرض دولت اور حصولِ دولت اور تقسیمِ دولت تینوں امور میں آج کا انسان آج سے دو سو سال پہلے کے انسان سے بہتر حالت میں ہے۔ پھر تبدیلی کی خواہش دنیا میں کیوں پیدا ہو رہی ہے۔



برسرِ پیکار قوموں ہی کو دیکھ لو۔ کیا آج کا جرمنی علم، آزادی، دولت، اور طاقت میں گذشتہ صدی کے جرمنی سے کم ہے۔ کیا آج کا اٹلی گذشتہ صدی کے اٹلی سے ان باتوں میں پیچھے ہے۔ کیا آج کا جاپان گذشتہ صدی کے جاپان سے ان باتوں میں پس ماندہ ہے۔ یقیناً نہیں۔ ان ممالک کی گذشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ گذشتہ صدی کے جرمنی، اٹلی اور جاپان موجودہ جرمنی، اٹلی اور جاپان کے مقابلہ میں ایسے ہی تھے جیسے کہ ایک سمندر کے مقابل پر تالاب۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ترقی یافتہ ممالک کو کیا بے چینی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے ہمسایہ ممالک سے اُلجھنا چاہتے ہیں۔ ان ممالک کی اندرونی حالت تو بتا رہی ہے کہ اس کی درستی کی خاطر یہ شور و شر نہیں مچایا جا رہا۔ یہ بے کلی یقیناً اپنی گذشتہ حالت پر نظر کرتے ہوئے پیدا نہیں ہو رہی۔ بلکہ بعض ان دوسرے ممالک کو دیکھ کر پیدا ہو رہی ہے۔ جو گذشتہ سو سال میں ترقی کر کے عالمگیر وسعت حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں یہ شکوہ نہیں، جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کے لئے رہنے کو جگہ نہیں۔ بلکہ یہ گلہ ہے کہ اُنہیں دوسری اقوام پر حکومت کرنے یا اُن کے حالات میں تصرف کرنے کے ویسے سامان میسر نہیں، جیسے کہ بعض دوسری اقوام کو حاصل ہیں۔ اگر محض رہنے کی جگہ کا سوال ہوتا تو ایک ہی وقت میں جگہ کی تنگی کی شکایت اور افزائشِ نسل کی تدابیر پر زور نہیں دیا جاتا۔ جن اقوام کے پاس جگہ تنگ ہوتی ہے وہ نسل کو کم کرنے کی تدبیریں نہ کریں تو نہ کریں۔ لیکن وہ نسل کو بڑھانے کے لئے غیر معمولی ذرائع کبھی اختیار نہیں کرتیں، مگر یہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جرمنی اور اٹلی نہایت زور سے اور جاپان ایک حد تک اپنی آبادی کے بڑھانے کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

یہ افزائش نسل کی کوششیں بتاتی ہیں کہ ان ممالک کی اصل تکلیف یہ نہیں کہ اُن کے پاس رہنے کو جگہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بعض دوسری اقوام کی طرح وہ بھی بعض اور اقوام پر حکومت کرنے کی خواہشمند ہیں۔ اوران اقوام کی سیاسیات میں اپنے اثر اور رسوخ کو بڑھانا چاہتی ہیں۔

جن قوموں میں علم، طاقت اور بیداری پیدا ہو چکی ہے اُن کو موجودہ حالات میں اس خواہش سے روکنا ناممکن ہے۔ طاقت کے ساتھ یہ خواہش دبائی تو جاسکتی ہے۔ مٹائی نہیں جاسکتی۔ گذشتہ عالمگیر جنگ کے بعد لوگوں نے خیال کیا تھا کہ شاید جنگ کے امکانات ایک لمبے عرصہ تک کے لئے مٹا دیے گئے ہیں۔ لیکن واقعات نے اس کے اُلٹ ثابت کیا۔ اور جب تک دماغوں میں علوم، دلوں میں خواہشات اور افکار میں جبر و زبردستی کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ اور جب تک ان بیدار طاقتوں کو نظر آ رہا ہے کہ بعض حکومتیں بعض دوسرے ممالک کو اپنے تابع فرمان رکھ کر اقتصادی اور سیاسی فوائد حاصل کر رہی ہیں۔ اس وقت ان سے یہ امید کرنا کہ وہ نچلی بیٹھی رہیں، اور اپنے خوش قسمت ہمسایوں کی تقلید سے باز رہیں ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

پس ایک ایسی دنیا کی تعمیر جو گذشتہ سے مختلف ہو اور جو امن وسکون کی بہاریں دکھائے۔ مادّی تبدیلیوں سے ممکن نہیں۔ اس کے لئے قانون کی نہیں بلکہ دلوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ معاہدات کی درستی سے اس بارے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ کام تو اخلاق کی صفائی کا محتاج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملکوں اور قوموں کے حالات میں خرابی اسی وقت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ حالانکہ جس طرح افراد پر اخلاقی ذمہ داری ہے۔ ویسے ہی قوموں پر بھی ہے۔ جس طرح ایک فرد کے لئے لالچ، حرص، ظلم، جھوٹ نقصان دہ ہیں اسی طرح قوموں ملکوں اور حکومتوں کے لئے بھی یہ اُمور ناپسندیدہ ہیں۔ جس طرح ایک فرد کے لئے اگر وہ اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہے اور سوسائٹی کا مفید رکن بننا چاہے یہ ضروری ہے کہ وہ کمزوروں کی امداد کرے اور ان کے لئے ترقی کے سامان پیدا کرے اور اپنے بھائی کو حقیر نہ سمجھے اسی طرح قوموں اور ملکوں اور حکومتوں کے لئے بھی ان امور کی ویسی ہی ضرورت ہے، اور جب تک دنیا کی اقوام اور حکومتیں اس اصل کو مدنظر نہ رکھیں گی کبھی دنیا میں امن قائم نہ ہوگا، اور نئی دنیا جس کے بنانے کی خواہش دلوں میں پیدا ہو رہی ہے کبھی وجود میں نہ آئے گی۔ اس جنگ کو دیکھ لو جو اس وقت لڑی جارہی ہے اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ بعض ملک اپنی ذاتی ترقی پر قانع نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے

ملکوں اور اپنی سرحدوں سے پار اور دُور جا کر دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں پر حکومت کریں اور ان کی دولت اور مال سے فائدہ اُٹھائیں۔ اس خواہش کو سوائے دلوں کی اصلاح اور اخلاق کی درستی کے کون سی چیز دبا سکتی ہے۔ طاقت سے اگر یہ خواہش دبا دی جائے تو پھر کچھ سال کے بعد دوبارہ کسی اور شکل میں اور شاید کسی اور قوم میں یہی خواہش پھر ظاہر ہو جائے گی۔ لیکن اگر دنیا یہ فیصلہ کر لے کہ سب کی سب اقوام انسانی افراد کی طرح اپنے آپ کو اصول اخلاق کے تابع سمجھیں گی اور ان پر اس طرح کاربند ہوں گی جس طرح کہ انسانی افراد کی نسبت اُمید کی جاتی ہے کہ وہ کاربند ہوں تو یقیناً ملک گیری کی ہوس نہ صرف ایک قوم کے دل سے بلکہ سب قوموں کے دل سے اور نہ صرف ایک وقت کے لئے بلکہ ایک لمبے عرصہ تک کے لئے نکل جائے گی۔

وہ مقدس کتاب جس کے پیرو ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے اس بارے میں نہایت لطیف تعلیم دیتی ہے۔ وہ فرماتی ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ‌ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى (طٰہٰ:132)

یعنی چاہیے کہ کوئی قوم اس دولت اور طاقت اور سامانوں کی فراوانی کی طرف جو دوسری بعض اقوام کو حاصل ہوں۔ آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر نہ دیکھے۔ یہ تو سب کچھ ورلی زندگی کی زیبائش کی اشیاء ہیں۔ اور اُن کی پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ اُن کے ذریعے سے اقوام کی اندرونی قابلیتوں کو ظاہر کیا جائے۔ اور خدائے تعالیٰ نے جس ملک کی ترقی کے لئے جس رنگ میں سامان پیدا کئے ہیں، وہی ان کے لئے اچھے اور دیرپا ہیں۔ یعنی ہر قوم اور ہر ملک کے لئے الگ الگ سامان ذاتی قابلیتوں کے اظہار کے لئے موجود ہیں، تو پھر قوموں کو ایک دوسرے پر تصرف پیدا کر کے ان کے معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح وہی مقدس کتاب فرماتی ہے:

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ‌ ؕ (النّحل:93)

یعنی اس عورت کی طرح مت بنو جو سُوت کات کات کر ڈھیر کرتی رہی، اور جب ایک اچھی مقدار سُوت کی جمع ہو گئی تو بجائے اس سے کپڑا بنانے کے اس نے اس سُوت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور سُوت کے فائدے سے بھی گئی، اور روزی کا نفع بھی اُسے حاصل نہ ہوا۔ گویا اُس کی کوشش اور محنت اور مال سب ہی اکارت گئے۔ یہ مقدّس کتاب فرماتی ہے کہ یہ مثال اُن قوموں اور ملکوں کی ہے جو آپس میں معاہدات کرتے ہیں۔ اور بظاہر دنیا میں امن

قائم کرتے ہیں۔لیکن بعد میں ان معاہدات اور جدید تعلقات کے ذریعے سے اپنی معاہد قوم سے نا جائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔اور اُس کے اندرونی نظام میں رسوخ اور نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔جس سے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور گو ایک قوم طاقتور اور دوسری کمزور ہوجاتی ہے۔مگر وہ اتحاد جو معاہدات کی اصل غرض ہے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کے پیدا ہونے کا امکان بھی مٹ جاتا ہے۔جس طرح تاگے کو اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ دیا جائے تو اس سے گرہ باندھنے کا کام ناممکن ہوجاتا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں امن قائم رہے تو اس قسم کے معاہدات بالکل نہ کرو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارے معاہدات کی غرض اقوام کے رشتہ کو مضبوط کرنا ہو، اور کمزور قوموں کو اُبھارنا ہو، ان کو اور کمزور کرنا اور اُن سے فائدہ اُٹھانا مدّنظر نہ ہو۔

یہ دونوں ایسے زرّیں اصول ہیں کہ ان کو مدّنظر رکھتے ہوئے دنیا فسادات سے بالکل محفوظ ہوجاتی ہے۔اور ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھی جاتی ہے کہ جو موجودہ دنیا سے بالکل نئی، فتنوں سے پاک اور امن اور صلح کے سامانوں سے پُر ہو۔

غرض ایک نئی دنیا صرف سیاسیات اور موجودہ حالات کی معمولی درستی سے کسی صورت میں پیدا نہیں کی جاسکتی۔ ایسی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔اور فساد اگر آج مٹایا جائے گا تو کل پھر پیدا ہوگا۔

اس نئی دنیا کی بنیاد صرف اور صرف اخلاق فاضلہ پر ہی رکھی جاسکتی ہے۔اور اُس وقت رکھی جاسکتی ہے جب کہ بنی نوع انسان یہ فیصلہ کرلیں کہ اقوام اور حکومتیں بھی اخلاق کی حکومت کے تابع رہیں گی۔ اور مختلف ناموں اور مختلف بہانوں سے غیر قوموں اور غیر ملکوں کو کمزور کرکے اپنی قوت بڑھانے کی کوششوں کو کلیّ طور پر ترک کردیں گی۔ جب تمام بنی نوع انسان اس مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیں گے اور جن سے یہ غلطی ہوچکی ہے وہ اس کی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے تب یقیناً ایک ایسا نظام دنیا میں قائم ہوگا جو پائیدار بھی ہوگا اور پُرامن بھی اور جس میں چھوٹی چھوٹی اور بڑی قومیں اور کمزور اور زبردست قومیں یکساں امن سے بسر کرسکیں گی۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ حرص اور لالچ جو اس وقت دنیا کے امن کو برباد کررہے ہیں ان کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب تدابیر کی جائیں۔ان تدابیر کو اختیار کرکے ہی دلوں کے اندر وہ صفائی پیدا کی جاسکتی ہے جس کا پیدا ہونا نئی دنیا کے ظہور کے لئے ضروری ہے۔یہ تدابیر مندرجہ ذیل ہیں۔

اوّل۔ چاہیے کہ سُود کو دنیا سے بالکل مٹادیا جائے، کیونکہ ایک تو سُود کے کاروبار نے مال جمع کرنے اور

بڑھانے کی حرص کو حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرص بڑھ جائے تو پھر اُس کو حد میں رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور ایسی بڑھتی ہوئی حرص ہی قوموں پر قوموں کی چڑھائیوں اور ظلمتوں کا موجب ہوتی ہے۔ پھر سُود کے ذریعے سے دنیا کی دولت چند ہوشیار لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، اور ایک تو خود اُن کے ملک کا بہت سا حصّہ غربت اور افلاس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے جب اُن کے اپنے ملک میں ترقی کے ذرائع محدود ہو جاتے ہیں، تو پھر سُود خور لوگ اپنی اپنی حکومتوں پر تصرّف حاصل کر کے غیر قوموں کو لوٹنے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اس طرح فساد اور جنگ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

میرے نزدیک دنیا کے تاریک ترین دنوں میں سے ایک وہ دن بھی تھا، جبکہ مختلف اقوام نے یہ قرار دیا کہ سود دو قسم کا ہوتا ہے۔



ایک وہ جو غریبوں سے لیا جاتا ہے۔ یہ تو ناجائز ہے، اور دوسرا وہ جو تجارتی کاروبار کے لئے ہو۔ یہ البتہ جائز ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ دونوں قسم کے سُود ناجائز ہیں اور لعنت ہیں۔ جو سُود غریبوں سے لیا جاتا ہے، وہ افراد کے لئے لعنت ہے۔ اور جو تجارتی کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، وہ قوموں اور حکومتوں کے لئے لعنت ہے۔ اس سُود کی وجہ ہی سے موجودہ زمانے کی اکثر جنگیں لڑی گئی ہیں۔ اور یہی سود جنگ کو مالداروں کا مشغلہ بنائے رکھتا ہے۔ اسلام نے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ان دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کر کے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ سُود بھی حرام ہے جو غریبوں سے لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو تاجروں، کارخانہ داروں اور دیگر بڑے لوگوں کو روپیہ دے کر لیا جاتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے صاف فرما دیا تھا کہ ایسے سُود کا نتیجہ جنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے کے حالات نے اس سچائی کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام تجارتی کاروبار سے نہیں روکتا، بلکہ تجارتی کاروبار اور شراکتوں کے لئے ایسے اصول اسلام نے وضع کر دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے افراد اور قومیں سود کی مضرتوں سے محفوظ رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ انفرادی اور قومی فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔

دوسرے۔ چاہیے کہ روپیہ جمع کرنے کے امکانات کو کم کیا جائے۔ کیونکہ ان سے بھی حرص بڑھتی ہے۔ اور چند افراد کو قوموں اور ملکوں پر بغیر ذاتی قابلیت کے حکومت کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ جس شخص کے پاس روپیہ کی صورت میں دولت ہو۔ اس کے رأس المال پر نہ کہ اس کے نفع پر حکومت ایک ٹیکس لگا دے اس

طرح ایک طرف تو لوگ روپیہ جمع کرنے کی عادت کو چھوڑنے پر مجبور ہوں گے۔ اور روپیہ بیکار پڑا رہ کر ملک کی مالی حالت کی خرابی کا اور چند افراد کی ناجائز طاقت کا موجب نہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اس ٹیکس کی آمد قوم کے کمزور حصّہ کو ترقی دینے میں صَرف ہو کر تمام قوم کی ترقی اور مضبوطی کا باعث ہوگی۔

تیسرے۔ یہ قانون جو بعض ممالک میں رائج ہے کہ ورثہ صرف بڑے لڑکے کو ملتا ہے۔ اس سے بھی مصنوعی ذرائع سے بعض افراد کو طاقتور بنا دیا جاتا ہے۔ اور ایک طرف تو چھوٹے تفرّق کا خیال بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف چند افراد کو نسلاً بعد نسلٍ ایسی قوّت دے دی جاتی ہے جو اُن کو دوسرے بنی نوع انسان پر ناجائز حکومت کرنے کا موقعہ دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے تمام قانون جو وراثت کو محدود کرتے ہیں بالکل منسوخ ہونے چاہئیں تا کہ مال اور طاقت بعض خاص افراد کا حق بن کر نہ رہ جائیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی شخص مال اور دولت میں ترقی کرے، تو اس کی دولت اور اس کا مال اس کے بعد لازماً اس کی تمام اولاد اور دیگر ورثا میں تقسیم ہو کر اس خاندان کو دوبارہ اپنے سے چھوٹے خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کرے۔ یہاں تک کہ ایک دو نسلوں میں وہ باقی لوگوں کی طرح ہو جائیں۔ اور ان میں سے وہی لوگ ترقی کریں جو ذاتی قابلیت رکھتے ہوں۔ اور اُن کی ترقی ان کے ملک اور باقی دنیا کے لئے مفید ہو۔

چوتھے۔ تمام بنی نوع انسان کو برابر قرار دیا جائے اور کسی نسل اور قوم کو دوسری نسلوں اور قوموں سے برتر تسلیم نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں بھی ایک قوم کو دوسری قوم پر اور ایک نسل کو دوسری نسل پر حکومت کرنے یا حاصل شدہ حکومت کو قائم رکھنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

پانچویں۔ سب حکومتوں کا فرض قرار دیا جائے کہ وہ تمام افراد ملک کے کھانے، کپڑے، مکان اور تعلیم کی ذمہ وار ہوں تا کہ وہ ہزاروں قابل روحیں جو پہاڑ کی وادیوں میں پیدا ہونے والے پھولوں کی طرح بغیر اپنی قابلیت کا جوہر دکھائے دنیا سے گزر جاتی ہیں انہیں اپنی قابلیتوں کے جوہر دکھانے کے مواقع حاصل ہوں، اور دنیا فطرت کے ان قیمتی خزانوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اور حکومت، طاقت اور اختیارات صرف چند خاندانوں یا افراد کا حق نہ بنے رہیں۔

چھٹے۔ نقد روپے کے عوض تجارت کے طریق کو جہاں تک ہو سکے محدود کیا جائے۔ اور تبادلہ اشیاء کے طریق کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا جائے۔ تا کہ مالدار اقوام غریب ملکوں کی دولت کو سستے داموں نہ لوٹ سکیں۔

اگر اِن چھ اصولوں پر عمل کیا جائے تو اس سے انسانی

ذہن میں ایسی تبدیلی پیدا ہونی ممکن ہے جو اسے لالچ اور حرص سے آزاد کردے۔ اور اقوام آپس میں محبّت اور پیار سے رہ سکیں۔

لیکن چونکہ باوجود پوری احتیاط کے پھر بھی بعض دفعہ خرابی کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس نئی دنیا کو دوام اور ثبات عطا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ سب حکومتیں اور قومیں اس نفسانفسی کی پالیسی کو جو اَب رائج ہے ترک کردیں۔ اور سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ بعید ترین اور کمزور ترین ملک پر بھی اگر کوئی اور ملک حملہ کرے گا تو وہ اوّل تو بیچ بچاؤ کر کے صلح کرانے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی ساری فوجی طاقت کے ساتھ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں گی۔ جب تک تمام یا اکثر حکومتیں اس ذمہ واری کو قبول نہ کریں گی ظلم دُور نہ ہوگا۔ اگر منچوریا اور ایبے سینیا کی جنگوں کے موقعہ پر دنیا کی حکومتیں اپنی ذمہ داری کو سمجھتیں اور ادا کرتیں تو آج کی جنگ کبھی نہ ہوتی۔ اور جو نقصان دنیا کو آج ہو رہا ہے اس وقت اس سے ہزاروں حصّے کم نقصان اُٹھا کر امن ایک لمبے عرصہ کے لئے قائم کردیا جاتا۔

بغیر ان تدابیر پر عمل کرنے کے ایک نئی دنیا کے بنانے کا خیال محض ایک وہم ہے جو کسی صورت میں پورا نہیں ہوسکتا۔ مگر اصل اور یقینی ذریعہ جس سے ایک نئی دنیا پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور جس میں یہ سب تدابیر اور ان کی تمام تفاصیل شامل ہیں یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان اُس خدائے قدیر و حکیم کی طرف جھکیں جو دنیا کا پیدا کرنے والا ہے، اور جو انسان کی پیدائش کی غرض کو خوب جانتا ہے، اور اس سے عرض کریں کہ اے رحمتوں اور فضلوں والے خدا تو نے ہم کو ہر قسم کے آرام اور راحت کے سامان بخشے تھے مگر ہم نے اُن سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور اُن ہی سامانوں کو اپنے لئے زحمت اور عذاب کا سبب بنالیا۔ اب تو ہم کو رحمت کی نظر سے دیکھ۔ ہم اپنے ہاتھوں کے کئے سے بیزار ہو کر تیری طرف اور صرف تیری طرف جھکتے ہیں۔ اور تیری خالص توحید کا اقرار کرتے ہوئے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہم پر اپنا فضل اور رحم فرما۔ اور اس دنیا کو ہمارے لئے آرام اور سکون کی جگہ بنادے۔ اور وہ نیا نظام قائم کردے جس سے ہمارے یہ دُکھ دُور ہو جائیں۔ اور اگر اس نظام کے قیام کا سامان تُو نے پیدا کردیا ہے تو ہماری توجہ اس طرف پھرا دے۔ اور ہمیں اس کے قبول کرنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق بخش۔ آمین''

(منشور از نشرگاہ دہلی)





حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا تعلیمی منصوبہ اور نوبیل انعام یافتہ احمدی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

میرے وطن! مجھے تیرے افق سے شکوہ ہے
کہ اس پہ ثبت ہے عبدالسلام نام کا چاند
اسے ڈبو کے کوئی اچھال کام کا چاند
تو یہ کرے تو کبھی تجھ پہ پھر زوال نہ ہو
ہر ایک شہری ہو آسودہ ہر کوئی ہو نہال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو۔
(کلام طاہر)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول ہے" نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں" پاکستان اور تیسری دنیا کا پہلا مسلمان سائنسدان ہونے کی وجہ سے جو عزت اور احترام ڈاکٹر عبد السلام کو دنیا بھر میں مل رہا ہے اور مسلسل ملتا چلا جا رہا ہے اس کی کوئی مثال نہیں اور احمدی ہونے کی وجہ سے جتنا تعصب ان کے ساتھ اپنے ہی وطن میں بڑھتا جا رہا ہے اس کی بھی کوئی حد نہیں حالانکہ آپ جیسے عظیم سائنس دان عقائد، ملک، اور قومیت سے بالاتر ہونے چاہئیں۔

ان کی وفات کے جلد ہی بعد ان کے قائم کردہ انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس ٹریسٹے اٹلی (آئی سی ٹی پی) کا نام ان سے منسوب کر دیا گیا

The Abdus Salam International Center for Theoretical Physics

ڈاکٹر عبدالسلام کی برطانیہ کی رہائش قومی ورثہ



حال ہی میں برطانیہ میں ڈاکٹر عبد السلام کی رہائش گاہ کو قومی ورثہ قرار دے دیا گیا ہے برطانوی حکومت نے نیلی تختی (BLUE PLAQUE) اس پر آویزاں کر دی ہے جو سائنس دانوں کے لئے مخصوص ہے

ABDUS S A L A M

(1926 _ 1996)

PHYSICIST _ NOBEL LAUREATE AND

CHAMPION OF SCIENCE IN

DEVELOPING COUNTRIES LIVED HERE

پاکستان میں قائدِ اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے فزکس

ڈیپارٹمنٹ جو آپ کے نام سے نواز شریف حکومت میں منسوب کیا گیا تھا اسی کے داماد کی قومی اسمبلی میں زہریلی تقریر کے نتیجے میں بدلا گیا ان کے ایک portrait پر سیاہی مل کر بعض جاہل اور بدتہذیب نوجوانوں نے دراصل اپنے اور اپنے وطن کے چہرے کو سیاہ کیا

ڈاکٹر سلام کی وطن پرستی

ڈاکٹر سلام تو اتنا وطن پرست تھا کہ برطانیہ اور اٹلی اور کئی ملکوں کی پیشکش کے باوجود ہمیشہ پاکستانی نیشنل ہی رہا اور مر کر اپنے وطن میں اپنے ماں باپ کے قدموں میں دفن ہونا پسند کیا۔نوبیل انعام کی تقریب میں اپنے وطن پاکستان کی محبت میں پاکستان کا روائتی لباس شلوار قمیض شیروانی اور پگڑی پہن کر گیا

Salam was the first Muslim to win a Nobel Science Prize..He was committed to his roots and bettering the plight of his people that he wore a turban in Stockholm to receive the prize from King of Sweden.(Zakir Thaver)

ڈاکٹر عبد السلام احمدیت کی صداقت کا غیر معمولی نشان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر 1906ء میں اعلان فرمایا تھا

"...میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے....."

(تجلیات الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 409،410)

یہ عظیم الشان پیشگوئی ڈاکٹر عبد السلام صاحب پر پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی اور انہیں فزکس میں نوبیل انعام ملا

میکسول فیراڈے نے الیکٹرک اور میگنیٹک قوتوں کو یکجا کیا تھا آئن سٹائن نے الیکٹرومیگنیٹک فورس کو گریویٹیشنل فورس کے ساتھ یکجا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا ڈاکٹر عبد السلام اور وینز برگ نے الیکٹرومیگنیٹک فورس کو نیوکلیر ویک فورس کے ساتھ یکجا کرنے میں کامیاب ہو کر 1979ء میں دنیا کا فزکس کا سب سے بڑا انعام یعنی نوبیل پرائیز جیت لیا۔

صد سالہ جوبلی منصوبہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا تعلیمی منصوبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1973ء کے جلسہ سالانہ پر ایک بہت بڑا منصوبہ جاری کیا جو احمدیت کی دوسری صدی 22 مارچ 1989ء تا 23 مارچ 2089ء

(جسے آپ نے غلبہ اسلام کی صدی قرار دیا) کے استقبال اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن میں عالمی سطح پر وسعت پیدا کرنے کے لئے جاری کیا گیا تھا۔

اس عظیم منصوبہ کی ذیل میں آپ نے تعلیمی منصوبہ بھی جاری فرمایا۔ آپ نے 1979ء کے جلسہ سالانہ پر فرمایا" میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگلے دس سال میں جس صدی کو میں غلبہ اسلام کی صدی کہتا ہوں ہمیں ایک ہزار سائنسدان اور محقق چاہئیں اور یہ جو اس سے پہلے دس سال ہیں اس میں ایک سو سائنس دان چاہئیں ..''

پیشگوئی کا پہلا مظہر

(حضرت مسیح موعود کی مندرجہ بالا پیشگوئی کے حوالے سے) فرمایا

" آج تک یہ ایک پیشگوئی تھی جس کا ایک بھی مظہر ہمارے سامنے نہیں تھا یعنی کچھ اس طرح وہ ابھرا ہوا اور آسمانوں تک پہنچا ہوا اپنی علمی تحقیق میں کہ واقع میں اس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ علم اور معرفت میں اس نے کمال حاصل کیا اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیا۔ (اپنے حلقہ تحقیق میں) آئن سٹائن بہت بڑا سائنس دان گزرا ہے انہوں نے بھی کام کیا اور نا کام ہوئے اور ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے کام کیا اور وہ کامیاب ہوئے اور ان کو نوبیل پرائیز ملا اور دنیا کے چوٹی کے سائنس دانوں میں پہنچ گئے۔''

(خطابات ناصر جلد دوم صفحہ 400)

1978ء کی عالمی کسر صلیب کانفرنس لندن پر ڈاکٹر سلام کی خلیفۃ المسیح الثالث سے ملاقات دراصل ڈاکٹر عبدلسلام صاحب نے نوبیل انعام خلافت کی برکت اور دعاؤں سے حاصل کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جب 1978ء میں کسر صلیب کانفرس کے لئے لندن تشریف لے گئے جو صد سالہ احمدیہ جوبلی منصوبہ کے تحت 2، 3، 4 جون کو منعقد ہوئی تھی تو ان دنوں ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت صاحب کو ملے اور عرض کیا کہ انہیں ابھی تک فزکس میں ریسرچ پر کئی انعام مل چکے ہیں لیکن دنیا کا سب سے بڑا انعام یعنی نوبیل پرائیز نہیں ملا دعا کریں وہ بھی مل جائے

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے خود نومبر 1980ء کے آخری ہفتے میں بیت الفضل گیسٹ ہاؤس اسلام آباد پاکستان میں بعد نماز مغرب وعشاء مجلس عرفان میں بتایا کہ میں نے انہیں کہا۔ اس سال تو نہیں اگلے سال 1979ء میں انہیں نوبیل انعام مل جائے گا۔ یہ روایت احمدی بچوں کے لئے میری لکھی ہوئی شارٹ سٹوری بک " پہلا احمدی مسلمان سائنس دان .." مطبوعہ 1983ء میں چھپ چکی ہے۔

شارٹ سٹوری بک پہلا احمدی مسلمان سائنس دان عبدالسلام ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو 10 جون 1979ء کو فزکس میں نوبیل انعام ملا تھا جس کے جلد ہی بعد ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پر احمدی بچوں کو motivate کرنے کے لئے یہ کتاب اس عاجز سے لکھوائی گئی

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد پر صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ محترم محمود احمد صاحب شاہد (المعروف بنگالی صاحب) نے اس کی تصنیف کا کام اس عاجز کو تفویض کیا تھا اور اس کے لئے نائب صدر اور مہتمم اشاعت صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نے coordinate کیا تھا

الفضل 3 نومبر 1983ء میں کتاب پر مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا۔تبصرہ کتب

پہلا احمدی مسلمان سائنس دان عبدالسلام

نام کتاب:۔پہلا احمدی مسلمان سائنسدان عبدالسلام

مصنف:۔مکرم محمود مجیب اصغر صاحب

ناشر:۔مکرم شمیم پرویز صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ جھنگ پرنٹر:۔لاہور آرٹ پریس 15 نیو انارکلی لاہور

صفحات:۔71 صفحات قیمت:۔تین روپے

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے اطفال الاحمدیہ میں مسابقت فی الخیرات کی روح اجاگر کرنے کے لئے کچھ

حمد



عاصی صحرائی

دم دم کروں میں حمدیں تیری، تُو نے دیے ہیں لب
کیسے شکر ادا ہو تیرا مخلوقات کے رب

خاک بھی تیری، بیج بھی تیرے، سارے پھل بھی تیرے
بِن تیرے اِن سب کھیتوں کا، کون ہے اور سبب !

سانس بھی حمد ہے کرتی تیری، خون میں حمد رواں
جسم کا میرے روم روم بھی بھولا تجھ کو کب !

آنکھوں میں ہے نیند بھی تیری، تیرے حکم سے جاگوں
اُجلی اُجلی صُبحیں تیری، تیری ہی ہر شب

خطا سے اپنی ہو جاتا ہے جب بندہ مغموم
دل میں اُس کے میرے مولیٰ تُو ہی بھرے طَرَب

اِنسانوں کی سنے دعائیں ہر سنّت ہے اعلیٰ
اِذن سے تیرے انسانوں کے بدلے دیکھے ڈَھب

شکر ہے تیرا نام عاصیؔ کا رکھا تُو نے اونچا
تیرے رحم کرم سے اللہ میرا نام و نَسَب



عرصہ قبل کتابوں کی اشاعت کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا زیرنظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے مصنف نے بچوں کے ذہن اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک کہانی کے انداز میں تحریر کیا ہے اور زبان انتہائی سادہ ورعام فہم استعمال کی گئی ہے اس کتاب میں مکرم ڈاکٹر عبدالسلام کے خاندانی حالات و واقعات اور علمی میدان میں ان کی ترقیات کو پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ پیارے اور عزیز وطن پاکستان، اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کے مما لک کے لئے ڈاکٹر صاحب کے شاندار سائنسی کارناموں

اور خدمات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے نیز ڈاکٹر عبدالسلام کو ملنے والے بین الاقوامی اعزازات کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

لکھائی چھپائی معیاری ہے کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے ٹائیٹل رنگین دیدہ زیب اور ڈاکٹر عبدالسلام کی تصویر سے مزین ہے (ق دک)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے 1983ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر دوسرے دن کے خطاب میں خدام الاحمدیہ کی مطبوعات کے ذکر میں اس کتاب کا نام بھی لیا تھا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطبہ جمعہ فرمودہ 25 اپریل 2014ء (مطبوعہ الفضل 10 جون 2014ء سارا محترم محمود احمد صاحب شاہد (بنگالی صاحب) کے بارے میں تھا اس عاجز نے بنگالی صاحب کی وفات پر جو نوٹ بھیجا تھا حضور نے خطبہ میں اس کا بھی ذکر فرمایا

”.....خدام الاحمدیہ کے دور میں انہوں نے ان سے کافی کتابیں لکھوائیں۔“

(الفضل 10 جون 2014ء صفحہ 3)

لیڈی احمدی سائنس دان ڈاکٹر منصورہ شمیم صاحبہ کیسے سائنس دان بنیں

How I became a Scientist

A Pakistani Physcist who worked on the discovery of Higgs Boson....

Speech delivered in Bensheim Germany by Dr Mansoora Shamim, a scientist at CERN....... ... How and when did I come to know about Prof Salam? I remember being a child in early eighties, when my father brought me a short story book in urdu, written by Mahmood Mujeeb Asghar. The title of the book was "pehla Ahmadi Musalman The first Ahmadi Muslim)"Siencedan Scientist) I read this book, but don't

remember now if I understood anything about his work at that time. But I still remember and feel inside me is the inspiration of word "First Scientist". That must have stuck into my mind. It lead me, consciously or unconsciously to ....pursue a career in Physics

اتفاق سے ان کے والد شمیم احمد سنوری صاحب سے میرا تعارف لالہ موسیٰ میں واپڈا کے ایک آفس میں 1974ء میں ہوا تھا دوبارہ ملاقات 1999ء یا 2000ء میں لاہور میں ہوئی انہوں نے بتایا کہ وہ واپڈا سے ریٹائر ہو کر ٹاؤن شپ لاہور میں شفٹ ہو گئے ہیں اور ان کی بیٹی کو ڈاکٹر عبدلسلام صاحب کی یونیورسٹی (یعنی ICTP اٹلی) میں داخلہ مل گیا ہے

چند سال بعد ان کی بیٹی ڈاکٹر منصورہ شمیم صاحبہ کے اخباروں میں انٹرویو پڑھ کر ان کے بارے میں معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ وہ ایک نامور سائنسدان بن گئی ہیں اور سرن (CERN) جنیوا (سویٹزرلینڈ) میں ہگز پارٹیکل کے multi billion تجربے کی ٹیم میں شامل ہیں یہ یقینا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خواہش اور دعا کا نتیجہ ہے جس کا اظہار آپ نے جلسہ سالانہ 1979ء پر کیا تھا۔ یقینا اور بھی کئی نئے سائنسدان جماعت میں پیدا ہو چکے ہیں جو ہنوز lime light میں ابھی نہیں آئے

پہلے احمدی عظیم سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی خوشگوار ذاتی یادیں

اب میں اس مضمون کو پہلے عظیم احمدی سائنس دان (ڈاکٹر عبدالسلام صاحب) کی کچھ خوشگوار ذاتی یادوں پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔

1) احمدیہ کالجیئٹ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن لاہور سے خطاب

جن دنوں میں انجینئر نگ یونیورسٹی لاہور میں پڑھتا تھا ایک جمعہ پر خطبہ ثانیہ کے دوران دارلذکر گڑھی شاہو لاہور میں اعلان ہوا کہ نماز کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام صاحب احمدیہ انٹر کالجیئٹ ایسوسی ایشن سے خطاب فرمائیں گے۔ اپنے اس مختصر خطاب میں ڈاکٹر عبدلسلام صاحب نے بتایا امپیریل کالج لندن جہاں میں پڑھاتا ہوں وہاں کچھ پاکستانی اور ایشین طالبعلم بھی ہیں انگریز طالب علم پوری تیاری کے ساتھ فائلیں اور نوٹ بکس اور کلرڈ پنسلین اور فٹ رول اور سلائیڈ رول وغیرہ لے کر بر وقت کلاس روم میں اتے ہیں اور بڑے اہتمام سے لیکچر کے نوٹس لیتے ہیں جب کہ پاکستانی اور ایشین طالب علموں کا عام طور پر یہ حال ہے کہ رول کال کے دوران آتے ہیں بڑی بے اعتنائی

سے پتلون کی پچھلی جیب سے کاغذ نکالتے ہیں اور کچھ لیکچر نوٹ کر کے وہیں پھاڑ کے چلے جاتے ہیں

اپنے ساتھ کام کرنے والے سائنس دانوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں سائنسدانوں کی اکثریت یہودیوں کی ہے جب ان سے میں ان کی کامیابی کا راز پوچھتا ہوں تو وہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی الہامی کتاب تورات پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں آپ نے فرمایا ان کی کتابیں منسوخ اور محرف و متبدل ہو چکی ہیں لیکن ان پر عمل کر کے وہ سائنسدان بن رہے ہیں جب کہ ہمارے پاس کامل کتاب قرآن کریم ہے ہم ان سے کیوں پیچھے رہ گئے ہیں؟ اس لئے کہ ہم قرآن کریم پڑھتے نہیں ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں

2) ڈاکٹر صاحب سے خط و کتابت

نوبیل انعام کے حصول کے بعد میں نے بھی انہیں مبارکبادی کا خط لکھا جس کے جواب میں انہوں نے اپنی بے شمار مصروفیات کے باوجود جواب دیا

Science and Imperial college of

Technology

Abdus Salam FRS

Professor of Theoretical Physics,

Department of Physics, Prince Consort

Road, London SW7 2 BZ

Tel 01_ 588 _ 5111

Telex 261503

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

گرامی قدر جناب مجیب اصغر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کے عنایت نامے سے بہت خوشی ہوئی اس پاک ذات کی حمد اور سپاس بیان کرتا ہوں کہ اس نے اسلام اور احمدیت کی خدمت کا کام لیا ربنا تقبل منا

اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں میرا محبت بھرا سلام پہنچا دیں

خاکسار عبدالسلام 5 نومبر 1979ء

M. Mujib Asghar, Senior Civil

Engineer, Overseas Proj Coord Cell,

H _ 12, St 83, G_6/4, Islamabad,

Pakistan.

3) ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے ملاقات

1983ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اپنے چھوٹے بیٹے سمیت صدر انجمن احمدیہ کے گیسٹ ہاؤس "سرائے محبت" میں ٹھہرے ہوئے تھے ان

کے بھائی انجینئر عبدالسمیع صاحب کے ذریعے میں نے ان سے 27 دسمبر 1983ء کو ملاقات کا شرف حاصل کیا اور اپنی تصنیف کردہ کتاب" پہلا احمدی مسلمان سائنس دان" پیش کی ڈاکٹر صاحب نے سرسری سا جائزہ لے کر چند چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی نشان دہی کی اور کتاب ساتھ لے گئے اٹلی سے انہوں نے اپنے Thesis کے کچھ پیپر اور ایک کتاب بھجوائی

IDEALS AND REALITIES

Selected Essays of Abdus Salam

(Third Edition) Editors: C H Lai

and Azim Kidwai

4) سٹاک ہولم (سویڈن) میں سٹی ہال جہاں ڈاکٹر صاحب نے سویڈن کے بادشاہ سے نوبیل انعام حاصل کیا نوبیل انعام کی تقریب سٹی ہال سٹاک ہولم (سویڈن) میں منعقد ہوتی ہے 2012ء میں مجھے اپنی فیملی کے ساتھ سٹی ہال دیکھنے کا موقع ملا بہت خوبصورت جگہ واقع ہے ارد گرد پانی کی جھیلیں اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں

It is the venue of the Nobel Prize banquet and is one of the Stockholm's major tourist attractions.

5) نوبیل میوزیم سویڈن

مخملہ اور چیزوں کے نوبیل انعام یافتہ افراد کا 100 سال کا ریکارڈ دیکھنے کا موقع ملا۔فزکس کے انعام کے متعلق صفحہ 217 پر لکھا ہے۔شیلڈون لی گلاسگو۔

(پیدائش 5 دسمبر 1932ء بمقام نیو یارک امریکہ)

نیز عبدالسلام۔(پیدائش 29 جنوری 1926ء بمقام جھنگ انڈیا حال پاکستان، وفات 21 نومبر 1996ء آکسفورڈ برطانیہ)

1 نیز سٹیون وین برگ۔(پیدائش 3 مئی 1938ء نیو یارک امریکہ)

جنہیں متحدہ کمزور اور الیکٹرو میگنیٹک قوت کو یکجا کرنے کے کام پر فزکس میں نوبیل انعام دیا گیا۔"

Nobel Museum is a knowledge bank with active research, seminars, lectures, and debates about current issues

6) عبدالسلام عالمی سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس اٹلی ICTP

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ایک عظیم کارنامہ سائنس کے ایک عالمی مرکز کا قیام ہے جسے آپ نے 1964ء میں اٹلی کے شہر ٹریسٹے میں قائم کیا

خدا کے فضل سے 8 جولائی 2018ء کو مجھے فیملی سمیت یہ سنٹر دیکھنے کا سنہری موقع ملا جس کو دیکھنے کی دیرینہ خواہش تھی

ہم گرمیوں میں اپنے چھوٹے بیٹے محمود فاتح احسن کے پاس schengen ویزے پر سویڈن گئے ہوئے تھے رمضان المبارک اور عید الفطر گزار کر ہمارا بیٹا چند schengen ویزے میں شامل ممالک کی سیر کے لئے لے گیا 8 جولائی 2018ء کو ہم ICTP دیکھنے کے لئے گئے اس روز اتوار تھا اور سب کچھ بند تھا اٹیلین care taker کو ہم نے درخواست کی کہ پاکستان سے پاکستانی سائنسدان عبد السلام صاحب کا قائم کردہ عظیم ادارہ دیکھنے کے لئے آئے ہیں. اس لئے جتنا دکھا سکتے ہیں دکھا دیں ان لوگوں کے دلوں میں اس عظیم سائنس دان کی جو عزت اور محبت ہے یہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس نے ہمیں عالمی ادارے کا اندر سے وزٹ کروا دیا اندر ہال میں داخل ہوتے ہی دائیں دیوار پر ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی جوانی کی تصویر لگی ہوئی ہے اس کے علاوہ جو دیکھ سکتے تھے وہ دیکھا اور لیبارٹریز کی مختلف بلڈنگس کے باہر فوٹو گرافی کی۔

دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہو گیا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور خلافت احمدیہ کی دعا اور برکت کا دائمی نشان بنا کر دنیا کو دکھا دیا ہے۔



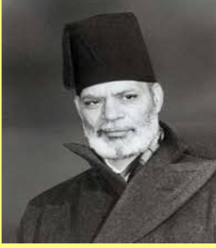


درود بھیجیے ہر روز مصطفیؐ کی طرف

(مبارک احمد ظفر)

وبا دھکیل رہی ہے ہمیں فنا کی طرف
کڑا ہے وقت توجہ کرو دعا کی طرف
خدا سے رحم کو مانگو کہ اب دعا ہے فقط
علیل روحوں کو لے جائے جو شفا کی طرف
خدا سے دُور چلی جا رہی ہے یہ دنیا
کرو منادی بلاؤ اُسے خدا کی طرف
بھٹک رہا ہے اندھیروں میں آج کا انساں
چلو کہ پھر سے نکالیں اُسے جِلا کی طرف
نہیں ہے وقت یہ لاف و گزاف، گانے کا
اب آؤ حمد کی جانب چلو ثنا کی طرف
جو چاہو ہم سے ہو راضی خدا تو پھر یارو
درود بھیجیے ہر روز مصطفیؐ کی طرف
مسیح وقت جو دے چکا ہے پہلے سے
خدارا کان دھرو آؤ اس صدا کی طرف
ظفرؔ، امامِ زمانہ ہے امن کا ضامن
بُلا رہا ہے ہمیں وہ رہِ بقا کی طرف





نوائے وقت لاہور میں چھپنے والی

حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ کی قلمی تصویر

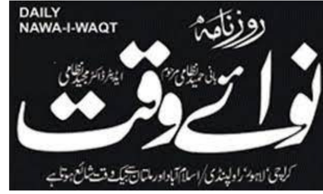
(مرزا غلام صادق ادیب فاضل)

(پاکستان کے مشہور اخبار نوائے وقت لاہور کی اشاعت 24 اگست 1948ء میں مرزا غلام صادق ادیب فاضل کے قلم سے حضرت چوہدری سر ظفراللہ خان صاحبؓ کے متعلق ایک قلمی تصویر شائع ہوئی، جس کو بعینہٖ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔) عنوان دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے چوہدری ظفراللہ خاں کی قلمی تصویر کھینچنے کے لئے قلم تو اُٹھایا ہے لیکن جس قسم کی تصویر کی ضرورت ہے آیا وہ کھینچ سکے گی؟ نوائے وقت کے اس صفحہ پر ایسے ہیروز کی قلمی تصاویر دیکھی جا چکی ہیں جن کی خدمات کی آب وتاب سے دنیا کی نظریں خیرہ ہیں

ظفراللہ کی تصویر ان ابطال کی رنگین اور روشن تصاویر کے مقابل ماند نہیں پڑ جائے گی؟ چوہدری ظفراللہ خاں کے حالات زندگی مختصراً یہ ہیں:

1893ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام چوہدری نصراللہ خاں، دادا کا نام چوہدری سکندر خاں۔ ساہی قوم سے ہیں جو کسی زمانہ میں عام طور پر منٹگمری کے علاقے میں آباد تھی اور جس کی رعایت سے منٹگمری کو ساہی وال بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کی دو شاخیں ابھی تک ہندو ہیں باقی سکھ یا مسلمان ہیں لیکن جس شاخ سے آپ کا تعلق ہے وہ قریب قریب بارہ پشتوں سے مسلمان چلی آ رہی ہے۔ اپنے والدین کی چھٹی اولاد تھے، آپ سے پہلے ان کے پانچ بچے مر چکے تھے اس لیے بچپن میں پرورش بہت لاڈ پیار سے ہوئی۔

1907ء میں انٹرنس کا امتحان دیا اور کامیاب ہو گئے، 1911ء میں بی اے کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بغرض تعلیم ولایت روانہ ہو گئے۔ 1911ء سے 1914ء تک بہ سلسلہ تعلیم لندن میں مقیم رہے۔ پہلی عالمگیر جنگ شروع ہونے کی وجہ سے پیشتر غیر ملکیوں نے لندن کو خیر آباد کہا تو آپ بھی نومبر 1914 میں وطن واپس آ گئے اور اپنے والد کے ساتھ پریکٹس شروع کرنے لگے۔ 1916ء تک یہی سلسلہ جاری رہا، اس سال کے اگست کے مہینے میں Indian Cases کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے اور لاہور میں آ گئے، یہاں ہائی کورٹ میں پیش ہونے کے مواقع بھی ملنے لگے۔


DAILY NAWA-I-WAQT
روزنامہ نوائے وقت

اس کے بعد انہوں نے ترقی شروع کی اور غیر منقسم ہندوستان میں حکومت انگریزی کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے جن میں جج فیڈرل کورٹ اور ہائی کمیشنر آف انڈیا جیسے جلیل القدر عہدے بھی شامل ہیں۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے ان حالاتِ زندگی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ذہین اور خوش قسمت انسان ہیں اور قدرت نے انہیں اچھی تعلیم حاصل کرنے اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا موقع دیا۔ان کی نجی زندگی کے چند واقعات یہ ہیں:۔ جب دس برس کے تھے تو آنکھیں دکھنے آ گئیں اور اس آشوب چشم نے ایسی شدت اختیار کی کہ بعض مرتبہ ہفتوں تک تاریک کمرے میں بند رکھے جاتے، پورے چھ برس تک آنکھوں کی اس بیماری میں مبتلا رہے۔ 1923ء میں ایک مرتبہ لاہور سے دہلی جا رہے تھے کہ راہ



میں کرتار پور اور جالندھر کے درمیان موٹر ایک چھکڑے سے ٹکرا گئی، چوہدری صاحب کو شدید چوٹیں آئیں۔ جالندھر ہسپتال میں داخل رہے دو روز تک وہیں رہے پھر لاہور لاکر یہاں ہسپتال میں داخل کیا گیا اور ڈیڑھ ہفتے تک علاج ہوتا رہا۔ 1938ء میں والدہ بیمار پڑ گئیں تو آپ انہیں دہلی سے شملہ اور شملہ سے دہلی لیے لیے پھرے سفر اور بے آرامی کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تا کہ پیاری ماں تندرست ہو جائے مگر قدرت انہیں دنیا سے اٹھا لینا چاہتی تھی، 15 مئی کو مرحومہ چل بسیں۔ چوہدری صاحب کو اپنی والدہ سے بے پایاں محبت تھی، ان کی موت سے بہت قلق ہوا اور ان کی یادگار کے طور پر ایک کتاب ''میری والدہ'' لکھی۔ یہ ہیں چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی نجی زندگی کی دو ایک جھلکیاں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب دل انسان ہیں اور انہوں نے مصائب کے باوجود ترقی کی ہے۔ اب تک کے حالات میں وہ چیز کہیں نہیں ملتی جس سے ایک انسان قومی ہیرو کی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن یہ حالات اس زمانہ تک ہیں جب ظفر اللہ اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے ذاتی زندگی کے لئے کام لیتے رہے، اس تک دنیا انہیں محض ایک کامیاب وکیل اور کامیاب سرکاری افسر ہی سمجھتی تھی لیکن جونہی آپ نے خدمت ملت کے میدان میں قدم رکھا اور مسلمانوں نے آپ کو نگاہ قبولیت سے دیکھا ظفر اللہ کا نام ایک بطل کی حیثیت سے مطلع شہرت پر پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

چوہدری سر ظفراللہ خاں کی زندگی کے اس دور کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب قائد آعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اور فوراً یہ خدمت انجام دینے کی حامی بھر لی۔ جو افراد کمیشن کے ارکان کی حیثیت سے جج بنا کر بٹھائے گئے تھے وہ بااعتبار اور تجربہ وصلاحیت میں آپ کے مقابلے میں طفلانِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن قائد آعظم کی خواہش تھی کہ ظفراللہ کمیشن کے سامنے ملت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اس لئے آپ نے بلا تامل یہ کام اپنے ذمہ لے لیا اور اسے اسی قابلیت سے انجام دیا کہ قائد آعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔

باؤنڈری کمیشن کے سامنے جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا لیک سکس (Lake Success۔ناقل) میں آپ کی مدلل اور پرزور تقریروں سے بین الاقوامی حلقے گونج اُٹھے تو اس نام کے وزن اور اہمیت میں اور اضافہ ہوا۔ یو این او میں فلسطین کا قضیہ پیش تھا، چوہدری صاحب نے اس میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ایسی مؤثر تقریریں کیں جن سے حالات کا پانسہ پلٹ گیا۔ یہودی نمائندے اس پر روز دے رہے تھے کہ خانماں برباد یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے فلسطین میں یہودی حکومت قائم کر دینی چاہیے۔ یو این او کے کارکن اس ’’دردانگیز فریاد‘‘ سے متاثر تھے لیکن جب چوہدری ظفراللہ خاں اس مسئلے میں تقریر کرنے اُٹھے تو آپ نے صرف چند فقروں میں اس فریاد کی غیر معقولیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔

آیا ہے مہدی

راجا عبدالرحیم لندن



آیا ہے مہدی رب کے اعلان سے
اندھیرہ تھا ہر سو دین کے جہاں پر
ہوئی حق میں ظاہر تائیدِ خدائی
پرکھو مسیح کو حدیث و قرآن پر
لکھا ہے زمانہ حدیثوں میں اس کا
آئے گا مہدی ضعفِ ایماں پر
دی آسماں نے گواہی مسیح کی
لگے چاند سورج گہن آسماں پر
حوادث میں دین تھا یہ کھویا ہوا
جگایا یہ مسیح نے تقویٰ ایماں پر



آپ نے کہا کہ ”کیا دنیا کی حکومتیں محض خانماں برباد انسانوں کی خواہشات کے مطابق اپنے قوانین کونظر انداز کرنے کے لئے تیار ہیں جو انہوں نے انتقال وطن کے بارے میں وضع کر رکھے ہیں،اگر پنجاب کے پچاس لاکھ خانہ بدوش برباد باشندے اچانک امریکہ میں آن بسنے کا فیصلہ کرلیں تو کیا امریکی حکومت انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے گی!؟اگر یہ صورت حال امریکہ میں ممکن نہیں تو فلسطین میں کیوں ممکن سمجھی جارہی ہے!؟“

پاکستانی قائد وفد کی اس زبردست دلیل سے یہودیوں کے مکروفن اور امریکہ کی یہودنوازی کا کریہہ چہرہ بے نقاب ہوگیا۔عرب ممالک میں ظفر اللہ کی اس تقریر سے انہیں ایک زبردست مقرر اور بطل جلیل سمجھا جانے لگا چنانچہ جب آپ یواین او کا اجلاس ختم ہونے پر نیویارک سے عازم کراچی ہوئے اور راہ میں تین دن کے لئے دمشق میں قیام کیا تو حکومت دمشق کی جانب سے آپ کا شاہانہ استقبال کیا گیا،فضائی مستقر پر دمشق کے بڑے بڑے نمائندے اور خاص افسروں کے علاوہ صدر جمہوریہ شام کے خاص نمائندوں نے بھی آپ کے استقبال کے لئے پہنچے اور آپ کو بصد تکریم واعزاز شاہی محل میں لے جایا گیا جہاں آپ نے صدر جمہوریہ سے ملاقات کی۔

دو دن بعد مفتیٔ اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی نے آپ سے ملاقات کی ،مفتی اعظم کی حریت پسندی روایتی شہرت رکھتی ہے۔یواین او میں ظفر اللہ کی تقریروں سے مفتیٔ اعظم جیسا انسان بھی اتنا متاثر ہوا کہ انہوں نے ملاقات کے وقت چوہدری صاحب کو ایک بیش قیمتی تسبیح ، ایک عطر کی شیشی اور ایک نفیس فاؤنٹن پین بطور تحفہ دیا۔اسی روز شامی یونیورسٹی الجامعہ السوریا میں آپ کی تقریر ہوئی۔یہ تقریر جو طوالت کے خوف سے درج نہیں کی جاتی، اس قدر مؤثر تھی کہ حاضرین اور طلبا نے بے اختیار ہو کر



”ظفر اللہ خاں زندہ باد“ کے نعرے بلند کیے اور ہر شخص کہتا تھا ”رجل عبقری“(یہ شخص عدیم النظیر شخصیت کا مالک ہے)۔قائداعظم مردم شناسی اور خدمت نوازی میں دیرینہ شہرت رکھتے تھے،وہی سرمحمد ظفر اللہ خاں جو حکومت برطانیہ کے ایک پرزے کی حیثیت سے مسلم لیگ سے دور دور جارہے تھے،جب انہوں نے ملک اور ملت کی شاندار خدات انجام دیں تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے کے لئے تیار ہوگئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے،قائد اعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔لیکن ابھی

ظفر اللہ کے ہاتھوں وہ زبردست کارنامہ انجام پانا باقی تھا جس سے ان کا نام تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یو این او میں پیش کر دیا۔چوہدری صاحب نیویارک پہنچے ۔ 16 فروری 1948ء کو آپ نے یو این او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تک تقریر کی۔

یوں تو اور بھی بہت سی طویل تقریریں ریکارڈ پر موجود ہیں لیکن ظفر اللہ کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی۔مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تک ایسی پرمغز سیاسی تقریر کرنا کھیل نہیں جس میں ایک لفظ کی چوک سے مقدمہ ہار جانے اور اپنے ملک کی سبکی ہونے کا احتمال ہو اس کو بجا طور پر تلوار کی دھار پر چلنا کہہ سکتے ہیں لیکن چوہدری صاحب نے ایک کا م اس خوبی سے انجام دیا کہ لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔یو این او میں قضیہ کشمیر کی بحث درحقیقت ایک دماغی جنگ تھی پورے چار ماہ تک مباحثہ جاری رہا ،ہندوستانی وفد کے ارکان بھاگے بھاگے پھرتے رہے، نیویارک سے دہلی آکر اپنی حکومت سے مشورہ کرتے پھر نیویارک پہنچتے اور وہاں سے پھر نئی دہلی آتے مگر وہ شکست سے بچ نہ سکے۔ظفر اللہ نے انہیں چاروں شانے چت گرایا بلکہ انہیں کیا اصل میں حکومت ہندوستان کو شکست ہوئی۔

وبائی امراض کا الہامی علاج

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”مجھے الہام ہوا۔ سَلَامٌ عَلَیکُم طِبتُم پھر چونکہ بیماری وبائی کا بھی خیال تھا اس کا علاج خدا تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اس کے ان ناموں کا ورد کیا جاوے یَا حَفِیظُ ۔یَا عَزِیزُ ۔یَا رَفِیق ۔رفیق خدا تعالیٰ کا نیا نام ہے جو کہ اس سے پیشتر اسماء باری تعالیٰ میں کبھی نہیں آیا۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 271)



ظفر اللہ خاں کا وزیر خارجہ مقرر ہونا بھی اس کی روشن دلیل ہے کہ مسلمان قوم احسان فراموش نہیں ہے اور وہ اپنے ابطال کی قدر کرتی ہے لیکن مسلمان قوم کی احسان شناسی کا ثبوت اس عہدے کی تفویض سے کہیں زیادہ یہ ہے کہ وہی چوہدری ظفر اللہ خاں جنہیں قومی اسٹیج پر کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی آج پاکستان کی ان شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں جو اس وقت مقبول ترین ہیں اور جن کا سچے دل سے احترام کیا جاتا ہے۔کشمیر کا (قضیہ) ظفر اللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان (کبھی) نہ بھولیں گے۔

(نوائے وقت لاہور 24اگست 1948ء صفحہ 22,8)





ثمراتِ اطاعت

(محترم سرافتخار احمد ایاز صاحب، لندن)

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ اور 9 برادرز TV چینل کے انٹرویو میں پیش کئے گئے حالات۔

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَخۡشَ اللّٰہَ وَیَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (النور:۵۳)

یہ آپ کی بہت شفقت اور ذرّہ نوازی ہے کہ آپ مجھ سے میری زندگی کے بارہ میں کچھ زیادہ جاننا چاہتے ہیں۔حقیقت میں کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے میری زندگی کے بارہ میں۔لیکن میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جو کچھ میں نے اپنی زندگی میں پایا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل رہا ہے وہ اس آیت میں جو مضمون ہے اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی برکت ہے۔ یہ جو میں نے آیت پڑھی ہے یہ قرآن مجید میں سے ہے سورۃ النور آیت 53۔ اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے تو یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

یعنی دنیا میں بھی، دین میں بھی اور اپنی زندگیوں میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور وہ فلاح و بہبود پاتے ہیں جن کی ان کو خواہش ہوتی ہے۔تو اصل میں قرآن کریم کی اس تعلیم کو مدنظر رکھ کر اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانے میں ہی انسان کی کامیابی ہے اور یہ میں اس بناء پر کہہ رہا ہوں کہ میری زندگی کا جو نچوڑ ہے اور میری زندگی میں جو بھی چھوٹی موٹی کامیابیاں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا نتیجہ ہیں۔

میں تو بہت ہی ناچیز بندہ ہوں۔ کامیاب ہونا کہاں اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔لیکن اس چیز کو ہمیشہ دل میں رکھنا اور مدنظر رکھنا کہ اللہ مجھے توفیق دے کہ میں اس راستے پر چل سکوں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کامیابی کا راستہ بتایا ہے۔تو میری جو ابتداء ہے وہ بہت معمولی سی ہے کوئی خاص نہیں ہے۔ میں جب پیدا ہوا تو میرے والد صاحب راولپنڈی میں آرسنل میں ملازم تھے اور اس زمانہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک جدید

کی تحریک فرمائی تھی۔اور جب یہ تحریک شروع ہوئی تو اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اسلام احمدیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو پیغام ہے اس کو پھیلایا جائے۔اور اس غرض سے بہت سارے مخلص احمدی جو تھے وہ اس تحریک پر لبیک کہتے ہوئے حضور کے قدموں میں آ کر گرے اور حضور پھر وفود بنا کر ان کو قریب قریب کے ہندوستان میں جو علاقے تھے تبلیغ کے سلسلہ میں بھجوایا کرتے تھے۔یہ وہ زمانہ تھا جب جماعت مالی لحاظ سے بہت کمزور تھی اور کوئی ایسے وسائل بھی نہیں تھے کہ جو سفر کرنے والے ہیں ان کے اخراجات برداشت ہوسکیں۔تو جب یہ تحریک ہوئی تو میرے والد صاحب بھی قادیان آ گئے۔اور اس تحریک میں شامل ہوئے۔اور ہم بھی (اس وقت میری والدہ تھیں اور ایک بہن تھیں) اپنے والد صاحب کے ساتھ قادیان آ گئے۔ میرے والد صاحب اس تحریک میں شامل ہوئے۔اور حضور ان کو وفود کا امیر بنا کر ہوشیار پور کے علاقہ مکیریاں میں بھجوایا کرتے تھے۔ میرے ابا بتایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں سفر کا کوئی ذریعہ نہیں تھا،قادیان سے چلنا پیدل اور ہوشیار پور تک جانا۔اور بعض دفعہ سخت گرمی کے موسم میں پیاس سے ان کا برا حال ہو رہا ہوتا تھا اور اس علاقے میں ہیضہ پھیلا ہوتا تھا اور ہیضہ کی وجہ سے پانی پینا بھی منع تھا۔تو نہ ان کو پانی ملتا تھا اور وہ سارا سفر پیدل کرتے تھے۔یعنی یہ وہ ابتدائی قربانیوں کا زمانہ تھا جو حضرت مصلح موعودؓ کے پیشِ نظر تھا کہ احمدیت اور حضرت مسیح موعودؑ کا جو پیغام ہے اس کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہے۔اور تحریک جدید کا یہی مقصد تھا اور آج بھی یہی مقصد ہے کہ احمدیت کا پیغام جو ہے وہ ساری دنیا میں کونے کونے تک پہنچے۔

تو اس کے بعد یہ ہوا کہ حضورؓ نے فرمایا کہ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں وہ ممالک غیر میں جائیں۔اور وہاں جا کر اپنی کمائی سے اپنا گزارہ کریں اور تبلیغ کریں۔تو یہ بھی ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔میرے والد صاحب نے بی اے کیا ہوا تھا۔پڑھے لکھے تھے۔ چنانچہ حضورؓ نے میرے والد صاحب کو فرمایا کہ آپ مشرقی افریقہ چلے جائیں۔چنانچہ میرے والد 1936۔37ء میں قادیان سے مشرقی افریقہ چلے گئے۔جب حضورؓ کا مشرقی افریقہ جانے کا ارشاد موصول ہوا تو میرے والد صاحب بتاتے تھے کہ جب وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے تو انہوں نے ایک خواب دیکھا۔خواب میں دیکھا کہ وہ کسی بحری جہاز میں سفر کر رہے ہیں۔اور وہ جہاز ایک جگہ آ کر کنارے لگتا ہے۔اور جب وہ کھڑے ہو کر باہر دیکھتے ہیں تو وہاں پر بہت بڑا تختہ ہے اس کے اوپر لکھا ہوا ہے ”ممباسہ“ تو یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ آٹھویں جماعت میں

پڑھتے تھے۔غالباً 13 سال کے ہوں گے۔لیکن جب حضورؓ کا یہ ارشاد ان کو ملا تو ان کے ذہن میں یہ خواب نہیں تھا۔لیکن جب وہ مشرقی افریقہ گئے اور جہاز وہاں کنارے لگا تو سامنے وہی صورت دیکھی کہ بڑا بورڈ ہے اور اس کے اوپر ’’ممباسہ‘‘ لکھا ہوا ہے۔چنانچہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کا پرانا جو خواب تھا وہ پورا کیا اور وہ وہاں ایسٹ افریقہ پہنچ گئے۔ان کے جانے کے بعد ہم لوگ قادیان میں ہی تھے،ان کے ساتھ نہیں جا سکتے تھے اور یہی پروگرام تھا کہ وہ جب وہاں پر تھوڑا سیٹ ہو جائیں گے تو ہم لوگ بھی چلے جائیں گے۔اس زمانے میں اس قسم کے سفر صرف بحری جہازوں سے ہوتے تھے۔یہ ہوائی جہاز وغیرہ نہیں تھے۔اور ہوا یہ کہ 1939ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی جس کی وجہ سے ان بحری جہازوں کا آنا جانا بند ہوگیا۔کیونکہ خطرہ تھا کہ کہیں مسافروں کو لے کر جانے والے جہاز پر دشمن حملہ نہ کر دے اور اس کو غرق کر دے۔چنانچہ پھر ہمارا جانا رُک گیا۔اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص برکت تھی۔اور وہ یہ برکت تھی کہ میں چھوٹا سا تھا اور مجھے قادیان کے بابرکت پاکیزہ ماحول میں چند سال رہنے کی توفیق ملی۔اور وہ عجیب قسم کا زمانہ تھا۔احمدیوں میں ایک ایسا ولولہ،ایک ایسا جوش وخروش تھا جس کی مثال نہیں ملتی تھی۔کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب احرار اپنے زوروں پر تھے۔اور ان کے جلسے ہوتے تھے، جلوس نکلتے تھے، جو بھی انہوں نے کہنا ہوتا تھا جماعت کے خلاف وہ کہتے تھے لیکن اس طرف اللہ تعالیٰ کے یہ شیر مصلح موعودؓ کھڑے ہوتے تھے اور ان کی گرج سے یہ احرار ایسے سمٹ جاتے تھے جیسے کوئی چھوٹا سا جانور ہو اور وہ ڈر خوف سے چھپتا پھرے۔لیکن اس کی وجہ سے جماعت کے اندر ایک ایسا ولولہ اور جوش وخروش تھا کہ ایسا لگتا تھا کہ دن رات ہم سب نہ سو رہے ہیں نہ جاگ رہے ہیں اور بس دعاؤں میں لگے ہوئے ہیں۔حضورؓ کے خطابات ہو رہے ہیں، جلسے ہو رہے ہیں، قادیان میں ہی نہیں بلکہ باہر بھی عجیب سا ماحول تھا۔اور اس پاکیزہ ماحول میں جہاں ہر ایک اپنی جان ہتھیلی پر لے کر جماعت کیلئے تیار کھڑا تھا اس میں پھر جو تربیت ہوئی، جو پرورش ہوئی اس کے جو نشان تھے، اس کا جو اثر تھا، وہ ذہن پر بھی ، دل پر بھی، اعمال پر بھی ہمیشہ کیلئے نقش ہوگیا۔ایک ایسی زبردست بنیاد بنی کہ وہ پھر ہمیشہ ساری زندگی جو تھی وہ کام آتی رہی اور اس سے پھر جہاں بھی اللہ تعالیٰ لے کر گیا وہ جو دل میں ایک جذبہ تھا جماعت کیلئے ہر چیز قربان کرنے کا ، ہر چیز پیش کرنے کا وہ ہمیشہ تازہ دم رہا۔اور جب میں افریقہ گیا یعنی جنگ کے بعد تو اس زمانے میں وہاں پر بھی حضورؓ نے شروع شروع میں مبلغین بھجوائے ہوئے تھے،

1946ء میں یعنی یہ جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد ہی قادیان سے قریباً 7۔8 مبلغین کا ایک قافلہ مشرقی افریقہ میں گیا تھا۔ان میں سے ٹانگانیکا کے شہر ٹانگا جہاں ہم رہتے تھے وہاں بھی ایک مبلغ صاحب کی تقرری ہوئی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ پھر میرا سارا جو وقت فارغ تھا وہ ان مبلغین کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔اسکول سے آنا تو مبلغین کے ساتھ ہی وقت گزارنا۔ اور وہ مبلغین اور ہی رنگ رکھتے تھے۔ان کی جان مال اور وقت سارا جو ہے وہ تبلیغ کیلئے قربان ہوتا تھا۔اور ان کے ساتھ مَیں نے چلے جانا اور پھر ان کی معیت میں تبلیغ کا بھی شوق پیدا ہو گیا۔تربیتی لحاظ سے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر اس زمانے سے ہی یہ چیزیں جو تھیں زندگی کا ایک حصہ بن گئیں۔اور پھر ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ اطاعت کا سبق جو قادیان سے سیکھا تھا،اس کو ہمیشہ تازہ دم رکھا۔والدین کی اطاعت کے ساتھ ساتھ مبلغین کی بھی اطاعت کرنی ہے۔کیونکہ ذہن میں یہی تھا کہ مبلغین کی اطاعت کریں گے تو خلیفہ وقت کی اطاعت ہوگی۔خلیفہ وقت کی اطاعت کریں گے تو حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت ہوگی اور حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت کریں گے تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوگی اور پھر اللہ کی اطاعت ہوگی۔ اس کیلئے کم از کم ایک نیت ایک خواہش کا دل میں پیدا ہونا کہ میں ایسا بن سکوں یا میں ایسے کر سکوں وہ بھی میں سمجھتا ہوں بہت بڑی بات ہوتی ہے۔اور اللہ کے افضال اور اس کی رحمتوں کو جذب کرنے والی بات ہوتی ہے۔تو اسی طریق پر پھر میں آگے بڑھتا گیا۔اور مشرقی افریقہ میں جتنے بھی سال گزرے وہ اللہ کے فضل سے دینی کاموں میں گزرے اور ابتدائی تعلیم کچھ قادیان میں ہوئی اور پھر آگے کی تعلیم ٹانگا، ٹانگانیکا، مشرقی افریقہ میں ہوئی۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹانگانیکا میں ہوئی۔

ملازمت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل محکمہ تعلیم میں ملی۔تعلیم کے محکمہ میں مَیں انسپکٹر بھی رہا، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر بھی رہا۔مختلف شعبوں میں کام کرنے کی توفیق ملتی رہی۔لیکن پھر ایک ایسا تاریخی مرحلہ آیا کہ جب افریقہ کے ممالک آزادی کے طالب ہوگئے۔ یہ 1960-61ء کی بات ہے۔اور کثرت سے افریقہ کے ممالک کو آزادی ملنی شروع ہوگئی۔اس سے پہلے جو مشرقی افریقہ تھا یعنی کینیا، یوگنڈا اور ٹانگانیکا یہ ایک ہی گورنس کے تحت تھے۔یعنی ایک ہی گورنر تھا۔جب آزادی ملی تو تینوں ملک الگ الگ ہوگئے۔ یوگنڈا کی الگ حکومت بن گئی، کینیا کی الگ حکومت بن گئی اور ٹانگانیکا کی الگ حکومت بن گئی۔ٹانگانیکا کے قریب ہی ایک جزیرہ ہے جس کا نام ہے زنجبار،اس

جزیرہ پر عربوں کی حکومت تھی۔تاریخ کے مطابق شروع سے ہی جب عرب مشرقی افریقہ گئے تو انہوں نے زنجبار کو اپنا مرکز بنایا۔لیکن جب ٹانگا نیکا آزاد ہوا تو ان سے برداشت نہیں ہوا کہ اتنے قریب ایک مسلمان حکومت ہو۔چنانچہ انہوں نے زبردستی فوجی کاروائی کر کے اس جزیرہ کو ٹانگا نیکا میں ملا لیا اور اس کا نیانام ''تنزانیہ'' رکھا۔چنانچہ آج کل وہ ملک تنزانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔آزادی کے بعد افریقن لوگ جوکہ انگریزوں اور ایشائیوں کا طرز زندگی دیکھتے آئے تھے جن کے پاس دولت تھی ،کاریں تھیں بڑے گھر تھے۔افریقن چاہتے تھے کہ یہ سب آسائشیں ان کو بغیر محنت کے راتوں رات مل جائیں۔یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں اور یہ سب کچھ ہمارے حوالے کر دیں۔حکومت اپنی طرف سے کوشش میں تھی کہ یہ سارے معاملات امن و امان سے طے ہو جائیں۔لیکن عوام نے اس کیلئے تشدد کا راستہ اختیار کرنا شروع کردیا اور پھر سارے ملک میں انگریزو ں کے خلاف اور ایشین لوگوں کے خلاف لوٹ مار،چوری چکاری یہ اتنی زیادہ ہوگئیں کہ حکومت نے ایک سکیم بنائی کہ جو بھی انگریز یا ایشیائی وہاں پر ملازم ہیں وہ ملک سے نکل جائیں اوران کو کچھ رقم اور سہولتیں بھی دے دی گئیں۔چنانچہ اس سکیم کے تحت تقریباً سارے احمدی دوست جو ملازمتوں میں تھے وہ پھر ملک چھوڑ کر کچھ برطانیہ آ گئے یا کینیڈا چلے گئے۔

اس وقت میں نے کہا کہ یہ فیصلہ میں خودنہیں کرتا کہ کہاں جانا بہتر ہوگا یہ اللہ بہتر جانتا ہے یا پھر اس کا خلیفہ جانتا ہے۔وہ زمانہ حضرت خلیفۃ ثالث ؒ کا تھا۔چنانچہ پھر میں نے حضورؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔میں نے کہا حضور یہ آپ کے علم میں ہے کہ آج کل تشدد کے حالات یہاں پیدا ہو گئے ہیں اور ان حالات میں خطرہ ہے۔بہت سارے ہمارے دوست یہاں سے ملازمت چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔میری خواہش ہے کہ حضور میری راہنمائی کریں کہ میں برطانیہ جاؤں یا کینیڈا جاؤں۔جس پر حضورؒ کا جواب آیا کہ آپ نے نہ برطانیہ جانا ہے نہ کینیڈا جانا ہے۔تنزانیہ میں ہی رہیں۔وہ خط جب میں نے پڑھا تو میں مسجد گیا اور وہاں جو ہمارے مربی تھے ان سے میں نے ذکر کیا کہ یہ جواب آیا ہے اور عبدالکریم لون صاحب مرحوم ومغفور جو ہمارے صدر جماعت تھے سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے صحیح طریقے سے لکھا نہیں ہے۔آپ حضرت صاحبؒ کو تفصیل سے یہاں کے حالات لکھیں تا حضورؒ جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔میں گھر آ گیا اور یہ طے کرلیا کہ میں نے اس خط کے جواب میں اب حضورؒ کو کچھ نہیں لکھنا۔ جو حضورؒ نے لکھا ہے میں

نے بالکل وہی کرنا ہے۔

میرے پاس اس وقت برٹش شہریت تھی کیونکہ میں انڈیا سے پارٹیشن سے پہلے چلا آیا تھا۔اس زمانہ میں انڈیا میں سب کے پاسپورٹ برٹش سبجیکٹ کے ہوتے تھے۔اس پاسپورٹ پر انگلستان آنے کیلئے کوئی ویزا نہیں چاہئے ہوتا تھا۔یہاں جو دوست اُس وقت آئے تھے وہ سب اُسی پاسپورٹ پر آئے تھے،کسی ویزہ کی ضرورت نہیں تھی۔چنانچہ میں بھی اُسی پاسپورٹ پر آ سکتا تھا۔لیکن اب چونکہ حضورؒ کا حکم ملا کہ وہاں سے کہیں نہیں جانا۔چنانچہ اس عاجز نے ارشاد کی تعمیل کی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا ملازمت کا ریکارڈ بہت اچھا تھا۔جب گورنمنٹ کو یہ پتا چلا کہ میں اپنی یوکے کی شہریت چھوڑ کر تنزانیا کی شہریت لینا چاہ رہا ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے۔مجھے تنزانیا کی شہریت بہت کم عرصہ میں یعنی تین چار ماہ میں ہی مل گئی۔جب میں یوکے کی شہریت ختم کرنے کیلئے ان کے ہائی کمیشن میں گیا تو وہ حیران ہوکر مجھے دیکھنے لگے کہ یہ بندہ اپنے ہاتھ سے اپنا مستقبل ختم کر رہا ہے۔اُن کو بھی تو ملکی حالات کا علم تھا۔بہر حال میں نے یوکے کی شہریت ختم کر دی اور تنزانیا کی شہریت لے لی۔یہ سب اللہ کی دی ہوئی توفیق اور خلیفہ وقت کی اطاعت سے ہی ممکن ہوا۔ورنہ خاکسار تو ایک عاجز بندہ ہے۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا کہ آگے چل کر تنزانیہ کی شہریت کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے بیشار برکتیں عطا کیں۔اس میں سے سب سے بڑی برکت یہ تھی کہ عالمی ادارے جیسے کامن ویلتھ یا یونائیٹڈ نیشنز ہیں ان کا طریق یہ ہوتا ہے کہ یہ ادارے اپنے ممبر ممالک کے کچھ نہ کچھ لوگ ملازمت میں لے لیتے ہیں۔تو تنزانین ہونے کی وجہ سے جب موقع پیدا ہوا تو میرا نام کامن ویلتھ کو ملازمت کیلئے بھجوا دیا۔اب یہ صرف اس لئے ہوا کہ میرے پاس تنزانیا کی شہریت تھی۔اگر میں برٹش ہوتا تو کوئی امکان ہی نہیں تھا۔میرا نام تنزانیا کی لسٹ میں چلا گیا اور پھر وہ منظور بھی ہو گیا اور اللہ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ میں باعزت طور پر ایک اچھی ملازمت کے ساتھ وہاں سے نکلا۔تو یہ اطاعت کی ایک برکت تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہوا کہ جب مجھے تنزانیا کی شہریت ملی تو اس وقت ایک ڈپلومیٹک تنازعہ تنزانیا اور یوکے کے درمیان چل رہا تھا۔وہ تنازعہ یہ تھا کہ برطانیہ جنوبی افریقہ کو اسلحہ سپلائی کر رہا تھا۔جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز اور منافرت کا زمانہ تھا۔اور برطانیہ سے بھیجا ہوا اسلحہ افریقنوں کے خلاف استعمال ہوتا تھا۔چنانچہ تنزانیہ اور بہت سارے افریقہ کے ممالک نے برطانیہ کے ساتھ

ڈپلومیٹک تعلقات ختم کر دیئے تھے۔اور یہ تعلقات ختم کرنے کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ برطانیہ نے جو ٹیکنیکل ماہرین مدد کیلئے بھجوائے ہوئے تھے وہ سب انہوں نے واپس بلا لیے۔اس کی وجہ سے وہاں پر جو بڑے عہدے تھے وہ خالی ہو گئے تو تنزانیہ کی حکومت نے مجھے ایک بڑے عہدہ (ہیڈ آف ٹیچر ایجوکیشن) پر فائز کر دیا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ نے مجھے یہ عہدہ دیا ہے لیکن اس کام کیلئے میں کوالیفائڈ نہیں ہوں۔کام اچھی طرح سے ہونا چاہئے تو اس کیلئے آدمی بھی کوالیفائیڈ ہونا چاہئے۔تو وہ کہنے لگے اس کی آپ فکر نہ کریں ہم اسے دیکھیں گے۔

1972 میں انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں برطانیہ اعلیٰ تعلیم کیلئے بھجوانا چاہتے ہیں اس کیلئے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمہارے لئے سکالرشپ کا انتظام ہو جائے۔انہوں نے اس کیلئے کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

1972 دسمبر میں مَیں پہلے ربوہ گیا اور وہاں سے پھر میں قادیان گیا۔قادیان میں مہمان خانہ میں قیام تھا۔اس وقت حضرت عبد الرحمٰن جٹ صاحب مرحوم و مغفور امیر تھے۔وہاں ہوتے ہوئے میرا معمول بن گیا کہ فجر کے بعد میں دُعا کرنے کیلئے بہشتی مقبرہ اکثر ان کے ساتھ ہی چلا جایا کرتا تھا۔دُعا کر کے ہم جب واپس آتے تو بعض دفعہ حضرت امیر صاحب میرے کمرے میں آ جاتے اور دو چار منٹ بیٹھتے، پھر چلے جاتے۔ایک دن وہ آئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مولوی صاحب میرا ایک مسئلہ ہے کہ تنزانیہ کی حکومت میرے لئے سکالرشپ کی کوشش کر رہی ہے لیکن وہ مل نہیں رہی تو اس کیلئے دعا کی درخواست ہے۔مکرم امیر صاحب نے فرمایا کہ اچھا چلو دُعا کر لیتے ہیں۔وہ چارپائی کے ایک طرف بیٹھ گئے اور میں دوسری طرف۔آپ نے لمبی دُعا کروائی اور دُعا کرانے کے بعد وہ کھڑے ہوئے جانے کیلئے اور مجھے صرف اتنا کہا ''مبارک ہو'' اور چلے گئے۔

یہ بات میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ یہ مبارک الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔بہرحال بات آئی گئی ہوگئی۔جب میں اپنی چھٹی گزارنے کے بعد واپس تنزانیا آیا تو کوئی دو ہفتہ بعد مجھے حکومت کی طرف سے چٹھی آئی کہ تمہارے لئے کامن ویلتھ فیلوشپ کا انتظام ہو گیا ہے اور تم تیاری کر لو تم نے یوکے جانا ہے۔چنانچہ مجھے یہاں نیوکاسل یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا اس وجہ سے کہ میں تنزانین تھا۔وہاں تعلیم میں مَیں نے اچھا معیار حاصل کر لیا اور اللہ کے فضل سے اچھا نتیجہ نکلا۔انگریزی زبان کے مضمون میں مَیں اوّل آیا۔اس بناء پر انہوں نے میری سکالرشپ بھی بڑھا دی اور مزید تعلیم کیلئے وہاں سے مجھے لندن یونیورسٹی بھیج دیا۔

الحمدللہ میں پھر یہاں لندن یونیورسٹی میں آ گیا۔اب یہاں میں نے دو پوسٹ گریجویٹ ڈپلوماز پاس کئے۔اور یونیورسٹی کے جو ڈائریکٹر تھے ان کی سفارش بھی تھی اور کوشش بھی تھی کہ جو میری سکالرشپ ہے وہ اور بڑھا دی جائے اور میں MA بھی کرلوں۔لیکن فیلوشپ میں وسعت کی کوئی صورت نہیں تھی۔مجھے ڈائریکٹر نے بلایا اور کہنے لگا کہ تمہاری سکالرشپ کی توسیع تو نہیں ہو رہی لیکن تمہارے لئے نائجیریا میں ایک اچھی جاب ہے ۔اگر تم چاہو تو تمہارے لئے بہت اچھا موقع ہے۔مَیں نے کہا نہیں مجھے کسی جاب کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ جس حکومت نے مجھے سکالرشپ پر بھجوایا ہے، یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں واپس جا کر ان کی خدمت کروں۔

بہرحال اس کے بعد میں نے واپس آنے کی تیاری شروع کردی۔اب یہ بھی دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرشمہ اور فضل کی بات ہے کہ جب میں اپنے تنزانیہ کے ہائی کمیشن گیا اور وہاں پر جو ایجوکیشن آفیسر تھے ان کو میں نے بتایا کہ میرا پروگرام مکمل ہوگیا ہے اور میں نے واپس جانا ہے۔تو میرے لئے ٹکٹ وغیرہ کی جو بکنگ ہے وہ کروادیں۔جب میں نے اُن سے یہ کہا تو وہ کہنے لگے اچھا ہے یہاں بیٹھ جاؤ یہاں پر ایک کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ ہے اوران کو ایک فیلو چاہیے اگر تمہیں دلچسپی ہو تو ہم تمہیں ایک سال کیلئے یہ فیلوشپ دلوا سکتے ہیں۔میں نے اپنے دل میں اللہ کا اتنا شکر کیا کہ دیکھو اللہ کے رنگ کیسے کیسے ہیں میں آیا ہوں واپس جانے کیلئے اور یہ مجھے کہہ رہا ہے کہ واپس نہیں جانا، تم وہاں جاؤ۔چنانچہ اس نے انٹرویو طے کردیا۔انٹرویو کیلئے گیا تو انہوں نے مجھے رکھ لیا اور اسکے ساتھ ہی جب یونیورسٹی والوں کو پتہ لگا تو وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں ماسٹرز (MA) کے کورس کیلئے رجسٹر کر لیں گے۔انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک کورس ہے جو شام کے وقت شروع ہوتا ہے یعنی ساڑھے چار پانچ بجے شام سے کلاسیں لگتی ہیں اور رات کے ساڑھے نو دس بجے تک چلتی ہیں۔تو ہم تمہیں اس میں داخلہ دے دیں گے۔اس پر مَیں سبحان اللہ ہی کہہ سکتا تھا۔ہوا یہ کہ کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ والے جو تھے انہوں نے میرے کام کے اوقات صبح آٹھ بجے سے چار بجے تک کردیئے۔چار بجے تک میں انسٹی ٹیوٹ میں کام کرتا تھا اور پھر میں بس لیکر یونیورسٹی آتا تھا اور پانچ بجے سے کلاسیں شروع ہو جاتی تھیں، جو رات ساڑھے نو دس بجے تک رہتی تھیں۔پھر بس لیکر گھر آتا تھا۔اس وقت ہماری رہائش گاہ فضل مسجد کے قریب ارلزفیلڈ روڈ پر تھی۔وہاں آنا اور پھر صبح سویرے وہاں سے انسٹی ٹیوٹ چلے جانا۔بہرحال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جو فیلوشپ مجھے اس کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ سے ملی اس

سے کسی اور سکالرشپ کی ضرورت نہیں رہی۔اور جو اخراجات تھے فیس وغیرہ کے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارے پورے ہوگئے ۔اوراس طرح میری MA کی ڈگری بھی اللہ کے فضل سے مکمل ہوگئی۔

اس کے بعداللہ کے فضل سے میں واپس تنزانیہ گیا تو انہوں نے میری تقرری دارالسلام یونیورسٹی کےلسانیات کے شعبہ میں بطورسینئر لیکچرار کردی ۔وہاں میں نے کام شروع کردیا۔اب وہاں جو وائس چانسلر تھا یونیورسٹی کا اس کا نام کاڈوما تھا۔وہ پہلے منسٹر ہوا کرتا تھا گورنمنٹ میں،پھراسے وائس چانسلر بنادیا گیا۔یونی ورسٹی کے سینئر کامن روم میں وہ کبھی کبھی شام کو چائے کیلئے آجاتا اوراس کے ساتھ میری اچھی گفت وشنید ہوگئی اور اچھا تعلق بن گیا۔ایک دن وہ آیا شام کو جیسے معمول تھا۔ہم چائے کا کپ لیکر ایک دوسرے سے باتیں کررہے تھے ۔ باتوں باتوں میں مجھے کہنے لگا کہ میں اپنے جاب سے استعفٰی دے رہا ہوں۔میں بہت حیران ہوا کہ تم استعفٰی دے رہے ہو۔ایسی کیا بات ہوگئی ہے تم اتنے معروف اورکامیاب ہو،لوگ تمہیں پسندکرتے ہیں تم نے کہاں جانا ہے۔توانہوں نے کہا کہ بات یہ ہوئی ہے کہ یونائیٹڈ نیشنز کا جو ادارہ ہےفوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگینائزیشن کا اوراس کا ہیڈ کوارٹر روم(اٹلی) میں ہے۔وہ افریقہ کے دیہی علاقوں کی ترقی کیلئے ایک ادارہ (CIRD AFRICA) قائم کرنا چاہتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ میں اس ادارہ کا ڈائریکٹر بنوں۔وہ میرے لئے ایک بہتر جاب ہے۔اس لئے میں یہاں سے استعفٰی دے رہا ہوں۔میں نے کہا یہ میرے لئے تو اتنی اچھی خبر نہیں ہے کہ تم چلے جاؤگے،لیکن یہ افریقہ کیلئے اچھا ہے۔اگلے دن وہ آیا تو مجھے کہنے لگا تم بھی ریزائن کردو۔ میں نے کہا میں کیوں ریزائن کردوں،میں کہاں جاؤں گا کہنے لگے کہ مَیں نے آپ کواس نئے ادارہ میں ساتھ لیکر جانا ہے۔

بہرحال UN کی یہ ملازمت ایک انٹرنیشنل پوزیشن تھی۔اوران کا تین سال کا کانٹریکٹ تھا۔ میں نے وہ حامی بھر لی اور میں پھر انکے ساتھ اُس ادارہ میں چلا گیا۔اُس ادارہ میں جہاں میرا تین سال کا معاہدہ تھا وہاں میرا کافی ملنا ملانا ہوگیا خاص طور پر روم کے ساتھ کہ وہ ہیڈ کوارٹر تھا۔اُس دوران UN کے ایک ڈائریکٹر مجھے کہنے لگے کہ جب تمہارا یہ کانٹریکٹ ختم ہوتوتم ہمارے ہیڈکوارٹر روم میں آجاؤ۔ہم چاہیں گے کہ تم وہاں کام کرو۔ مجھے بھی یہ مشورہ پسند آیا۔میں نے کہا یہ جماعتی لحاظ سے بھی اچھا ہوگا۔پھر دسمبر 1984 میں جب میرا وہاں پر کانٹریکٹ ختم ہوا تو روم جانے کیلئے میں تنزانیہ سے پہلے لندن آیا۔ارادہ

تھا یہاں پر فیملی کو سیٹ کردوں اور پھر میں روم چلا جاؤں گا۔

چنانچہ اُسی سال اپریل میں حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ لندن تشریف لا چکے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ میں آ گیا ہوں اور یہ میرا پروگرام ہے۔ حضور نے فرمایا یہ تو بہت اچھا ہے۔ اُس کے تھوڑے دنوں بعد مجھے کامن ویلتھ والوں کی طرف سے ایک فون کال آئی ان کے پاس میرے کوائف بھی تھے اور میں رجسٹرڈ بھی تھا ان کے ساتھ۔ وہ کہنے لگے تمہارے لئے ایک کام ہے پیسیفک کے جزیرہ طوالو میں۔ اگر تمہیں دلچسپی ہے تو ہمیں بتاؤ تا کہ ہم آ گے جو کرنا ہے کریں۔ میں نے تو کبھی طوالو کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے دیکھ لیں گے۔ لیکن جب میں حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضور کو کہا کہ میں روم کیلئے تیاری کر رہا ہوں لیکن بتایا کہ یہ پیغام آیا ہے کامن ویلتھ کی طرف سے۔ تو حضور نے جب طوالو کا نام سُنا تو حضور خاص طور پر متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے مجھے دو تین دن قبل ایک خط آیا تھا پیسفک سے کسی کا کہ آپ پیسفک جزائر ممالک میں تبلیغ کا کہہ کر گئے تھے۔ 1983 میں حضورؒ مسجد کے افتتاح کیلئے آسٹریلیا گئے تھے۔ اس کے بعد حضورؒ فجی تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پر حضورؒ نے جزائر میں تبلیغ کے سلسلہ میں ایک میٹنگ بلائی تھی۔ تو اس سلسلہ میں اُس شخص نے لکھا تھا کہ حضور آپ نے پیسفک کے جزائر میں تبلیغ کا کہا تھا تو اب یہ ایک ملک ہے جس کا نام طوالو ہے جو سو فیصد عیسائی ملک ہے۔ تو وہاں مبلغ بھیجیں۔ حضورؒ فرمانے لگے کہ دو دن قبل مجھے یہ خط ملا ہے اور اب تم طوالو کا کہہ رہے ہو۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اب تم طوالو جاؤ۔

میں گھر آیا سب بچوں سے ذکر کیا سب پریشان ہو گئے کہ اس ملک کا نام تو پہلے کبھی سُنا نہیں۔ میں نے اپنے بیٹے سے کہا لائبریری سے جا کر ایک اٹلس لاؤ تو دیکھیں یہ ملک کہاں ہے۔ دیکھا تو آسٹریلیا کے پاس ایک نقطہ سا نظر آیا۔ بہر حال حضورؒ کا ارشاد تھا اور اس ارشاد کے مطابق میں نے روم والوں کو معذرت کر دی اور جو طوالو جانے کی پیشکش تھی اسے میں نے قبول کر لیا۔ پھر مارچ 1985ء میں مَیں کامن ویلتھ کے فیلڈ ایکسپرٹ کی حیثیت سے لندن سے طوالو چلا گیا۔ وہاں جانے کی جو برکات ہیں وہ آگے ایک سلسلہ ہے۔

وہاں جب میں گیا تو حضورؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہاں جانا ہے اور ایک مبلغ بن کر جانا ہے۔ وہاں جانے کا مقصد تو یہی تھا کہ وہاں جا کر صحیح رنگ میں تبلیغ ہو۔ سارے عیسائی ہیں۔ وہاں جا کر سب سے پہلے میں نے چیف سیکرٹری سے

تعارفی ملاقات کی ۔ اسے معلوم تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ جب میں اس کے دفتر سے نکلنے لگا تو وہ مجھے کہنے لگا کہ ہمیں پتہ ہے کہ تم مسلمان ہو۔لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ملک عیسائی سٹیٹ ہے۔ہم نہیں چاہتے کہ تم قطعاً کسی مذہبی معاملہ میں دخل دو، یہاں کوئی تبلیغ نہیں کرنی ہے۔ اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔

میں نے کہا میں ایک ایسی جماعت سے ہوں جس کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ملک کے جوقوانین ہوں ان کی پابندی کرنی ہے۔ وہ میں کروں گا۔لیکن جب میں اس کے دفتر سے نکلا تو میری طبیعت میں بہت گھبراہٹ اور بے چینی تھی۔ میں نے کہا کہ حضورؒ نے فرمایا تھا کہ تبلیغ کرنی ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ تبلیغ کا نام بھی نہیں لینا۔اب کیا ہوگا؟ بہرحال پھر میں نے سوچا کہ اس کا یہی ایک حل ہے کہ دُعا کی طرف توجہ دی جائے۔پھر میں بہت توجہ سے دُعاؤں میں لگ گیا۔

یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ابھی مجھے گھر نہیں ملا تھا اور میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔شام کو میں سیر کیلئے چلا جاتا تھا۔ایک دن میں واپس آرہا تھا تو میرے پیچھے ایک آدمی تیز قدمی کے ساتھ آیا اور کہنے لگا کہ مَیں نے ریڈیو پر سنا ہے کہ آپ ایجوکیشن کے ایکسپرٹ ہیں۔میں یہاں ایس ڈی اے چرچ کا پادری تھا۔ میں اپنی تعلیم کو بہتر بنانا چاہتا ہوں۔میں نے وہاں سے ریزائن کردیا ہے۔کیا آپ میری مدد کریں گے۔

میں نے کہا میں تو آیا ہی اسی لئے ہوں کہ آپ سب کی مدد کروں۔ چنانچہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے باتیں کرنی شروع کردیں اور کہنے لگا کہ یہ سڑک کے ساتھ ہی میرا گھر ہے۔آپ آجائیں دو چار منٹ کیلئے ۔ میں نے کہا ٹھیک ہے چلو۔ وہاں جا کر بیٹھے۔تھوڑی دیر میں،کوئی ایسے آثار تو نہیں تھے ،لیکن بارش شروع ہوگئی۔وہ بارش چلتی رہی تو بات کرنے کا موقع بڑھتا گیا۔وہ چونکہ پادری تھا تو کہنے لگا کہ اسلام کے بارہ میں تو ہمیں یہ بتایا گیا ہے۔آپ کا یہ مذہب ہے آپ مجھے بتائیں کہ حقیقت کیا ہے۔میں تو اسے تبلیغ نہیں کررہا تھا بلکہ وہ مجھ سے سوال پوچھ رہا تھا۔جواب تو مَیں نے اسے دینا تھا۔ میں اسے جواب دینے لگ گیا۔ اس طرح کوئی آدھے گھنٹے کی میٹنگ ہوگئی ، پھر بارش بھی کچھ ٹھہر گئی۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ مجھے ملتے رہنا ، میں یہیں ہوں۔ یہ سلسلہ پھر چلتا رہا۔پھر مجھے وہاں گھر بھی مل گیا اور اس سے ملاقات رہی۔اس دوران اس کی جو اپنی جو تعلیم تھی اس کا تو ذکر نہیں ہوا۔اسلام کی تعلیم کا ذکر شروع ہوگیا۔پھر اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا بتایا، جماعت کا بتایا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ میں وہاں مارچ میں گیا تھا تو جون میں اس شخص نے بیعت کرلی۔الحمدللہ۔

یہ محض اللہ کا فضل اور حضورؒ کی رہنمائی تھی کہ اُس شخص نے بیعت کر لی۔حضورؒ نے اُس کا نام عطاء الاوّل رکھا۔ پھر وہ میرے گھر باقاعدہ آنا شروع ہو گیا۔میرے گھر کے باہر ایک چھوٹا برآمدہ تھا، اُس کو ہم نے مسجد بنا لیا۔ میں نے اُسے نماز سکھائی۔ چونکہ وہ ایک مذہبی آدمی تھا، پادری تھا، اسے عبادت کا شوق تھا۔وہاں ہم دونوں نے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔

یہ سب خلیفہ وقت کی دعاؤں اور اطاعت کا ہی ثمر تھا۔ حضورؒ کی اطاعت کے طفیل میں روم چھوڑ کر طوالو آ گیا تھا۔پھر وہاں احمدیت کا پودا لگانے کی توفیق ملی۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس پودے کو پھل لگائے اور آگے بہت ساری برکتیں ملی۔

بہر حال میں نے اس کو کہا کہ مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔لیکن اس کیلئے تین آدمی چاہئیں لیکن ہم ابھی دو ہی ہیں۔ اب دُعا اور کوشش کرو کہ تیسرا بھی ہمیں مل جائے اور ہم جمعہ پڑھ سکیں۔ اُس نے کوشش کی اور اپنی فیملی کو تبلیغ کرنا شروع کی پھر دو ماہ بعد بفضلہٖ تعالیٰ اُس کی فیملی کے کافی افراد احمدی ہو گئے اور ایک اچھی چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ جب یہ جماعت بن گئی تو میرا جو گھر تھا وہ ایک تبلیغی سینٹر بن گیا۔شام کو کاموں کے بعد سارے وہاں پر آ جاتے۔ پھر رات کے 12 بجے تک وہاں پر کلاسیں لگتیں۔ انہوں نے اتنی دلچسپی لی کہ وہاں کی زبان میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ بنا کر وہاں تقسیم کئے۔

پھر 1989 میں جب جماعت کی صد سالہ جوبلی تھی تب حضورؒ نے فرمایا تھا کہ منتخب احادیث، منتخب آیات اور منتخب اقتباسات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے ملک کی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ ان سب کا طوالو زبان میں ترجمہ ہو گیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی شان اور اس کی رحمت تھی کہ عمومی طور پر کامن ویلتھ والے صرف دو سال کا کانٹریکٹ دیتے تھے کہ دو سال کام کر کے واپس آ جاؤ۔لیکن اللہ کے فضل سے کامن ویلتھ والوں نے جو کام میرے سپرد کیا تھا اور وہ ایسے اچھے رنگ میں ہو رہا تھا کہ انہوں نے میرا کانٹریکٹ دو سال سے بڑھا کر چار سال کر دیا الحمد للہ۔اس کام میں یہ سہولت بھی تھی کہ فیملی کو ملنے میں سال میں دو دفعہ لندن آ سکتا تھا یا فیملی مجھے ملنے طوالو آ سکتی تھی۔ اس طرح کبھی میں لندن آ جاتا تو کبھی فیملی طوالو آ جاتی۔ اکثر گرمیوں میں بچے یہاں آ جاتے اور میں سردیوں میں لندن چلا جاتا۔اس طرح بچوں کیلئے اچھا ہوا کہ وہ بھی اس نئے ملک میں دین کے کاموں میں شامل ہوئے۔

حضورؒ کی خواہش بھی تھی اور دعائیں بھی کہ وہاں پر مسجد بن جائے۔ پھر اللہ کے فضل سے کسی نے ہمیں مسجد کیلئے

وہاں جگہ بھی دے دی اور مسجد بن بھی گئی۔ پھر اسکے ساتھ ایک مشن ہاؤس بھی بن گیا۔ لجنہ اماءاللہ کی تنظیم بھی بن گئی۔ میری بیگم جب بھی وہاں جاتیں، لجنہ کی تربیت کے کاموں میں لگی رہتیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نظام اچھا بن گیا۔

پھر میں نے خیال کیا کہ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ ہونا چاہئے اور اس کے لئے وہاں لینگوئج بورڈ کا صدر تھا۔ اسے میں نے کہا کہ تم قرآن مجید کا ترجمہ کردو۔ مَیں تمہیں کچھ نظرانہ بھی دے دوں گا۔ بہرحال اُس نے وہ ترجمہ شروع کیا۔ اُس کا ایک ڈپٹی بھی تھا تو کچھ ترجمہ وہ کردیتا تھا۔ ایک دن وہ ڈپٹی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ کتاب جس کا میں ترجمہ کررہا ہوں مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ میں نے کہا ہے ہی اچھی۔ بہرحال وہ کبھی کبھی آجاتا بعض آیات لیکر کہ مجھے ان آیات کا مطلب بتائیں۔ آخر پر اللہ کے فضل سے ابھی ترجمہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ احمدی ہوگیا۔ وہ لینگوئج بورڈ کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ کافی اچھی پوسٹ تھی۔ بعد میں وہ سیاست دان بھی بن گیا۔ پھر اس کو حضرت صاحبؒ نے یہاں لندن جلسہ پر بلایا اور وہ آیا۔ پھر پولیس کا جو چیف کمشنر تھا وہ بھی احمدی ہوگیا اسے بھی جلسہ پر بلایا گیا۔ وہ جلسہ میں شامل ہوا۔ پھر اُس نے لندن آکر قرآن مجید کے ترجمہ کی ریویژن کی۔ پھر یہیں رقیم پریس میں قرآن مجید پرنٹ ہوا۔ اس طرح وہ کام بھی پورا ہوگیا۔ الحمد للہ۔ یعنی جیسے جیسے وہ جماعت کے بنیادی کام باقی رہتے تھے تو ویسے ویسے اللہ تعالیٰ کانٹریکٹ میں توسیع دیتا چلا گیا۔

پھر آخر یہ ہوا کہ جب 6 سال ہوگئے اور کامن ویلتھ کی طرف سے مزید فنڈنگ کی کوئی گنجائش نہ رہی توحکومت کہنے لگی کہ ہم نے تمہیں ابھی واپس جانے نہیں دینا۔ چنانچہ انہوں نے یواین کولکھا اور یواین والوں نے فنڈنگ منظور کرلی اور پھر چار سال میں وہاں یواین کے کنسلٹنٹ کے طور پر رہا۔ جس منصوبہ کی میں نے طوالو میں ابتداء کی تھی، وہ سارے ریجن میں بہت مقبول ہوا۔ تو یو این والے مجھے کہنے لگے کہ اب تم صرف طوالو کے لئے نہیں بلکہ ریجنل کنسلٹنٹ ہو۔ تم ہمارے تحت کام کروگے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم مختلف جزائر میں جاکر یہ منصوبہ جاری کرو۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس کا ذکر بھی فرمایا تھا کہ تقریباً 14 جزائرممالک میں احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ۔

ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ اکثر اوقات انسان کی زیادہ توجہ اپنے ذاتی اور دفتری کاموں کی طرف ہوجاتی ہے لیکن میں جب دوسرے جزائرممالک میں جاتا تھا، کام

تو یواین کے ہوتے تھے۔لیکن جب میں ہوائی جہاز میں بیٹھتا تھا تو سارے سفر میں یہ دُعا کرتا رہتا تھا کہ یا اللہ جس ملک میں مَیں جارہا ہوں وہاں مجھے یہ توفیق دینا کہ میں تیرے امام الزمان کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں۔حیرت کی بات ہے کہ جب میں جاتا تھا تو میں نے اپنے پروجیکٹ کی کوئی خاص تیاری نہیں کی ہوتی تھی۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے پروجیکٹ کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہوجاتا تھا کہ میں کتنی بھی محنت کرتا تو شاید وہ ممکن نہ ہوتا۔اس کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ اُس ملک میں تبلیغ کے مواقع پیدا کردیتا تھا۔اس طرح یہ سلسلہ اللہ کی برکات کا چلتا رہا اور چل رہا ہے۔پھر میرا وہاں پر جب کاموں کا سلسلہ ختم ہوگیا اور میں یہاں برطانیہ واپس آنے کی تیاری کررہا تھا تو ایک دن میں اپنا سامان وغیرہ پیک کررہا تھا تو اچانک میرے دروازے پر کھٹکھٹاہٹ ہوئی تو دیکھا کہ پرائم منسٹر صاحب ہیں۔ان سے میری قدرے بے تکلفی تھی۔آکر بیٹھے تو کہنے لگے کہ جانے کی تیاری کررہے ہو۔باتوں باتوں میں آخر میں کہنے لگے کہ ہماری ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ برطانیہ میں ہمارا کوئی نمائندہ ہو۔ہمیں کوئی بندہ نہیں مل رہا تھا۔اب تم جارہے ہو تو ہماری خواہش ہے کہ تم برطانیہ میں ہمارے نمائندہ بنو۔اب دیکھیں کہ ایک عیسائی سٹیٹ کا پرائم منسٹر یہ پتا ہوتے ہوئے کہ اس احمدی نے یہاں پر اسلام کا ایک سینٹر بنا دیا ہے اور لوگ مسلمان ہورہے ہیں،اُس کا یہ کہنا کہ تم ہمارے نمائندہ بنو یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔اُس وقت سے لیکر اب تک میں طوالو کا برطانیہ میں نمائندہ ہوں جبکہ میں ان کا شہری بھی نہیں ہوں۔یہ اطاعت کے پھل ہیں اور کتنے وسیع ہیں۔

پیسفک جزائر ممالک کیلئے میری جو خدمات تھیں ان کی قدر شناسی کے طور پر وہاں کی حکومتوں نے برطانیہ کی ملکہ کو سفارش کی کہ ان کی خدمات کا ان کو اعزاز ملنا چاہئے۔ چنانچہ 1998 میں مجھے OBE کا خطاب ملا جو کہ:

Officer of the Most Excellent Order of the British Empire

ہے۔اس کے بعد خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔اس وقت جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ 12 چھوٹی چھوٹی ایسی ریاستیں ہیں جو ملکہ کے تحت ہیں اور ان کو ملکہ کے (Realms) کہتے ہیں۔وہاں ملکہ نے اپنے گورنر مقرر کئے ہوئے ہیں۔ان میں سے کچھ ریاستیں بحر اوقیانوس میں ہیں اور کچھ بحر الکاہل میں ہیں۔لیکن ان کے آپس میں کوئی روابط نہیں تھے۔کوئی تنظیم کوئی فورم اس کیلئے نہیں تھا۔ تو میں نے کوشش کی کہ ان ریاستوں کے آپس میں روابط بڑھائے جائیں۔یہ ملکہ کے نزدیک ایک بڑی خدمت سمجھی گئی اور اس طرح اور بھی کئی خدمات کا موقعہ ملا جس کیلئے

ملکہ کی طرف سے مجھے صرف ''نائٹ ہڈ'' نہیں ملا بلکہ اس سے اوپر'' نائٹ کمانڈر'' کا جو اعزاز ہے وہ دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ اس اعزاز کے ساتھ ''سر'' کا خطاب ہوتا ہے۔ اعزاز نائٹ کمانڈر رہے اور خطاب ''سر'' ہے۔

یہ محض سب خلافت کی اطاعت کی وجہ سے اللہ نے عطا فرمایا ہے اور یہ سلسلے چل رہے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اور خدمت کی بھی توفیق مل رہی ہے کہ حضور نے ایک انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیٹی بنائی ہوئی ہے۔ اس کے سپرد اسائلم والوں کی فلاح و بہبود کے کام ہیں۔ جو ہمارے احمدی ظلم وستم سے تنگ آ کر پاکستان سے نکل رہے ہیں تو ان کے لئے دیگر ممالک میں ہجرت کے لئے کوششوں کی خدمات کی توفیق مل رہی ہے۔ الحمدللہ۔

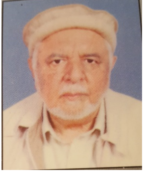
پھر حال ہی میں مجھے انسٹی ٹیوٹ آف اٹامک انرجی ایجنسی، جس کا ہیڈکوارٹر آسٹریا میں ہے، اس کے بورڈ کا بھی میں اب ممبر ہوں۔ یہ سب محض اور محض خلافت کی اطاعت کے ثمرات ہیں۔

آخر میں یہی کہوں گا کہ انسان اپنی زندگی میں اپنی بہتری کامیابی کیلئے دوڑتا رہتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اصل کامیابیاں وہی ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی رحمتوں سے نصیب ہوں۔ ان کو حاصل کرنے کیلئے یہ لازمی ہے کہ انسان اس بات پر عمل کرے کہ وہ دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ وفا شعاری اور خدمت گزاری سے ہمیشہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کرتا رہے گا۔ اس کی اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور سب کو توفیق عطا فرمائے اور اس کے پھل ہم سب کو عطا ہوں۔ آمین۔



غزل

خواجہ عبدالمومن



میرے دل پر تیر برساتے رہو
لحہ لحہ مجھ کو تڑپاتے رہو

مجھ کو تم کہتے رہو جو دل میں ہے
مجھ پہ ایسا لطف فرماتے رہو

میرے دل میں بس چکا ہے یار وہ
لاکھ دل پہ تالے لگواتے رہو

خواب میں آ کر وہ ملتا ہے مجھے
ہو سکے تو اس کو سمجھاتے رہو

عشق سچا ہے تو مومن کس کا ڈر
شور ڈالو اور غراتے رہو





احمدیوں کے صبر واستقامت کا عظیم نمونہ
حضرت مولوی محمد حسینؓ (سبز پگڑی والے) کی تصنیف ''میری یادیں''
سے چند ایمان افروز واقعات

حضرت مولوی محمد حسین المعروف سبز پگڑی والے کی تصنیف میری یادیں حصہ دوم سے ماخوذ بعض دلچسپ اور ایمان افروز واقعات ذیل میں ہدیہ قارئین ہیں۔ ان واقعات سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احمدی مربیان اور داعیان الی اللہ کی نصرت وتائید اور ان کے اموال و نفوس میں برکت اور دشمنوں کی ذلّت ورسوائی کا بھی علم ہوتا ہے۔

نگلہ گھنو میں احمدیہ مسجد کی تعمیر

حضرت مولوی محمد حسینؓ بیان کرتے ہیں۔

یو پی ہندوستان میں تقرری کے دوران میرا ہیڈ کوارٹر نگلہ گھنو تھا۔ وہاں مسجد نہیں تھی اور حضرت صاحب سے قادیان چٹھی لکھ کر تعمیر مسجد کے لئے منظوری لی تھی۔ یہ واقعہ میری کتاب میری یادیں حصہ اول میں درج ہے۔

مگر اس کا دوسرا حصّہ جس میں بیت الذکر کی تعمیر کے لئے مستری کی ضرورت تھی وہ درج نہیں ہے اس کا تذکرہ میں یہاں کر رہا ہوں۔ قریبی گاؤں میں ایک مستری رہتا تھا جو بیوت الذکر کے مینار بہت اچھے بناتا تھا۔ میں گھوڑی پر سوار ہو کر اسے لینے چلا گیا۔ وہاں گاؤں پہنچ کر گاؤں والوں سے پوچھا کہ اس مستری کا گھر کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ گاؤں کے درمیان میں اس کا گھر ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں ایک چھوٹا سا چوک تھا وہاں ایک بریلوی پیر جی بہت بڑی ان کی داڑھی اور قریباً پچاس پچپن سال ان کی عمر تھی خود چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور دو اُن کے مرید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جا کر السلام علیکم کہا۔ اس پیر نے کہیں میرے بارے میں باتیں سنی ہوئی تھیں اور میرے حلیہ سے بھی باخبر تھا کہنے لگا ہم تمہیں کافر سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا جی آپ کو تو میں روک نہیں سکتا جو آپ چاہیں سمجھ سکتے ہیں۔

میں نے تو السلام علیکم کہا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:95) اگر تمہیں کوئی سلام کہے تو یہ نہ کہنا کہ تم مومن نہیں ہو۔ وہ کہنے لگا گھر کو لے جاؤ یہ

قرآن۔ گویا کہ وہ قرآن پاک پر غصّہ دکھانے لگا۔ میں گھوڑی سے اتر کر اس کے سامنے والی چار پائی پر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا میں نے قابل اعتراض بات کیوں کرنی ہے ہم اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پیر جی نے اپنی کھڑاؤں اتاری اور مجھے اس طرح ماری کہ وہ میرے ڈنڈے کو لگی اور درمیان سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پھر اسے اور غصّہ چڑھا اور دوسری کھڑاؤں پاؤں سے اتار کر میرے سر پر دے ماری۔ میں چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ کھڑاؤں لکڑی کی تھی میرے سر سے خون بہنے لگا اور مجھے میرے سر سے اس نے دبا لیا۔ اسی جوش میں اس چار پائی کی چُول ٹوٹ گئی۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا پیچھے گندے نالے میں منہ کے بل ایسا گرا کہ سارا ناک منہ اور سر اپنی چھاتی تک گند سے بھر گیا۔ کپڑے کی اس نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی وہ پانی میں بہہ گئی۔ میں نے فوراً اپنی گھوڑی جو چار پائی کے پائے کے ساتھ باندھی ہوئی تھی کھولی اور اس پر سوار ہو گیا۔ میں نے کہا جب اسے اس کے مرید باہر نکالیں گے تو یہ نہایت گندہ غلاظت کا بھر گیا ہے اس نے مجھے پکڑ لینا ہے اور یہ مجھے بھی گندہ کرے گا۔

وہاں سے روانہ ہوا خون بہہ کر میرے کپڑوں پر کافی گرا ہوا تھا اور مسلسل گر رہا تھا۔ اللہ کی قدرت اس علاقہ میں نارائن سنگھ تھانیدار تھا۔ وہ میرا دوست بھی تھا۔ پتہ نہیں اُسے قدرت کیسے ادھر لے آئی وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا: مولوی صاحب سلام۔ یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا ہو گیا جو کچھ ہونا تھا اور میں نے کہا وہ سامنے دیکھ لو۔ اس پیر کو اس گند سے کھینچ کر اس کے مریدوں نے نکالا تھا۔ جب اس کا نقشہ دیکھا کہ سارا گند اس کے کپڑوں پر لگا ہوا تھا اور سر کے بال بھی گند سے جڑے ہوئے تھے۔ تھانیدار بڑا حیران کہ بات کیا ہے میں نے کہا اس کے مریدوں سے پوچھ لو۔ وہ ان سے پوچھنے لگا وہ کہنے لگے کہ جی ہم تو کچھ بتا نہیں سکتے۔ میں نے کہا اچھا میں بتاتا ہوں جہاں میں غلط بیانی کروں وہیں مجھے روک دینا کہ یہ نہیں ایسا ہوا تھا۔ میں نے سارا واقعہ شروع سے اخیر تک سنا دیا کہ اس طرح میں نے السلام علیکم کہا اور بعدہٗ یہ کچھ ہوا۔ تھانیدار صاحب کو تو غصّہ چڑھ گیا کہنے لگا اس پیر کو تھانے لے جانا ہے۔ تھانیدار نے میرے خون آلود کپڑے تو دیکھ ہی لئے تھے اور ساتھ ہی اسی کے اپنے مریدوں نے گواہی بھی دے دی تھی۔ میرے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ بھی مان گیا کہ اسی طرح ہی ہوا تھا۔

وہاں سے میں اور وہ تھانیدار اپنی اپنی گھوڑی پر دوبارہ سوار ہوئے وہ پیر دوبارہ آگے نہیں آیا اس نے دیکھا کہ تھانیدار تو مجھ سے باتیں کر رہا ہے اور اس کے

مریدوں نے بھی صحیح بات کی تائید کر دی تھی۔ ہم وہاں سے سیدھے مستری کی طرف آئے۔ وہ تھانیدار بھی میرے ساتھ تھا اور وہ اسی کی طرف آیا تھا کیونکہ اس کی بھی کسی کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی اس نے سمجھا کہ تھانیدار میرے وارنٹ لے کر آیا ہے۔ وہ مستری گھر ہی تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی ایک لڑکی گھر سے باہر تھی اس سے ہم نے پوچھا کہ تمہارا ابّا کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی کہ گھر میں روٹی کھا رہا ہے۔ ہم نے جب اس کے گھر جا کر اسے آواز دی تو اس کی بیوی آئی۔ اس نے اسے اندر جا کر بتایا کہ تھانیدار صاحب کسی کے ساتھ آئے ہیں اور بلا رہے ہیں۔ وہ اس سے کہنے لگا کہ باہر جا کر انہیں کہہ دو کہ گھر میں نہیں ہے۔ ہم نے باہر سے اونچی آواز میں اسے کہا کہ ہمیں پتہ ہے کہ تم کھانا کھا رہے ہو۔ روٹی بعد میں کھانا ہماری بات سن جاؤ۔ خیر وہ فوراً باہر آ گیا۔ تھانیدار اس سے سخت ناراض کہ پہلے تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ گھر میں تم نہیں ہو۔ میں نے تھانیدار صاحب سے کہا اسے چھوڑ دو میں نے اس سے بیت الذکر کے مینار بنوانے ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ میں تمہیں لینے آیا تھا بیت الذکر کی تعمیر اور مینار وغیرہ بنانے تھے۔ وہ کہنے لگا کل آ جاؤں گا۔ میں نے کہا اپنا سامان مجھے دے دو خود کل آ جانا۔ اس سے میں نے کانڈی وغیرہ اوزار جو کچھ بھی ہوتا ہے لے لیا اور اٹھنّی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی اور ہم واپس روانہ ہوئے۔ میں نے تھانیدار سے کہا کہ اب یہ وہیں آئے گا۔ راستہ میں کنواں آیا۔ وہاں میں نے تھانیدار سے کہا کہ میں یہ خون دھولوں لوگ کہیں گے کہ کہیں سے مار کھا کر آیا ہے۔ وہاں ہم دونوں گھوڑیوں سے اترے اور تھانیدار پانی ڈالتا گیا اور میں نے اپنا سر اور کپڑے دھو لیے۔ اور اسی طرح گیلے کپڑوں کے ساتھ ہم گاؤں پہنچے۔ تھانے کے باہر سپاہی کھڑے تھے۔ میں نے تھانیدار سے کہا کہ اس کی رپورٹ نہیں کرنی اور نہ میں نے مقدمہ کرنا ہے۔ آریہ لوگوں نے تو اخبار میں لکھ دینا ہے کہ پیر اور قادیانی مولوی کا مقدمہ۔ اور یہ بات ہمیں سجتی نہیں۔ بڑا اس نے اصرار کیا کہ آپ مقدمہ لکھوائیں میں اسے گرفتار کر کے لے آؤں گا۔ میں نے کہا جو آپ کہہ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے مگر میں مقدمہ نہیں کروں گا۔ خیر میں گھر پہنچا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو وہی پیر اپنے پانچ چھ مریدوں کے ساتھ چھ میل کا پیدل سفر طے کر کے میرے پاس پہنچا۔ اور آتے ہی پیر صاحب نے اپنی پگڑی اتاری اور میرے پاؤں پر رکھ دی۔ اس وقت پگڑی باندھ کر آیا تھا جبکہ پہلے وہاں کپڑے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی جو پانی میں بہہ گئی تھی۔ میں نے اس کی پگڑی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دی۔ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے معاف کر دو میں نے کہا

پیر صاحب میں تو وہیں معاف کرا آیا تھا۔ حالانکہ تھانیدار صاحب نے بہت مجھے کہا کہ میں تمہاری رپورٹ لکھواؤں مگر میں نے نہیں لکھوائی۔

بڑا شکریہ ادا کرنے اور بہت پیار کرنے لگا۔ اس کے مرید بھی کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے یہی امید تھی۔ بڑی خوشی ہوئی۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔

بھدرواہ میں احمدیوں سے بائیکاٹ کے خاتمے کا واقعہ

پہلے یہ واقعہ میری یادیں کتاب کے صفحہ 202 پر درج ہے۔

بھدرواہ میں مجھے قتل کرنے کے منصوبہ کے متعلق تھا۔ بعدہ ان کا انجام کیا ہوا اور کیسے احمدیوں سے ان لوگوں نے بائیکاٹ ختم کیا۔ بیعت کرنے والے تینوں ملازم تھے۔ ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ ایک بینک میں ملازم تھا انہوں نے اسے بینک سے فارغ کر دیا۔ دوسرا عبدالرحمٰن خان جنگلات کے محکمے میں ملازم تھا اسے بھی نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ اور تیسرا عبداللہ درزی کا کام کرتا تھا یہ چونکہ اپنا کام کرتا تھا اس کے بارے میں لوگوں سے کہہ دیا کہ اس سے کوئی کپڑے نہ سلوائے۔

وہاں کے حجاموں سے کہہ دیا کہ ان سب میں سے کسی کی حجامت نہیں بنانی۔ درزی کپڑے بہت اچھے سیتا تھا بعض لوگ چوری چوری اس سے کپڑے سلوا لیتے تھے۔ باقی دونوں فارغ ہو گئے۔ بعد میں ان لوگوں نے سوچا کہ انہیں فوری فارغ نہیں کرنا چاہئے تھا ان کے بغیر جنگلات اور بینک کا کام نہیں چل سکتا۔ بہر حال تینوں کو دوبارہ اللہ نے کاموں پر بحال کروایا۔ اور تینوں کئی مہینہ تک کام کرتے رہے۔ میں نے جلسہ سالانہ پر قادیان جانا تھا اب وہاں تیرہ چودہ کے قریب احباب احمدی ہو چکے تھے۔ ایک تو غلام حیدر صاحب اور دوسرے غلام رسول صاحب تھے باقی نام اب یاد نہیں رہے اور سب معہ اہل و عیال احمدی تھے۔

وہاں کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ہر شریف آدمی احمدی ہوتا جا رہا ہے اور یہ کام بڑھتا جا رہا ہے تو انہوں نے میٹنگ کی کہ اکیلا آدمی یہاں آیا ہوا ہے اور اس کا کام تیزی سے بڑھ رہا ہے کیوں نہ ان سب کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ ان سب نے اچانک ہم سب کا سوشل بائیکاٹ کر دیا کہ کوئی ان سے بول چال اور سلام نہ کرے اور ہر قسم کا لین دین بند کر دیا۔ میں بھی چند دن بڑا حیران رہا کہ اب کیا کیا جائے لوگ تو اب سنتے ہی نہیں۔

میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک تحریک پیدا کی میں نے ان احمدی دوستوں سے مشورہ کیا کہ میں چند دنوں کے لئے کشتواڑ چلا جاتا ہوں۔ کشتواڑ بھدرواہ سے

قریباً چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ سارا پہاڑی سفر پیدل کرنا تھا۔ ایک نوجوان میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ وہ کہنے لگا مولوی صاحب میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ قریباً سولہ سترہ سال اس کی عمر تھی ہم دونوں دو دن کے بعد کشتواڑ پہنچ گئے۔ ہم دونوں حیران ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اب کدھر جائیں کہاں ٹھہریں کیونکہ وہاں تو کوئی احمدی گھر تھا ہی نہیں۔

مولا کریم نے اپنا خاص فضل فرمایا وہ عجیب قدرتوں کا مالک ہے۔ وہاں ایک دوست جو احمدی نہیں تھے ان کا نام تھا محمد حیات وہ وہاں گھاس کٹوانے والوں کا افسر تھا اور ادھر ڈیوٹی پر تھا۔ جب میری ڈیوٹی جمّوں کشمیر میں تھی اس وقت وہ بھی وہیں تھا اور اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا۔ کہنے لگا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ میں نے کہا ہمارے بیٹھنے کی یہاں جگہ کوئی نہیں ہے۔ فوراً کہنے لگا آؤ میرے ساتھ اور اپنے گھر لے گیا۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اسے دعوت الیٰ اللہ کا سلسلہ شروع کیا۔ دو راتیں اس کے پاس رہے جب تیسرا دن آیا تو اس نے بیعت کر لی اس طرح ہمیں بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ کوشش شروع کر دی کہ اب دوسروں کو دعوت الیٰ اللہ شروع کی جائے اس کا تفصیلی پروگرام میں نے تیار کر لیا تھا۔

ابھی ہم تیاری میں تھے کہ ڈاک خانہ سے ایک بندہ ٹیلیگرام لے کر آیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ سبز پگڑی والے جو مولوی محمد حسین صاحب پنجابی ہیں ان کو ملے پتہ صرف یہی لکھا تھا۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ آپ ادھر آ گئے ہیں اور میں ادھر لے آیا یہ اس لانے والے نے کہا۔ خیر کھول کر جب اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ اگر کھڑے ہو تو چل پڑو اور اگر بیٹھے ہوئے ہو تو اٹھ کر آ جاؤ بڑا ضروری کام ہے۔ کام کیا تھا وہاں ہمارے احمدیوں نے ہمارے بائیکاٹ ختم کرنے کا طریقہ نکالا تھا۔ لاہور سے ایک وفد آریوں کا بھدرواہ پہنچا اس نے جو اسلام پر اعتراض کئے تھے۔ اس وجہ سے وہاں کے مسلمان مچھلیوں کی طرح تڑپ رہے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ پر اعتراض۔ قرآن پاک پر اعتراضات۔ اسلام پر اعتراضات۔ خدا تعالیٰ کے بارہ میں دینی عقیدہ پر اعتراض۔ غرضیکہ انہوں نے خوب میدان گرم کیا ہوا تھا اب وہاں کے لوگ اپنے ملّاؤں کے پاس گئے مگر وہ کہنے لگے کہ ہمیں تو ایسے اعتراضوں کے متعلق کچھ علم نہیں ہے پتہ نہیں یہ کیا کہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے احمدی احباب سے رابطہ کیا۔ چنانچہ ان کے پیغام پر خاکسار وہاں پہنچ گیا اور جلسہ منعقد کیا۔ سب لوگ اس میں شامل ہوئے۔ آریہ لوگوں کے اعتراضات کے مکمل جواب دیئے۔ کوئی

مقابل پر نہ آیا۔ مسلمان خوش ہو گئے۔ (اس جلسہ کا تفصیلی ذکر میری یادیں صفحہ 214 تا 220 پر درج ہے)

جلسہ کے بعد سب نے مجھ سے مصافحہ کیا اور بائیکاٹ ختم کر دیا۔ اس کے بعد وہاں احمدیت پھیلنی شروع ہوئی۔ اب وہاں سے خط آیا تھا کہ احمدیت اللہ کے فضل سے قریباً یک صد گھروں تک پھیل چکی ہے۔ یہ عبدالرحمٰن خان صاحب کے خط 1984ء کی بات ہے۔

چار نَو احمدیوں کا باغ خریدنا اور اللہ تعالیٰ کا فضل

بھدرواہ میں مذکورہ چار آدمیوں کی نوکریاں ختم ہوگئی تھیں وہ مجھ سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب اب ہم کیا کریں۔ میں نے کہا کوئی فکر نہ کرو اللہ رب العالمین ہے وہ کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ کہنے لگے کہ پھر آپ بتائیں کہ ہم کیا کام کریں۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا میں نے ان سے کہا کہ سحری کے وقت جب تم آؤ گے تو فجر کی نماز کے بعد بتاؤں گا۔ رات بہت دعا کی کہ مولا کریم ان سے وعدہ کر بیٹھا ہوں اور میرے دماغ میں کوئی تجویز انہیں مشورہ دینے کے لیے نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون سا کام کر سکتے ہیں اور کون سا نہیں۔ کوئی ایسا آسان سا کام ہو جو یہ سب مل کر کر سکیں خود راہنمائی فرما۔ یہ چار آدمی تھے عبدالرحمن خان صاحب۔ محمد عبداللہ صاحب۔ میر صاحب اور چوتھے کا نام بھول رہا ہے۔

نماز تراویح ہم پہلے وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔ سحری کے وقت وہ آ گئے اور فجر کی نماز کے بعد سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر وہ پوچھنے لگے کہ مولوی صاحب اب آپ بتائیں۔ میں نے کہا آپ کے پاس کچھ رقم ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے دو صد روپیہ دوسرے کہنے لگے دو اڑھائی صد میرے پاس ہوں گے۔ غرضیکہ چاروں کے ملا کر قریباً چھ صد روپے بن گئے۔ میں نے کہا چاروں ہی اکٹھے جا کر سیبوں کا باغ خرید لو بغیر خریدے واپس نہ آنا۔ مہنگا ہو یا سستا اب خرید کر ہی آنا ہے۔ خیر وہ چلے گئے جو وہاں قریب کے باغ تھے سبھی ہی بکے ہوئے تھے ایک باغ ان میں جمّوں کشمیر کے لوگوں کا تھا ان سے سودا کرنے لگے یہ انہیں تین صد روپیہ کہیں وہ ان سے آٹھ صد روپیہ مانگیں۔ بہر حال ان کا پانچ صد روپیہ میں سودا طے ہو گیا۔ سودا کر کے آدھی رقم پہلے دے آئے اور بقیہ رقم بعد میں دینے کا وعدہ کر آئے۔ وہ باغ اتنی دور تھا کہ چوتھے دن پیدل سفر کرتے ہوئے وہ میرے پاس پہنچے۔ میں نے کہا سناؤ بھئی۔ کہنے لگے باغ تو ہم خرید کر آئے ہیں مگر بہت مہنگا ملا ہے۔

وہ پہلے تین صد میں بیچ رہا تھا ہمیں دیکھ کر وہ اٹک گئے اور ہمیں پانچ صد روپیہ میں ملا ہے۔ چونکہ آپ نے

کہا تھا کہ خالی ہاتھ واپس نہیں آنا۔ اس کا پھل بھی کوئی اتنا اچھا معلوم نہیں ہوتا اب آپ ہمارے لئے دعا کریں۔ ان باغوں کی ان کے مالک اتنی دیر رکھوالی کرتے ہیں جتنی دیر تک ان سیبوں کا رنگ سرخی مائل نہیں ہو جاتا پھر بعد میں خریدار کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ابھی اس باغ کے سیبوں کا رنگ سرخی مائل نہیں ہوا تھا اور اس کا انہوں نے قبضہ بھی نہیں لیا تھا کہ مجھے واپس قادیان جانا پڑ گیا۔ اس بات کو دو ماہ گزر گئے۔ ایک دن قادیان عبدالرحمن صاحب آئے۔ میرے لئے بہت سے سیب لائے اور ایک پیٹی حضرت مصلح موعودؓ کے لئے لے کر آئے اور مجھ سے کہنے لگے مولوی صاحب ہمیں اس میں چار ہزار پانچ صد روپے کا منافع ہوا ہے جبکہ ہم نے پانچ صد کا خریدا تھا۔ اور ابھی بھی ان پر پھل ہے معلوم نہیں کدھر سے نکلتا چلا آ رہا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اتنا اس کو پھل لگایا کہ وہ یہی کاروبار کرتے رہے اور اسی سے مالا مال ہو گئے۔ اب ان کا ایک دفعہ خط آیا تھا کہ وہاں پر جتنے بھی احمدی ہیں سب کی خدا کے فضل سے مالی حالت بہت اچھی ہے۔

حضرت مولانا محمد حسینؓ کی قبولیت دعا کا ایک واقعہ

ایک دن ہم جہاز میں کام کر رہے تھے کہ حکم آیا کہ یہ جہاز مع کام کرنے والوں کے بغداد بھیج دیا جائے گا۔ اس لئے سب کام کرنے والے اپنا سامان جہاز ہی میں لے آئیں کیونکہ اس وقت بڑی سخت جنگ ہو رہی تھی۔ میرے دس ساتھیوں نے یہ سنتے ہی رونا شروع کر دیا۔ مگر میں نے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ جہاز کی روانگی کا دو مرتبہ وسل (Whistle) ہو چکا تھا۔ جہاز کی روانگی میں صرف دو منٹ باقی تھے کہ جنرل صاحب کی طرف سے فون آیا کہ میرے معائنہ کے بغیر جہاز روانہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ جنرل صاحب وہاں پہنچے اور بعد معائنہ جہاز کی روانگی کا حکم دیا۔ پھر جب اچانک ہم لوگوں پر نظر پڑی تو جہاز کے کپتان سے دریافت کیا کہ یہ فٹر کنارہ کے ہیں یا پانی کے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور کنارہ کے۔ جنرل صاحب نے کہا نہیں نہیں یہ نہیں جائیں گے۔ صرف پانی کے فٹر ہمراہ لے جاؤ اور ہمیں جنرل صاحب نے جہاز سے باہر آنے کا حکم دیا۔ بعدہ پانی کے فٹر آ گئے اور جہاز روانہ ہو گیا۔ رات دو بجے کے قریب اطلاع آئی کہ دشمن نے جہاز غرق کر دیا ہے اور ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ ہم نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہماری ابھی زندگی باقی تھی۔

(میری یادیں صفحہ 44 تا 45)





جماعت احمدیہ کے خوش بیان شاعر
محترم عبدالسلام اختر صاحب ایم۔اے

رجل خوشاب

خاندانی پس منظر:

سلسلہ احمدیہ کے معروف شاعر محترم عبدالسلام اختر صاحب ایم۔اے 14 جولائی 1918ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

آپ چوہدری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی کے فرزند اکبر تھے۔والدہ کا نام میمونہ بیگم تھا۔نانا حضرت حافظ مولوی فیض الدین صاحب اپنی بزرگی،تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے ''اللہ لوک''مشہور تھے۔سیالکوٹ جس محلہ میں وہ رہتے تھے وہ محلہ ''اللہ لوکاں''یعنی اللہ والوں کا محلہ کہلاتا تھا۔اختر صاحب یہیں پیدا ہوئے۔مولوی فیض الدین صاحب کا خاندان ایک معزز علمی خاندان تھا۔افراد خاندان کا حافظ قرآن بننا ایک امتیاز تھا۔مولوی صاحب نے قرآن کریم حفظ کیا،عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔آپ کا شمار سیالکوٹ کے جید علماء میں ہوتا تھا۔گھر میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔جس سے ہزاروں بندگان خدا فیض یاب ہوتے تھے۔علامہ محمد اقبال اور حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ہر دو معروف ہستیوں نے آپ سے قرآن پاک کے ابتدائی پارے پڑھے۔(اس کا ذکر محترم چوہدری صاحب نے اپنی تصنیف تحدیث نعمت میں بھی کیا ہے)۔عبدالسلام اختر نے ایسے پاکیزہ ماحول میں آنکھ کھولی۔آپ کہا کرتے تھے کہ میں نے ماں کی گود میں قرآن مجید سیکھا ہے۔ذہن رسا پایا تھا بہت جلد ترقی کر گئے۔آپ نہایت دلکش،بلند آواز اور صحت تلفظ کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کیا کرتے۔اکثر لوگ آپ کی تلاوت سننے کے لئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔آپ کا ددھیال بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ وپیراستہ تھا۔آپ کے والد چوہدری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی اپنی تصنیف (In the company of promissed Messiah) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔حضرت مصلح موعود کی تحریک وقفِ زندگی نے آپ کی زندگی کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔''انیسویں صدی میں جب پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عملداری تھی' ہمارے خاندان میں شمع علم روشن تھی'' اختر صاحب کے تایا،محترم

نعمت اللہ صاحب گوہر بی اے ایک مقامی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور بلند پایہ شاعر تھے۔آپ کے والد چوہدری علی محمد صاحب قادیان میں واحد بی ٹی ہونے کی وجہ ''بی ٹی صاحب'' کے نام سے مشہور تھے۔چچا مولوی عطا محمد صاحب مخلص ،دیندار اور صاحب رؤیا بزرگ تھے۔تینوں بھائی ایک ساتھ دائرہ احمدیت میں داخل ہوئے تینوں کوحضرت بانی سلسلہ کے رفقاء ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

حصول تعلیم:

آپ نے قرآن پاک اپنی والدہ میمونہ بیگم صاحبہ سے پڑھا۔گھر میں کیونکہ دیگر خواتین بھی قرآن پاک پڑھنے کے لئے آتی تھیں لہٰذا بچپن کا یہ دور انتھائی روحانی اور پاکیزہ ماحول میں گزرا۔ابتدائی تعلیم قادیان میں ہی حاصل کی۔آپ کا شمار شروع ہی میں ہونہار طالب علموں میں ہوتا تھا۔1933ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد لاہور آگئے۔ 1934 ء میں اسلامیہ کالج سے ایف اے کیا۔بعدازاں آپ ناگپور چلے گئے اور ناگپور یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ناگپور میں آپ کا قیام اپنی خالہ محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب آف کامپٹی کے ہاں رہا۔ناگپور یونیورسٹی سے آپ نے 1939ء میں فلسفہ میں ایم۔اے کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی اور یونیورسٹی میں اول آئے۔یونیورسٹی میں آپ کا شمار ممتاز طلباء میں ہوتا تھا۔آپ بہترین مقرر تھے یونیورسٹی میں آپ کو بہترین اساتذہ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ان اساتذہ میں ڈاکٹر رادھا کرشنن بھی تھے جو ایک مشہور فلاسفر تھے اور بعد میں بھارت کے صدر بھی ہوئے۔ڈاکٹر رادھا کرشنن کی سادگی طبع نے آپ کو بہت متاثر کیا۔

وقفِ زندگی:



''حضرت مصلح موعود کی تحریک وقفِ زندگی نے آپ کی زندگی کا دھارا بدل کر رکھ دیا''

1941ء میں آپ نے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔آپ G.H.Q راولپنڈی میں اعلیٰ عہدے پر متعین تھے۔تقریباً ساڑھے تین سال اسی ملازمت پر گزرے تھے کہ ایک واقعہ نے آپ کی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔وہ عظیم الشان واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا وہ بصیرت افروز لیکچر تھا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ احمدیت کو ایسے نوجوان کی ضرورت ہے جو اس کی اشاعت اور استحکام کی خاطر اپنی زندگیاں فی سبیل اللہ وقف کر دیں۔اس لیکچر کے بعد جب حضرت صاحب سے

ملاقاتوں کا موقع آیا تو اختر صاحب نے حضور سے عرض کیا کہ کیا حضور اقدس کا منشاء یہ ہے کہ خاکسار اپنی زندگی احمدیت کے لئے وقف کردے تو حضور نے فرمایا ''ہاں میں یہی چاہتا ہوں'' کچھ ہی عرصہ بعد حضور کی طرف سے بلاوا آ گیا کہ ''آپ استعفیٰ دے دیں اور یہاں چلے آئیں'' اختر صاحب کا قول ہے کہ اس واقعہ سے زندگی کا دھارا ایک دم دنیا سے دین کی طرف پھر گیا۔

قیام ربوہ:۔



1948ء میں قیام پاکستان کے بعد سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نئے مرکز کے قیام کے لئے سرزمین ربوہ کا انتخاب کیا گیا۔ربوہ میں اولین قیام و انتظام کے لئے جن دو افراد کا گروپ بھیجا گیا اختر صاحب اس گروپ میں شامل تھے۔آپ نے آپ کے چند ساتھیوں نے یہاں کر آ کر خیمے لگائے یوں آپ کو اس سرزمین پر اولین شب بسری کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔حضرت مصلح موعود کی راہنمائی میں آپ کی دیگر ساتھیوں کی انتھک محنت کی بدولت دو سال میں ربوہ کی زمین جو ایک بنجر اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا۔ایک ہموار اور شاداب علاقے میں بدل گیا۔یوں ایک عظیم الشان مرکز کی بنیاد میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

ٹی۔آئی کالج گھٹیالیاں میں خدمات:۱۹۶۱ء

میں حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث نے گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ میں ایک کالج قائم کرنے کا ارادہ فرمایا۔اختر صاحب اس کالج کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔آپ کی مخلصانہ کوششوں اور مسلسل جدوجہد سے تھوڑے ہی عرصے میں بورڈ آف ایجوکیشن نے اس کالج کو باقاعدہ منظور کیا۔اور سالانہ گرانٹ مقرر کی۔آپ ہی کے دور میں کالج کی عمارت، ہوسٹل کی عمارت اور اسٹاف کوارٹرز تعمیر ہوئے۔

ذیابیطس کا حملہ:

گھٹیالیاں میں شب و روز کی محنت نے آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا اور آپ کو ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا۔اور آپ کی صحت دن بدن گرنی شروع ہو گئی۔کچھ عرصے کے بعد ربوہ واپس آ گئے۔یہاں آپ دفتر بیت المال آمد اور وقف جدید میں خدمات بجالاتے رہے۔1974ء میں آپ کی طویل تکلیف دہ بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔پہلے سرگودھا پھر فیصل آباد سول ہسپتال میں زیر علاج رہے۔لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' یکم جون 1975ء کو بغرض علاج کراچی تشریف لے گئے۔وہیں قیام کے دوران دماغ کی رگ پھٹ جانے کی

وجہ سے آپ کو ایک بار پھر ہسپتال داخل کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد 20 جون 1975ء کو آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ 21 جون کو آپ کا جسدِ خاکی ربوہ لایا گیا اور یہیں تدفین ہوئی۔

حسنِ کلام:

اختر صاحب کا شمار سلسلہ عالیہ کے ممتاز اور کہنہ مشق شعراء میں ہوتا ہے۔ تاہم جو بات آپ کو اپنے دیگر ہم عصر شعراء میں نمایاں کرتی ہے وہ سیرت بانی سلسلہ کے بعض پاکیزہ واقعات کو منظوم صورت میں پیش کرنا ہے۔ اس ضمن میں آپ کے دو شعری مجموعے ''نقوشِ جاوداں'' اور ''چشمِ مصفیٰ'' شائع ہو چکے ہیں اپنی شاعری پر آپ اس انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ ''میرا ایمان ہے کہ بے لوث خدمت سے ہی زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ حسن شاعری اور ادبِ عالیہ کی جان ہے۔ میں نے ادب میں اقبال کے تفکر، غالب کی معنویت اور جوش کے اندازِ بیان کو اپنے احساسات اور خدمات پر حاوی پایا ہے۔ خدا نے پانی پینے کے لئے بنایا تھا مگر انسان بڑا ظالم ہے۔

راحتیں اور بھی ہیں غسل کی راحت کے سوا۔









غزل

عبدالجلیل عبادؔ۔ جرمنی

منافقانہ رویہ تو شاطرانہ مِزاج
زمیں پہ عام ہوا ہے یہ بزدلانہ مِزاج

یقین کرے بھی تو کس پہ کرے یہاں کوئی
ہر ایک روپ کے اندر ہے باطلانہ مِزاج

ہوائے حرص قناعت کا سبزہ چاٹ گئی
طمع و حرص میں شامل ہے آتشانہ مِزاج

خود ہم کاٹ دیں اِنصاف کے شجر کی جڑیں
کہاں سے لائیں اب جا کے عادلانہ مِزاج

خوشی ہمارے نصیبوں سے لگتا روٹھ گئی
یہ دھوپ کھا گئی بندوں کا دِلبرانہ مِزاج

فضا کا زہر جو مِری رگوں میں شامل ہے
یہ جگہ جگہ سے یہ کاٹے گا قاتلانہ مِزاج

خُدا جو کہتے ہیں خود کو اُنہیں خبر کر دو
کُچل کے رکھ دیا جاتا ہے آمرانہ مِزاج

پیاس بجھتی نہیں میرے دل کے صحرا کی
عبادؔ اِس کا بھی لگتا ہے عاشقانہ مِزاج



لاطینی امریکہ اور مایا تہذیب

اقبال نجم۔ استاد جامعہ احمدیہ یوکے

میکسیکو سے لے کر ارجنٹ ٹین تک کے علاقہ کو لاطینی امریکہ کہا جاتا ہے۔ان علاقوں پر سپین اور پرتگال سے نو آبادیاں بنائیں اور حکومت کی ۔ان کی زبانیں لاطینی زبان سے نکلتی ہیں ۔لاطینی امریکہ کے شمالی اور وسطی علاقوں میں مایا تہذیب نے جنم لیا اور پروان چڑھی ۔ یہ تہذیب میکسیکو، گوائٹے مالا، ہندورا، بےلیز اور بعض کے نزدیک پیرو تک پھیلی ہوئی تھی ۔ان کے کھنڈرات میکسیکو اور گوائٹے مالا میں موجود ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے لاکھوں سیّاح ہر سال یہاں آتے ہیں ۔ یہ تہذیب موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی تہذیبوں کی ہم عصر تھی ۔ان علاقوں میں آبادی برف کے زمانے سے شروع ہوئی جبکہ سطح سمندر 200 فٹ نیچے تھی اور سائبیر یا اور الاسکا برفانی گلیشرز کی وجہ سے ملحق تھے ۔کہا جاتا ہے کہ اس وقت سائبیر یا کی طرف سے آرین نسل کے لوگ خوراک اور جانوروں کے لئے گھاس کی تلاش میں آئے اور کینیڈا، امریکہ، میکسیکو اور ارجنٹ ٹین تک پھیل گئے ۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ برف کے زمانہ میں ہی انڈونیشیا کے جزائر ایک طرف ہندوستان سے اور دوسری طرف آسٹریلیا کے ذریعہ جنوبی امریکہ سے پھیلے ہوئے تھے ۔اور قافلے خوراک اور گھاس کی تلاش میں یہاں پرانڈونیشین نسل کے آئے اور ارجنٹ ٹین سے لیکے کینیڈا تک تمام علاقہ میں پھیل گئے ۔200 سال قبل کی جو کھوپڑیاں یہاں کے کھنڈرات سے ملی ہیں وہ بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ مماثلت کی نشاندہی کرتی ہیں ۔آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے جنوبی امریکہ میں جاکر یہ لوگ سانولے ہوگئے اور مکئی کے کثرتِ استعمال سے جس میں وٹامن بی کمپلیکس کی کمی ہوتی ہے ان کی شکل وشباہت کو بگاڑ دیا۔مکئی کو پانی میں بھگو کر ان بجھے چونے کی مدد سے اسے گلا کر آٹا تیار کرتے ہیں اور صدیوں سے چونے کی آمیزش والا مکئی کا آٹا یہ اقوام کھا رہی ہیں جس کی وجہ سے ان کی ہڈیاں مضبوط ہیں ۔

مایا تہذیت کا علاقہ جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے ۔کیونکہ اس میں بارش بہت ہوتی ہے اور دوسری طرف بلقانی سلسلۂ کوہ ہے ۔دریائے NEGRO کے اوپر کا کچھ

علاقہ ریگستانی بھی ہے جو دریائے MONAGOA کے وسط تک چلا گیا ہے۔اس طرح سے ان کا علاقہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ایک بلند علاقہ جو ایک ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہے اور جس میں بلقانی سلسلہ کوہ بھی ہے جو جنوب مشرقی جانب CHIAPAZ کے پاس سے ہوتا ہوا اور خم کھاتا ہوا وسطی امریکہ تک چلا گیا ہے



۔ان علاقوں میں وادیاں بھی ہیں ۔جیسے COMITAN, QUITZALTENANGO, GUATEMALA (گوائٹے مالا، کیٹزال ٹنانگو، کومیتان) یہ جگہیں مایا لوگوں کے اہم مراکز تھے۔ان کی خوراک مکئی، لوبیا اور MANDIOCA ہے۔(شکر قندی نما پھیکی جڑیں) سرخ مرچ بھی کاشت کرتے اور کھاتے ہیں۔TIKKAL کے مایا کے کھنڈرات کو دیکھنے کے لئے گوئٹے مالا سے بکثرت سیّاح گزرتے ہیں۔ یہاں پر PETEN جو CATAN کا واحد بلند چونے کا پہاڑ ہے موجود ہے جو کریبئن کے علاقہ کی طرف کو میکسیکو کی خلیج کے سامنے سے اسکے دوسری طرف سرسبز نشیں علاقہ نظر آتا ہے ۔جن میں GUATEMALA, CHIAPAS,

LACANDON شمال جنوب کی طرف مایا کے شہروں کے کھنڈرات ہیں۔TABASCO, CHIAPAS, LACADON, BELIZ PENTIN کے میدانوں میں پانی کی چادر سی بچھی نظر آتی ہے جو کہ یہاں ہونے والی 70 سے 90 انچ سالانہ بارش کی وجہ سے ہے یہ اور دوسری طرف بلند پہاڑی سلسلہ پر جنگل سے ڈھکا ہوا علاقہ مایا تہذیب کی حفاظت کا قدرتی ذریعہ تھا۔ITZ ان کا دارالخلافہ تھا۔جب سپینش لوگ یہاں تو آبادیاں بنانے کیلئے آئے تو اس علاقہ کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہاں ہرنوں کے ریوڑ ملتے تھے جو انسانوں سے ڈرتے نہ تھے۔اور یہاں ہر ٹرکی بھی بہت پائے جاتے تھے۔جنہیں وہ پکڑ کر اپنی خوراک بنا لیتے تھے۔TICAL کے شہر کی آبادی میں کوئی 45 ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

1588 میں بشپ LANDA YAERAE ANTONIO جو سیودار ائیال سپین کے رہنے والے تھے۔IKTISMAL کے اس علاقہ میں آئے تو مایا کے باقیات نے انہیں حیران کر دیا۔ان لوگوں کی اپنی زبان تھی جو آج کل CATCAN کہلاتی ہے۔جبکہ کچھ لوگ LACANDON بھی بولتے تھے ۔جنہیں PETEN سے ITZ گروپ نے علاقہ سے

بے دخل کر کے باہر نکال دیا تھا۔اب ان میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ان میں سے مشہور یہ ہیں۔ CHUCH MOTOZONTIC TOJOLABEL CANJOBAL۔ان کا طاقت ور گروپ پرانے NEBAJ شہر میں تھا۔اور ایک گروپ QUICHE اور LAQUCHCAL میں تھا یہ لوگ ایک ہزار سال قبل مسیح میں اتنلان جھیل کے اردگرد آباد تھا۔اور اسی طرح ایک گروپ جھیل IZABEL اور گوائٹے مالا اور BELIZ میں PETEN پر حکمرانی کرنے والا بھی تھا۔

MAYA لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔اور ان کے ہاں علامتی حروف بھی پائے جاتے تھے۔چونے کے پتھر سے عمارتیں بناتے تھے

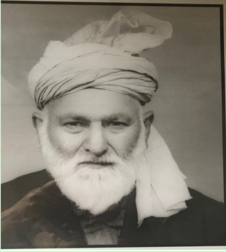


۔چنانچہ ان کے کھنڈرات میں بڑی باترتیب عمارتیں پائی جاتی ہیں جو جیومٹری کے حساب سے بنائی گئی ہیں۔ان کے ہاں ٹائیم کو معلوم کرنے کے لئے کیلنڈر بھی تھا۔مخروطی مگر سیڑھی نما بلند عمارتیں یا قربان گاھیں بھی تعمیر کرتے تھے۔ان عمارتوں پر عجیب وغریب نقش ونگار اور جانوروں کی شکلیں بنی ہیں غاروں اور پہاڑوں پر ان کی عبادت گاھیں بھی ملی ہیں جہاں یہ قربانیاں کرتے تھے۔پرانے مذاہب کا پتہ چلتا ہے جن میں دعائیں کی جاتی تھیں ایک بلند و بالا ہستی سے اور خصوصاً بیماروں کے لئے اور ان کی شفایابی کے لئے قربانیاں (صدقہ) کرتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔روحوں کے قائل تھے۔جب سپینش لوگ یہاں آئے تو اپنے آبائی مذاہب پر چھپ چھپ کر غاروں میں عبادت کرتے رہتے جو طریق آج تک جاری ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

ان امۃ الا خلا فیھا نذیرہ کہ کوئی ایسی امت نہیں جن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے نہ آئے ہوں۔چنانچہ مایا لوگوں میں بھی خدا تعالیٰ کے نذیر آئے۔انہیں رویا کشوف اور الہام کا وجود موجود ہے۔ان کی قربانگاہوں سے ایسی علامات ملی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انسانی قربانی بھی پائی جاتی تھی یہ لوگ اچانک صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔یہ آید سہ بستہ راز ہے کہ کیوں ایسا ہوا۔ممکن ہے کسی نذیر کے زندگی کا نشان بن گئے ہوں۔







ہمارا گھر ہوتی ضلع مردان میں
کاشانہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ

زبیدہ قاضی ۔لندن

حضرت قاضی محمد یوسف فاروقی رضی اللہ عنہ کے والدین پشاور شہر کے محلہ گلبادشاہ جی میں ۱۸۸۰ء سے اپنی تعمیر کردہ مکان میں رہتے تھے۔آپکی پیدائش بمقام ہوتی یکم ستمبر ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ہوتی میں بھی اپنا مکان تھا اور باقی قاضی خاندان کے مکانات آس پاس تھے۔

حضرت والد صاحب کی پرورش زیادہ تر پشاور میں ہوئی پشاور میں ہی تعلیم حاصل کی۔آپ اپنی کتاب ''ظہور احمد موعود'' میں فرماتے ہیں کہ ''ہمارے والد صاحب ۱۸۸۰ء سے کوچہ گلبادشاہ شہر پشاور میں مقیم تھے۔حضرت میرزا محمد اسماعیل قندہاری رحمتہ اللہ علیہ احمدی اسی کوچہ میں رہتے تھے۔حضرت مولانہ غلام حسن خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انھی کے مکان میں سکونت رکھتے تھے۔حضرت میرزا اسماعیل صاحبؓ کی ہمشیرہ حضرت مولانہ غلام حسن صاحب کے نکاح میں تھیں۔'' (صفحہ 22۔21) ''حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ جن کا نکاح اور شادی حضرت مولانہ غلام حسن صاحبؓ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی اور رخصتی کے موقع پر حضرت والد صاحبؓ بھی دلہن کیساتھ مع مکرم عبد الرحیم جان اور ایک خاتون کے پشاور سے ساتھ قادیان گئے تھے۔'' (کتاب ظہور احمد موعود مئولف قاضی محمد یوسف رضی اللہ عنہ۔صفحہ 70) حضرت والد صاحبؓ نے اپنی تعلیم و تربیت، بیعت احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں اپنے گزارے ہوئے تمام واقعات اپنی کتاب ''ظہور احمد موعود'' میں مختصراً تحریر فرمائے ہیں۔حضرت والد صاحبؓ ملازمت کے عرصہ میں پشاور رہتے تھے اور وائسرائے یا لارڈ کے ناظر کے طور پر گرمیوں میں نتھیا گلی میں رہائش ہوتی اور موسم سرما پشاور میں گزارتے بچے چھوٹے تھے اس وقت صرف چار بچے تھے۔ ملازمت کے دوران اپنی دیانت، نیک طینت، فرض شناسی اور سچائی کی وجہ سے ہر دلعیز یز رہے۔لارڈ صاحب ہمیشہ آپکو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور احترام سے پیش آتے اور انعامات سے نوازا کرتے۔آپ نے ملازمت کے دوران اپنے دینی

فرائض کو بھر پورادا کیا۔اوراتوار کے دن کو تبلیغ احمدیت کیلئے وقف رکھا۔ پشاور کے گردونواح کے گاؤں میں مولویوں سے مناظرے کئے اور مباحثے کئے۔اسلامیہ کالج پشاور کے ہوسٹل میں اتوار کے دن جا کر نوجوانوں کو تبلیغ کی اور کافی تعداد میں طالب علموں نے احمدیت قبول کی۔الحمدللہ علیٰ ذالک ۔ہمارا گھر بمقام ہوتی ضلع مردان جسکا نام دارالافضال رکھا تھا۔خاکسارہ نے اسی گھر میں آنکھ کھولی ،پلی بڑھی،کھیلی کُودی،تعلیم حاصل کی ۔تربیت پائی اور شادی ہوکر اُس گھر کو چھوڑا۔میرا بچپن قابل رشک تھا۔اتنا پیارا ماحول ،پیارومحبت ،دو دو مائیں ،بڑی امی سے دو بڑے بھائی اور ایک پیار کرنے والی بہن تھیں ۔بڑے بھائی کی شادی اُسوقت ہوئی تھی کہ میری عمر 3 سال تھی ۔بھابی چچا زاد بہن تھیں وہ بھی پیار کرنے والی پیاری اور ہنس مکھ تھیں،ہم بچوں سے بہت پیار کرنے والی۔ہمارا یہ گھر بہت ہی خوبصورت بنا ہوا تھا۔والدین کے اکثر دوست اور ملنے والے آتے تو گھر کو دیکھنے کی خواہش کرتے اورتعریف بھی کرتے ۔اس گھر کے دو حصے تھے،دونوں بالکل ایک جیسے بنوائے تھے۔حتی کے درخت بھی ایک جیسے لگوائے تھے،ایک گھر دوسرے گھر کی تصویر تھی۔والد صاحب نے گھر کافی سوچ سمجھ کر نہایت دور اندیشی اور انصاف سے بنوائے تھے۔ہماری بڑی والدہ صاحبہ حضرت والد صاحب ؓ کی چچا زاد تھیں اور قاضی خاندان سے تعلق تھا۔یہ دو بہنیں تھیں کوئی بھائی نہیں تھا۔انکی بڑی بہن دوسرے چچا کے بیٹے سے بیاہی تھیں اورقاضی محلہ میں رہتی تھیں۔اُنکے باقی رشتے دار بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔والد صاحب اور چچا جان احمدی ہونے کی وجہ سے اُنکے منظورنظر نہیں تھے اور جب بھی موقع ملتا مخالفت پر اُتر آتے۔جب والد صاحب نے اپنی ہی زمین میں الگ مسجد بنوانی چاہی۔تو انھی رشتے داروں کی ایماء پر ساتھ والے پڑوسیوں کو جھوٹ پر اُکسایا کہ جھوٹا مقدمہ دائر کروائیں کہ یہ زمین اُنکی ہے کچھ عرصہ مقدمہ چلا۔آخر جھوٹوں کو شکست ہوئی اوروالدصاحب نے ایک خوبصورت مسجد تین کمروں اور برآمدے اور پکّی صحن کے بنوائی۔مسجد کے بائیں طرف کی زمین میں تین بڑے بڑے کمرے ایک غسل خانہ و باورچی خانہ اور برآمدے پر مشتمل ایک مہمان خانہ سا بنوادیا،مسجد اورمہمان خانہ کوا لگ الگ کرنے کےلئیا یک چھوٹی سی جالی دار سیمنٹ کی دیوار بنوائی تھی اور ایک عدد کنواں بھی کھدوایا تھا۔سنا تھا کہ اس کنویں میں والد صاحب نے نمک ڈلوایا تھا،گلی کے لوگ بہت شوق سے کنویں کا پانی لے کر جاتے تھے۔جب نمازوں کے اوقات کے علاوہ گلی کا دروازہ کھلتا۔مسجد کی صفائی اورحفاظت کے لیے ہمیشہ ایک احمدی خادم مہمان خانہ کے حصہ میں رہائش

رکھتا اور مسجد کی صفائی اور حفاظت کا خیال رکھتا۔ مہمان خانہ میں اکثر احمدی احباب آ کر رہتے جنکے کھانے پینے کا انتظام ہمارے گھر سے آتا ،مہمان خانہ میں صاف ستھرے بستر مہمانوں کے لیے موجود ہوتے ۔بچپن میں مجھے یاد ہے کہ کئی دفعہ نوکر چھٹی پر گیا ہوتا اور مہمان حجرے میں موجود ہوتے تو میں بھی گھر کی ملازمہ کے ساتھ مہمان کا کھانا لے جانے میں مدد کرتی یا صبح ناشتہ لے جاتے وقت دودھ لے جایا کرتی۔بعض اوقات کسی احمدی کو نوکری کے سلسلہ میں مردان رہنا پڑتا اور کوئی اور رہائش نہ ملتی تو ہمارے مہمان خانے میں مہینوں رہتے اور ہمارے گھر سے کھانا جاتا۔والد صاحب کو ہمیشہ پھل دار پودا لگانے کا شوق تھا،مسجد کے بڑے گیٹ کے سامنے امرود کا درخت اور انگور کی بیل لگوائی تھی۔اور ایک کھجور کا درخت بھی لگوایا تھا۔صوبائی امیر ہونے کی وجہ سے حضرت والد صاحب پندرہ دن پشاور میں گزارتے یا دوروں پر ہوتے۔کوہاٹ ،بنوں ،ڈیرہ اسماعیل خان اور ہری پور ہزارہ،ایبٹ آباد ،مانسہرہ اور انکے علاوہ بے شمار گاؤں میں جانا پڑتا۔کسی کی وفات پر جنازہ پڑھانے کیلئے بھی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ آپ پہنچ جائیں اور جنازہ پڑھائیں۔

پشاور میں آپ کا اپنے گھر کے نچلے حصے میں ایک بڑا سا کمرہ تھا۔جس میں آپ رہائش رکھتے ،دوست احباب سے ملاقات کرتے اور اپنی لائبریری میں بیٹھ کر تصنیف کا کام کرتے ۔آپ کا یہ گھر مسجد احمدیہ پشاور کے ساتھ ہی جڑا ہوا تھا۔مسجد احمدیہ پشاور آپ نے بڑی تگ ودو اور مخالفت کے طوفان میں تعمیر کروائی گئی تھی۔یہ مخالفت صرف غیر احمدیوں کی نہیں تھی بلکہ غیر مبایع اور شیعہ حضرات کی بھی تھی۔بحر حال اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے اور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی محنت قبول کی اور مسجد احمدیہ کے مناروں سے آپ نے اذان کی آواز بلند کی۔الحمدللہ علیٰ ذالک۔چنانچہ پشاور میں موجودگی کے دنوں میں نمازیں پڑھانا اور خطبات جمعہ اور درس قرآن آپ دیا کرتے تھے۔اسی مسجد کے احاطے میں مربی سلسلہ کی رہائش کا انتظام تھا۔حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ نے بھی لمبا عرصہ پشاور میں گزارا اور احباب جماعت پشاور کی تربیت فرمائی۔میں اپنے رہائشی خوبصورت گھر کا ذکر کرتے کرتے مسجد ہوتی اور مسجد پشاور محلہ گلباد شاہ جی کا ذکر اسلئے لائی کہ حضرت والد صاحب کا حال اس سچے مومن کا تھا،جنکا دل مسجد میں اٹکا رہتا تھا۔مردان تشریف لاتے تو مردان میں احمدیہ مسجد بکٹ گنج روزانہ جاتے اور مردان کے احباب سے ملاقات کرتے اور مردان کے قریبی گاؤں کے احباب کی خبر گیری کرتے ۔کہیں کوئی وفات ہو تو چاہے کچا راستہ ہونے کی

وجہ سے پیدل جانا پڑتا لیکن جنازہ پڑھانے جاتے ۔چنانچہ وفات سے چند دن پہلے محترم دلاور خان صاحب کی وفات 'چار باغ' کے گاؤں میں ہوئی۔تو ان دنوں میں میرے شوہر ڈاکٹر بشیر احمد صاحب چونکہ مردان آئے ہوئے تھے۔اسلئے ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ،حضرت والد صاحب کے ہمراہ محترم دلاور خان صاحب کے جنازے پر اکٹھے گئے اور جنازہ پڑھانے کے بعد اسی دن واپس آئے۔اکثر گاؤں میں پچاس ساٹھ سال پہلے بس وغیرہ کافی دور کھڑی ہوتیں اور مسافروں کو لمبی مسافت پیدل طے کر کے منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتا۔

حضرت والد صاحب نے کبھی بھی اپنے کسی سفر کی تکلیف کا اس رنگ میں ذکر نہیں کیا۔تھکاوٹ تو ضرور ہوتی ،رات کو پسند فرماتے اگر بیوی بچوں میں سے کوئی انکی ٹانگیں دبائے۔

اگر چہ آپ نے اپنی جوانی میں کئی دفعہ مردان سے پشاور کا سفر پیدل کیا اور پشاور کے گاؤں میں جاتے ہوئے لمبے سفر پیدل کئے۔ہزارہ میں اکثر پہاڑی علاقوں میں پیدل جاتے۔آپنے ایک دفعہ یہ ذکر کیا کہ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ پودینے چٹنی ہو اور مکئی کی روٹی ہو۔اتنے میں کہتے ہیں کہ ایک صاف ستھرے پتھر پر کسی نے جنگلی پودینے کی چٹنی بنا چھوڑی تھی اور مکئی کی روٹی بھی تھی۔آپ نے فرمایا کہ ارد گرد کوئی نظر نہیں آیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہ چٹنی اور روٹی کھائی۔ہزارہ کے علاقے میں ان دنوں میں چکی کے آٹے میں اکثر کنکر ہوتے تھے جو روٹی چباتے وقت دانتوں کے نیچے آتے تھے۔لیکن اس روٹی میں کوئی کنکر محسوس نہیں ہوا۔

حضرت والد صاحب نے خدا کے گھروں کی تعمیر میں ہر طرح نامساعد حالات کا شیر بن کر مقابلہ کیا۔پشاور شہر کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں دشمنوں کے منصوبے یہ تھے کہ آپ کو اس میں اذان نہیں دینے دیں گے۔انہی دنوں آپ کے بھائی نے سفر پر جانے سے پہلے اپنی بندوق آپ کو دی کہ آپ اپنے پاس رکھ لیں۔آپ گھر جا رہے تھے بندوق آپ کے ہاتھ میں تھی۔ایک معاندے نے آپکو دیکھ لیا تو پوچھا کہ قاضی صاحب! آپ بندوق کہاں لے کر جا رہے ہیں؟آپنے جواب دیا کہ گھر لے کر جا رہوں کام کی چیز ہے۔وہ معاند گھبرا کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جنکا ارادہ تھا کہ جونہی مسجد میں اذان دی جائے تو وہ مسجد پر حملہ کریں۔بندوق دیکھ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ حملہ کا ارادہ جان لیوہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس نے خود قاضی صاحب کو اپنے گھر اسلحہ لے جاتے دیکھا ہے۔اس طرح اللہ نے دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا۔اسی طرح مسجد سول کوارٹرز کی تعمیر کے موقع پر بھی شر پسندوں کا ہجوم

آیا۔آپ کواطلاع دی گئی،آپ مسجد سے نیچے اتر گئے انکے سرغنے سے بات چیت کی اور انکا جوش سرد پڑ گیااور وہ واپس چلے گئے۔۔حوالہ نیچے درج ہے۔کوہاٹ ،بنوں ،ڈیرہ اسماعیل خان،ایبٹ آباد،مانسہرہ میں مساجد بنوانے کی کوشش کی جہاں احباب کا پرخلوص تعاون شامل تھا،وہاں کامیابی ہوئی۔ایبٹ آباد کی مسجد کے لئے زمین خریدی اور اپنی خریدی ہوئی زمین میں سے کچھ حصہ دے دیالیکن وہ مسجد نہ بن سکی جسکا آپکو افسوس رہا۔صوبہ سرحد میں جہاں آپ نے مساجد بنوائیں ان شہروں میں احمدیہ قبرستان کیلئے بھی زمینیں خریدیں ۔پشاور میں بھی قبرستان کیلئے زمین خریدنے میں تگ ودو کی۔پشاور کے احمدیہ قبرستان کے لئے زمین خریدی اور چار دیواری بھی کروائی۔اس قبرستان میں کئی اولین بزرگ دفن ہیں،ان حضرت مولوی محمد الیاس خان رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔آپ موصی تھے لیکن قادیان لے جانا ناممکن ہو چکا تھااور ربوہ ابھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔اسلئے پشاور کے احمدیہ قبرستان میں دفن کروایا۔بحوالہ:۔قاضی سعود احمد۔(اوپر کا واقعہ مکرم کرنل نذیر احمد برادرِ اصغر محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب نے قاضی مسعود احمد کو اپنا چشم دید سنایا ہے جبکہ مکرم نذیر احمد صاحب اس وقت خدام میں شامل تھے اور مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں وقارِ عمل فرما رہے تھے۔)حضرت والد صاحب قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی احمدی کی زندگی کا ہر لمحہ با مقصد گزرا۔انہوں نے جوانی کی عمر میں 1902ء میں 18 سال کی عمر تھی کہ احمدیت قبول کی اور احمدیت کی سچائی پر تادمِ واپسی قائم رہے اور زندگی کا ہر لمحہ تبلیغ دین اور احباب جماعت کی تربیت کی فکر میں گزرا۔اور خلیفۃ المسیح کے ہر حکم کو آگے پہنچانے کی کوشش کی۔پمفلٹ اور رسائل و مضامین اور خطبات کے ذریعے خلیفۂ وقت کا پیغام احباب جماعت کو پہنچایا۔اردو ،فارسی اور پشتو کا کلام صرف احمدیت کی تائید و تبلیغ ہے۔جماعت کے ہر فرد کی تربیت کرتے ہوئے آپ اپنی اولاد اور ازواج کو نہ بھولے۔اور انکے علاوہ اپنے بھائی کے گھرانے کی تربیت کا بھی خیال رکھا۔اپنی دونوں بیویوں اور بچوںکے لئے مکانات کی تعمیر کرواتے وقت عقل اور تدبر سے کام لیا اور نہایت دوراندیشی سے ہر پہلو پر غور کر کے تعمیر کروایا ہوگا۔

اب جب میں سوچتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں کہ اپنے تربیت اور سہولت کو مدنظر رکھ کر اور دونوں بیویوں کی خوشی اور حق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ گھر ایسی جگہ تعمیر کروائے کہ ایک ایسی زمین خریدی جو گلی محلوں سے دور بھی تھی اور نزدیک بھی تھی۔لمبائی میں کوئی چار کینال ہو ایک سرے کے قریب کوئی چار قدم پر چچا جان کا دروازہ تھا اور سامنے لمبی سی گلی میں چچا جان کے زمیندار اور کچھ غریب ہمسائے

تھے۔گلی کے آخر میں والد صاحب کی اپنی بنوائی ہوئی مسجد اور حجرہ تھا۔جسکے ساتھ جڑے ہوئے والد صاحب کے مکانات تھے جوکرایہ پر دیے ہوئے تھے اور کچھ چچا جان کے تھے۔گھر کا جودوسرا حصہ تھاوہ کھلے میدان اور کھیتوں کی طرف تھا۔کوئی 200 گز پر پکی سڑک گزرتی تھی۔گویا کہ اس زمانے میں یہ حصہ محلہ سے دور تھا ،سامنے کھیت تھے۔مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ نقشہ کس عمارت سے متاثر ہوکر والد صاحب نے بنوایا ہوگا۔مغلیہ دور کی عمارات کی ہلکی سی جھلک بھی تھی۔سامنے کی لمبائی میں 3 بڑے کمرے ایک طرف بیچ میں سیڑھیاں چھت کو جانے والی آرام دہ اور چوڑی۔ساتھ جڑی ہوئی دوسرے گھر کی سیڑھیاں اور تین بڑے بڑے کمرے،آخر میں غسل خانے کمروں کے آگے کوئی 10 فٹ چوڑا طویل برآمدے ایک سرے سے دوسرے گھر کے آخری سرے تک۔اس خوبصورت سرخ اینٹوں والے برآمدے کوآٹھ عدد گول ستونوں نے سہارا دیا تھا۔ستونوں کے درمیان محراب بنے ہوئے تھے۔ان ستونوں کوسرخ سیمینٹ سے پلستر کروایا گیا تھا۔برآمدے سے ہر کمرے کے سامنے اترنے کے لئے تین تین سیڑیاں بنی تھیں۔گھر کواونچا کرکے بنوایا گیا تھا۔برآمدے کے نیچے کوئی 5 فٹ چوڑی سرخ اینٹوں کی لمبی سی پٹی یا فٹ پاتھ بنوایا تھا۔اسکے بعد دونوں گھروں میں اپنے اپنے چوکور صحن تھے۔دونوں گھروں کوالگ الگ کرنے کے لئے درمیان میں چوڑائی میں کوئی آٹھ فٹ پکی سڑک جیسی سرخ اینٹوں کو برآمدے سے لے کر کنویں تک بنوائی تھی۔اینٹوں کے اس سڑک کے دونوں طرف لکڑی کے مضبوط شہتیر لگوا کران پرلکڑیوں کی چھت بنوائی تھی۔جس پرانگور کی بیلیں چڑھائی تھیں۔انگور کے موسم میں یہ واقعی انگور کی چھت نظر آتی جسمیں سے سبز اور کالے خوشے لٹکے ہوئے بہت اچھے لگتے تھے۔گرمیوں میں دونوں طرف کی خواتین انگور کی بیلوں کے نیچے چارپائیاں ڈال کر بیٹھتی اور سلائی کڑھائی میں مشغول ہوتیں اور پیارو محبت کا ماحول ہوتا۔اس بڑے برآمدے کے بالکل سامنے کے دوسری طرف ایک طویل برآمدہ بنوایا تھا۔اسکے بھی چار محراب اور چار ستون ایک طرف اور چار محراب اور چار ستون دوسری طرف تھے۔اس برآمدے کے بیچوں بیچ دو دو غسل خانے بنے تھے،اور ایک سرے پر باہر جانے کا بھی راستہ تھا۔جسکا ایک ایک دروازہ صحن میں کھلتا اور پھر ڈیوڑھی اور پھر باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ بنوایا تھا۔کوئی غیر مرد بآسانی اندر نہیں آسکتا تھا۔

دونوں گھروں میں برآمدے سے اتر کر ایک باورچی خانہ اور لمبا سا گودام بنوایا تھا گویا دونوں باورچی خانے طویل فاصلے کے باوجود آمنے سامنے تھے۔دونوں

گھروں کے صحن میں دو بڑے بڑے تالاب بنوائے تھے۔اس خیال سے کہ نلکوں میں پانی آئے گا تو تالاب میں بچے گرمی میں نہالیں گے۔کنویں سے بھی نل کے ذریعہ تالاب میں پانی پہنچانے کا انتظام تھا۔یہ مکان 1936ء میں بنوایا گیا تھا۔والد صاحب نے شروع میں ان تالابوں میں سنہری مچھلیاں ڈلوائیں تھیں جو غالباً پل نہ سکیں۔اور تالاب کو بھروانا اور اس میں نہانا بھی زیادہ دیر نہ چل سکا۔کیونکہ ایک طرف کے بچے تو بڑے تھے اور دوسری طرف کے بچے بھی کھیل اور نہانے کے شغل سے بیزار ہوگئے۔والد صاحب نے دائیں طرف والا گھر بڑی والدہ صاحب اور انکے بچوں کو دیا تھا جو گلی کے نزدیک تھا۔اور قاضی محلہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔بڑی والدہ صاحبہ بسہولت اپنی بہن اور دوسرے رشتے داروں سے ملنے جاسکتی تھیں۔چچا جان کا گھر بھی چار قدم پر تھا اور چچا جان کی بڑی بیٹی کی شادی بڑی امی کے بیٹے محمود احمد صاحب سے ہوچکی تھی۔چچا جان اور بڑی امی آپس میں چچازاد تھے۔چنانچہ بڑی امی جان کو گھر کا دائیاں حصہ ملا تھا۔گلی کی طرف انکا ایک دروازہ باہر جانے کے لئے تھا۔پھر ایک لمبی ڈیوڑھی اور ایک اور دروازہ جو گلی میں کھلتا تھا۔اس لمبی سی ڈیوڑھی کے اوپر لڑکوں کے لئے علیحدہ بیٹھک تھی۔جسمیں انکے عزیز رشتہ دار یا وہ دوست آتے جن سے گھر والوں کا پردہ ہوتا۔والد صاحب کا اپنا کمرہ بائیں طرف والے گھر کے آخر پر تھا غسل خانہ اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔اور انکی نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا۔انکا خوبصورت پلنگ اور ساتھ ہی جڑا ہوا سرہانے کی طرف بڑا سا سٹڈی ٹیبل ہوتا تھا اسکے اوپر قلمدان میں دو دوات سیاہی کے ہوتے۔اور ہولڈر نما پن ہوتے تھے۔میز پر انکے لکھنے لکھانے کے رجسٹر پڑے ہوتے تھے۔یا ذیر مطالعہ کتاب اور قرآن شریف کے نسخے پڑے ہوتے۔آپ اپنے کمرے میں سے نکل کر جب بھی باہر مسجد یا کہیں بھی جاتے تو بڑی امی کے گھر سے ہوکر جاتے انکی خیریت دریافت کرتے اور اپنے بیٹوں پر نظر رکھتے اور صبح کی نماز کے لئے جاتے ہوئے خود انکو آواز دے کر اٹھاتے۔اذان کے لئے بھائیوں کی باری مقرر ہوتی۔اگر بھائی نماز میں سستی کرتے یا وقت پر نہ پہنچتے تو آپ سختی سے پیش آتے اور نصائح کرتے۔بڑے بھائیوں کی تربیت کی خاطر انکو قادیان پڑھنے کے لئے بھیجا۔خدا کے فضل سے بڑے بھائی کی تین بیٹیاں مخلص احمدی خاندانوں میں بیاہی ہیں۔اور انکی اولاد بھی جماعت سے محبت اور اخلاص کا تعلق رکھنے والی ہیں۔الحمدللہ ہماری بڑی بہن جو ہماری بڑی والدہ صاحبہ کی اکلوتی بیٹی تھیں انکے بچے بھی نیک اور مخلص احمدی ہیں۔آپ جب باہر سے بھی گھر آتے تو تب بھی بڑی امی کے گھر کے راستے سے ہو

کر گھر آتے۔مکان نمبر 2:۔حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کی دوسری شادی حضرت محمد الیاس صاحب کی دوسری بیٹی سے 1924ء میں ہوئی۔آپکا نکاح قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔حضرت مولوی محمد الیاس صاحب نے 1909ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کے زمانے میں بیعت کی تھی۔آپ نیک ،متقی اور پارسا احمدی تھے۔اور بہترین داعی الی اللہ تھے،آپکا تعلق چارسدہ سے تھا۔احمدیت قبول کرنے کے بعد مولویوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے آپ کوئٹہ بمع اہل واعیال تشریف لے گئے۔آپکے بھائی وہاں پہلے سے جا کر رہائش اختیار کر چکے تھے۔کوئٹہ میں آپ عرائض نویس تھے۔

آپکو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے نوازا تھا۔جن میں ہماری والدہ صاحبہ (حضرت قاضی صاحب کی دوسری بیوی) کا دوسرا نمبر تھا۔آپ کے گھر کا ماحول بہت پاکیزہ تھا۔اپنے اپنی اولاد کی بہت اعلیٰ تربیت کی ،بیٹیوں کو گھر ہی اردو ،فارسی پڑھائی سکو قرآن شریف باترجمہ پڑھائی اور ہر لحاظ سے سگھڑ ماحول میں پروان چڑھیں ۔بیٹے بھی نیک اور مخلص احمدی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔آپکے دو چھوٹے بیٹے محترم عبد السلام خانصاحب (والد صاحب ڈاکٹر حامد اللہ خان) تھے۔دوسرے بیٹے عبد القدوس خانصاحب سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔دونوں بھائی خادم دین اور مخلص احمدی تھے(محترم عبد القدوس صاحب پشاور کے امیر بھی رہ چکے تھے)۔حضرت مولوی الیاس صاحب کی وفات 1948ء میں پشاور میں ہوئی تھی جنازہ کے موقع پر حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ موجود تھے اپنے حاضرین کو فرمایا کہ اگر کسی نے ولی اللہ کو دیکھنا ہوتو انکا چہرہ دیکھ لیں۔ہماری دوسری والدہ صاحبہ جنکا نام کلثوم بیگم تھا انکو حضرت والد صاحبؓ نے نہایت دور اندیشی سے بائیں طرف والے مکان میں رکھا تھا۔اس مکان کے تین کمروں میں سے والد صاحب کا کمرہ آخری کمرہ تھا۔درمیانی کمرے میں بچے اور ہماری والدہ صاحبہ ہوتیں تھیں۔تیسرا کمرہ بڑے بھائی قاضی بشیر احمد کو دے رکھا تھا۔جو ہم چار بہنوں میں سب سے بڑے بھائی تھے۔چھوٹے بھائی قاضی محمد سعود احمد تین بہنوں کے بعد پیدا ہوئے اور پھر ایک چھوٹی بہن بنام قدسیہ نسرین ہیں۔بڑی والدہ صاحبہ کے بچے بڑے تھے بڑے بھائی اور بہن کی شادی ہو چکی تھی۔ایک بھائی کی شادی 1955 میں ہوگئی لیکن ہم سب ابھی چھوٹے تھے۔اور ماں باپ دونوں کی تربیت اور توجہ چاہتے تھے اسلئے والد صاحب نے اس گھر میں رہائش رکھی۔لیکن ان بچوں سے بھی کبھی غافل نہ ہوئے بلکہ باہر جانے کی آمدورفت انکے گھر سے

ہی کرتے۔ یہاں تک کے چچا قاضی محمد شفیق صاحب کے گھر کی خبر بھی رکھتے کیونکہ انکی بیوی 1941ء میں فوت ہو گئیں تھیں۔اور دو بڑی بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑ گئیں۔سب سے چھوٹا بیٹا ابھی 3 سال کا تھا۔اپنے ہمیشہ ان بچوں کا خیال رکھا اور انکی تربیت کی بھی کوشش کی۔جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انکی نسل خدا کے فضل سے نیک اور مخلص احمدی ہے۔محترم قاضی محمد شفیق صاحب کی بڑی بیٹی ہمارے بڑے بھائی قاضی محمود احمد صاحب سے 1944ء میں بیاہی تھیں۔انکی کوئی اولاد نہیں ہے ایک لڑکا گود لیا تھا۔وہ بھی خدا کے فضل سے احمدی ہے آپکے بڑے بیٹے قاضی محمد اسماعیل صاحب مرحوم سے ہماری چھوٹی بہن قدسیہ نسرین کی شادی 1967 میں ہوئی۔تین بچے ہیں،تینوں ہی نیک اور مخلص احمدی ہیں۔دوسرا بیٹا قاضی محمد اسرائیل 3 قاضی محمد ایوب اور 4 قاضی محمد قاسم جان۔ان سبکی اولاد مخلص احمدی ہے۔الحمد للہ ،ہماری والدہ صاحبہ نیک اور مخلص احمدی خاتون تھیں۔نہایت لائق،قابل،بہترین منتظمہ اور مہمان نواز تھیں۔ہر کام میں سلیقہ میں بچپن سے دیکھتی آرہی تھی۔جو کام بھی کرتیں نہایت سلیقے اور لگاؤ سے کرتیں۔ بہترین اخلاق کی مالک تھیں،اگرچہ آپ کا تعلق اس خاندان سے نہیں تھا،جس سے بڑی والدہ صاحبہ کا تھا۔لیکن آپکے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیا ور قاضی خاندان کی خواتین آپ سے میل جول اور پیار و محبت سے پیش آتیں۔آپ سے اپنے مسائل کے مشورے لیتیں اور آپ ہر ایک کے راز کو اپنے تک محدود رکھ کر اُنکو مشورے دیتیں۔اُنکی مہمان نوازی کرتیں۔

ہماری والدہ صاحبہ نے بڑی والدہ صاحبہ سے بڑی بہن کا سلوک رکھا۔بڑی والدہ صاحبہ اپنے ضروری مسائل میں والدہ صاحبہ سے مشورے لیتیں اور اس پر عمل کرواتیں۔ہر شام ہم بہنیں اور والدہ صاحبہ اُنکے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔اور وہ ہمیں قاضی خاندان میں گزرے ہوئے واقعات سناتیں۔کبھی وہ ہماری طرف آجاتیں۔اُنکے بچوں کی ہم سب عزت کرتے اور بڑے دونوں بھائی اور بہن ہم سے پیار کا سلوک کرتے۔

سردیوں کے دنوں میں سب سے بڑے بھائی قاضی محمد احمد مرحوم چلغوزے لے آتے۔اور ہم سب مل کر کھاتے۔اُنکو جب بھی تنخواہ ملتی ہم کو چمکتا ہوا چاندی کا روپیہ دیتے۔بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔اُنکی بیوی قاضی خاندان میں سے تھیں۔احمدی تھیں اور بہت عزت کرنے والی سلجھی ہوئی عادات کی مالک تھیں۔وہ تقریباً میری ہم عمر یا شاید کچھ چھوٹی ہونگیں لیکن بچپن میں بھی کبھی نہیں لڑتی تھیں۔اور شادی کے بعد ہم سب میں گھل مل گئیں۔ہمارے والد صاحب کی ہی تربیت کا نتیجہ تھا کہ

ہمارا پُرسکون تھا۔ ہر بچے سے پیار کیا جاتا اور ہر بڑے کی عزت اور فرمانبرداری ہوتی۔ ہماری بڑی والدہ صاحبہ بھی محلے کی خواتین کیساتھ اچھا سلوک کرتی تھیں۔ چونکہ محلہ بھر میں کنواں ہمارے گھر میں تھا یا پھر چچا جان کے گھر کنواں تھا ۔ہماری بڑی والدہ صاحبہ کے گھر کا دروازہ کُھلا رہتا تھا۔ محلے کی عورتیں آ کر کنویں سے پانی نکالتی تھیں اور گرمیوں کے دنوں میں کنویں کے کنارے تُوت کے درخت کے گھنے سائے میں ستانے بیٹھ جاتیں۔ اور ہماری والدہ صاحبہ کے ساتھ اپنے گھریلو مسائل زیرِ بحث لاتیں اور مفید مشورے لیتیں ۔ بڑی والدہ صاحبہ محلے کی چھوٹی بچیوں کو قرآن کریم پڑھاتیں۔

ہماری والدہ صاحبہ جنکو ہم اماں جی کہتے تھے۔ اماں جی کا سُگھڑاپا اور سلائی میں مہارت اور نہایت نفیس کڑھائی اور بُنائی میں مشہور تھیں۔ اپنے خاندان کی کئی لڑکیوں کو شلوار قمیض کاٹنا اور سلائی کرنا سکھایا۔ بہت باریک اور اعلیٰ کڑھائی کرنا جانتی تھیں اور دوسروں کو سکھاتی تھیں۔ کپڑوں پر موتی اور ستارے ٹانکنا، سلمے کا نفیس کام، اور سویٹر، جراب اور دستانے بُننا سب کچھ اماں جی کو آتا تھا۔ اور دوسری لڑکیوں کو بھی سکھاتی تھیں۔ اور اپنی بیٹیوں کو بھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں بہت شوق سے اماں جی اور بڑی بہن کے سلائی کے شاہکار دیکھتی تو دل میں سوچتی کے میں کب بڑی ہونگی

کہ یہ سب کچھ کر سکوں ۔ 9۔10 سال کی عمر ہوگیکہ امی نے مجھے کروشیا کرنا سکھایا اور چھوٹی چھوٹی سلائیاں جن سے جراب بُنے جاتے ۔اُن ن سے سویٹر بُننا سکھایا۔ بڑی بہنوں کو فارغ اوقات میں سلائی کڑھائی کرنے پر حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتیں ۔ بڑی امی کی دونوں بہوؤں کو بھی ہر قسم کی سلائی سکھائی۔ ہماری والدہ صاحبہ پورے خاندان میں ذہین اور قابل مشہور تھیں۔ میری بڑی بہن بی بی عائشہ بیگم صاحبہ کو بھی اپنے نقشِ قدم پر چلایا۔ وہ ہماری نانی اور خالاؤں تک کے لئے سلائی اور کڑھائی کرتیں رہیں۔ ہاتھ میں نفاست تھی ۔ باریک کڑھائی سے خوبصورت پھول بناتی تھیں ۔ میں نے اپنی نانی جان صاحبہ کے دوپٹے کے لئے لیس بنائی اور دوپٹے پر کڑھائی بھی کر دی تو وہ بہت خوش ہوئیں اور اپنی دوسری نواسیوں کو دکھایا۔ کہ دیکھو اُس نے چھوٹی عمر میں اتنا اچھا کام کیا۔ غرضیکہ ہماری والدہ صاحبہ کا نیکی اور تقویٰ خاندان بھر میں مشہور تھا۔ اور کھانے پینے میں اُنکی مہارت، غرضیکہ گھر کا ہر قسم کا کام نہایت سلیقے سے کرتی تھیں ۔ ہماری والدہ صاحبہ وقت کی بہت پابند تھیں ۔ چونکہ حضرت والد صاحب کا وقت بہت ہی قیمتی تھا۔ آپ ناشتہ کرنے کے بعد اکثر اوقات تو سلسلہ کے کاموں کے سلسلے میں گھر سے باہر چلے جایا کرتے تھے۔ مسجد احمدیہ یا احمدی احباب سے ملنے ملانے ۔ بیمار پُرسی اور بیواؤں کی خبر

گیری کرنے نکل جایا کرتے تھے۔والدہ صاحبہ دوپہر کا کھانا 12 بجے تک تیار کرلیا کرتی تھیں۔اور والد صاحب سے ملنے اگرکوئی آجاتا تو والد صاحب کی عادت تھی کہ مہمان کوفوراً ہی چائے شربت بھجوادی جائے۔اگرکھانے کا وقت ہوتوفوراً کھانا بھیجا جائے۔اُس زمانے میں فریج کی سہولت موجودنیں تھی۔ہرکھانا تازہ پکتا۔لیکن اماں جی کوجلدی اور اچھا کھانا تیارکرنے میں مہارت تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں بُھنا ہوا چوزہ تیار ہوجاتا اور ساتھ گرما گرم روٹی نہایت اہتمام سے مہمان کوپیش کرنے کے لئےبھجوادیا جاتا۔

ہماری نانی جان صاحبہ جوحضرت مولوی محمد الیاس صاحب کی بیوہ تھیں۔وہبھی بہت نیک،تقویٰ شعاراور سُگھڑ خاتون تھیں۔مجھے یاد ہے کہ وہ تہجد میں بہت گریہ وزاری کرتیں اور میں اکثر جاگ اُنکو دیکھتی اور پھران سے دعا کی درخواست کرتی۔وہ ہمیشہ نماز کے لئے پاک صاف کپڑے پہنا کرتیں۔اُنکے چہرے پرنور برستا تھا۔ہماری سب سے چھوٹی خالہ جان جن کا نام جمیلہ تھا وہ نوجوان فوت ہوئیں۔اُنکا بچہ دوسال کا تھا۔جسکی دیکھ بھال آپ کررہیں تھیں۔اُس بچے کےساتھ اتنی محبت کرتیں کہ ہم سب حیران رہ جاتے۔اُسکو ہرصبح نہلا کر اُسکے چہرہ اورجسم پر کریم لگاتیں۔اورنہایت شفقت اورمحبت سے اُسے تیار کرکے ناشتہ کرواتیں۔اُسکو دعائیں اور نماز سکھاتیں۔اسطرح اُسکوبچپن میں صاف ستھرا رہنےاورتقویٰ کی راہوں پر چلنے کی تربیت دی۔خدا کےفضل سے اب وہ بچہ نیک اور متقی ہےانکا نام محمد عالم درّانی ہےاور ہمارے بڑے بھائی قاضی بشیر احمد کی بڑی بیٹی سے شادی ہوئی اور تین بچے ہیں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔یہ سب بچے نیک اور مخلص احمدی ہیں۔ہماری نانی صاحبہ مرحومہ جب کبھی ہمارے گھر تشریف لاتیں تو ہم سب انکی عزت کرتے حضرت والد صاحبؓ سے عمر میں چھوٹی ہوں گیں لیکن والد صاحب انکی بہت عزت اوراحترام کرتے۔کئی دفعہ میں نے دیکھا ک انکے کھانے کی ٹرے تیار ہوتی تو والد صاحب خود وہ ٹرے اٹھا کر انکے سامنے رکھتے اور بات چیت بہت مختصراً اور با ادب کیا کرتے۔ہماری نانی جان صاحبہ بہت ہی خوش شکل اورخوش مزاج خاتون تھیں ہم سب انکے آجانے سے خوش ہوتے۔چھ جوان بچوں کا غم دیکھ چکی تھیں لیکن بہت کم ذکر کرتیں البتہ اپنی چھوٹی بیٹی جمیلہ کا کبھی کبھار ذکر کردیا کرتیں تھیں انکی تمام اولاد نیک اور متقی تھی لیکن اس بیٹی کا تقویٰ میں بہت اونچا مقام تھا۔انکی وفات پر انکی نیکی اور تقویٰ کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطبۂ جمعہ میں فرمایا۔آپ موصیہ تھیں،بہشتی مقبرہ قادیان میں آپ کے نام کا کتبہ موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان بزرگوں کی

نیک، متقی اور مخلص احمدی نسل اس دنیا میں قائم رکھے اور انکی دعائیں ہمارے حق میں قبول فرمائے آمین۔

حضرت والد صاحبؓ ہر مظلوم کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے خصوصاً بیواؤں اور یتیموں کا بہت خیال رکھتے۔غیر احمدی رشتہ داروں میں تین بیوہ خواتین کو میں جانتی ہوں اور یاد ہے کہ جب بھی ان میں سے کوئی گھر میں آ جاتیں تو والدہ صاحبہ انکی ہر طرح دلجوئی اور مہمان نوازی کرتیں۔لیکن والد صاحبؓ پھر بھی مزید تاکید فرماتے کہ انکی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ رہے۔حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد یہ علم ہوا کہ والد صاحب انکی خیریت جاننے کے لیے انکے دروازے پر جایا کرتے اور اگر کسی چیز یا دوائی کی ضرورت معلوم ہوتی تو وہ مہیا فرما کر بجھواتے۔حضرت والد صاحب کا پر رعب وجود دونوں گھروں کے لئے ایک سایۂ رحمت تھا۔بچوں سے پیار و شفقت کرتے تھے لیکن خلاف شرع یا کسی قسم کی بدتمیزی برداشت نہیں کرتے تھے۔کبھی کسی چھوٹے نے بڑے کی گستاخی کی تو سختی سے خبر لیتے۔لیکن بچوں کے کھیل کود سے ناراضگی کا اظہار نہ کرتے۔لیکن ہماری ہر حرکت سے باخبر رہتے۔ایک دفعہ میں کتابیں کھولے بیٹھی ہوئی تھی اور سلیٹ پر گڑیا بنا رہی تھی، مجھ سے سلیٹ لیکر دیکھا تو مسکرا کر فرمایا کہ گڑیا اچھی بناتی ہے کیا سکول کا کام کر چکی ہو؟ میں دل میں ڈر گئی تھی کہ ڈانٹ پڑے گی۔میری لکھائی اتنی اچھی نہیں تھی۔تو میرے لئے خود قلم تراشا اور تختی پر لکیریں لگائیں اور پہلی لائن خوشخط لکھ کر دی کہ اب اس پر خشک قلم کر کے باقی تختی پر لکھو۔چھوٹے بھائی مسعود احمد کو بھی خوشخطی سکھائی۔حضرت والد صاحبؓ بہترین خوش خط تھے اور خطاطی بھی کر لیا کرتے تھے۔اپنے قلم خود تراش کر خوبصورت خطاطی میں الفاظ لکھ کر پھر انکے اردگرد نہایت مہارت سے خط کھینچ کر ان خالی جگہوں میں پھول بھر دیا کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو بھرپور استعمال کیا۔پراونشنل امیر جماعت ہونے کی ذمے واری بھی خوب نبھائی۔ہر ضلع سے باخبر رہے۔سال میں کئی دفعہ دو ڈھائی سو میل کا سفر کر کے احباب جماعت کی خبر گیری کرنے جایا کرتے ۔ایک طرف کوہاٹ ،بنوں ،ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں کے ساتھ سرائے نورنگ کے احمدیوں سے ملنے جاتے تو دوسری طرف ضلع ہزارہ میں ہری پور ،ایبٹ آباد، مانسہرہ اور بالاکوٹ تک جاتے۔بالاکوٹ کے محمد زمان صاحب کو بچپن سے بیٹا بنایا ہوا تھا۔اکثر انکے گھر ٹھہرتے، آپکی وفات کے بعد جب ہمارا وہاں جانا ہوا تو محمد زمان صاحب نے ہمیں بتایا کہ قاضی صاحب کو مجھ سے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پیار تھا۔انکی بیگم صاحبہ نے بتایا

کہ قاضی صاحب جب بھی ہمارے گھر تشریف لاتے تو ہمارے بچے نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر انکے سامنے جاتے اور سلام کرتے ، بچے کو حضرت قاضی صاحب انعام کے طور پر کچھ رقم دیتے۔

اسی طرح شمالی صوبہ سرحد کے قصبوں میں جہاں احمدی تھے۔ان سے بھی ملنے اور انکے حالات سے باخبر رہنے کیلئے جاتے۔ٹوپی صوابی ،اساعیلہ،بٹ خیلہ وغیرہ جاتے۔وہاں مخالفت زیادہ تھی اور راستے بھی رکاوٹوں اور کچی سڑکوں والے علاقے تھے۔

آپنے کبھی کسی وبا کے زمانہ میں بچاؤ کا ٹیکہ نہیں لگوایا ٹائیفائیڈ ،ہیضہ وغیرہ ہمیشہ اسی ایمان پر قائم رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام انکے حق میں پورا ہوگا اور ہمیشہ پورا ہوا۔

حضرت والد صاحب کی والدہ کو دو دفعہ طاعون کا پھوڑا ہوا تھا والد صاحب نے خود انکی تیمارداری کی انکو اپنے گھر لا کر انکا علاج کر وایا اور انکے لئے دردِ دل سے دعائیں کیں۔دونوں دفعہ اللہ تعالیٰ نے انکو شفا دی اور اسکے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت ،قربت اور تعلیم و تربیت کی برکت سے صحابہ کے گھر کے ماحول جنت نظیر تھے۔میں نے کبھی اپنے والد صاحب کو اپنی دونوں بیویوں سے اونچی آواز میں بات کر تے نہیں سنا۔دونوں مائیں جب بھی کوئی معاملہ پیش کر تیں تو الگ الگ ہو کر یا کمرے میں بات کر لیا کرتے۔

حضرت والد صاحب رسومات اور شرک برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ہم سب کی شادیوں پر کوئی مہندی وغیرہ کی رسم نہ ہوئی نہ ہی رخصتی کے موقع پر دولہا عورتوں میں آیا ۔باہر سے دولہا رخصت ہو جایا کرتا اور دلہن پردے اور برقعے میں رخصت ہوتی دعاؤں کے ساتھ۔ہمارے غیر احمدی رشتے داروں میں جب کوئی شادی وغیرہ ہوتی تو رسومات بھی ہوتیں ہم لوگ صرف شادی میں شامل ہوتے اور والد صاحب اکثر پشاور چلے جایا کر تے تھے۔اس طرح ان لوگوں کو شکوہ نہ ہوتا کہ آپ موجود تھے اور شرکت نہیں کی ۔اس حدیث نبوی پر عمل کیا کہ اگر کوئی برائی نظر آئے تو اسکو روکنے کی کوشش کرو اگر نہیں تو دل میں برا سمجھ لو۔

حضرت قاضی صاحب کی زوجہ اوّل :۔

آپ کا نام مشعل تھا اور والد صاحب کی چچا زاد تھیں ۔آپ خوش اخلاق اور خوش طبیعت خاتون تھیں آپ کے دس بچے ہوئے تھے لیکن ان میں سے تین بچوں کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمریں عطا کیں۔ا:۔قاضی محمد احمد صاحب: یہ ہمارے سب سے بڑے بھائی تھے آپکی شادی اپنے خاندان میں ہوئی تھی خدا تعالیٰ نے آپکو تین بیٹیوں اور تین

بیٹوں سے نوازا۔بیٹیوں میں سعیدہ بیگم صاحبہ مکرم داؤد احمد کی بیگم کینیڈا میں رہتی ہیں تین بچے ہیں۔سب اللہ کے فضل سے نیک اور مخلص احمدی ہیں۔

۲:۔قاضی محمود احمد صاحب: آپ کی شادی چچا جان قاضی محمد شفیق صاحبکی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی۔ایک بیٹا ہے شادی شدہ ہے مخلص احمدی ہے

۳:۔محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ آپکی شادی مکرم محمود احمد خانصاحب (ابن خان امیر اللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ آف اسماعیلہ) سے ہوئی۔مکرم امیر اللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ صحابی مسیح موعود علیہ السلام تھے۔محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں خود تو جوانی میں فوت ہوگئیں تھیں۔تمام اولاد نیک اور مخلص احمدی ہے۔جیسا کے میں نے شروع کے صفحات میں ذکر کر دیا کہ ہماری بڑی والدہ صاحبہ اور ہماری والدہ صاحبہ آپس میں بہنوں کی طرح پیار و محبت سے رہتی تھیں۔ایک دوسرے کی عزت کرتی تھیں۔گھر دونوں کے علیحدہ علیحدہ تھے لیکن سارا دن زیادہ تر انکے ہاں گزارتے۔بڑے دونوں بھائی بہت پیار کرتے تھے اور بہن بھی بہت پیار کرنے والی تھیں۔میرا بچپن ان کے صحن میں ہی رسی کودتے گزرا۔انکے توت کے درخت پر چڑھنا میرا بہترین مشغلہ تھا ہماری حرکات پر کبھی ناراض نہیں ہوتی تھیں نہ ہی کبھی ڈانٹا۔

ہماری والدہ صاحبہ انکا بہت ادب کرتی تھیں ہم سب بچے بھی ان سے محبت اور ادب سے پیش آتے۔کبھی کبھی جب اکیلی ہوتی تھیں تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی انکے پاس رات گزارتا تھا۔میں کچھ شرارتی تھی ایک دفعہ رات ان کے پاس سوئی ہوئی تھی۔انکے خراٹوں سے چیخ مار کر بیٹھ گئی وہ مجھے سلانے لگیں میں نے رونا شروع کر دیا کہ یہاں کوئی چیز غرارہی ہے اگلے دن انہوں نے ہنس ہنس کرامی جان کو بتایا کہ آئیندہ اسکو نہ بھیجو۔یہ مجھے سونے نہیں دیتی غرضیکہ میری کسی بات سے ناراض نہیں ہوتی تھیں۔میری شادی کے بعد میں انکو کمزور لگی تو پریشان ہوکر میری والدہ صاحبہ کو کہنے لگیں کہ چھوٹی عمر میں گھر کی ذمہ داریوں میں پڑ گئی ہے تو کمزور ہوگئی۔والدہ صاحبہ نے محلے کی کئی لڑکیوں کو قرآن شریف پڑھایا اور تلے کا کام بھی سکھایا کرتی تھیں۔حضرت قاضی صاحب کی دوسری شادی حضرت محمد الیاس صاحب کی دوسری بیٹی محترمہ کلثوم بیگم صاحبہ سے 1924ء میں یہ شادی ہوئی۔ہمارے نانا جان اور نانی جان نے اپنی تمام اولاد کی تربیت بہت پیار و محبت سے کی اپنے بچوں کو دینی اور دنیاوی تعلیمات سے مرقع کیا ۔قرآن کریم باترجمہ خوش الحانی اور حسن تلفظ کیساتھ سکھائی ،فارسی پڑھائی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے درس دیکر اور کتابیں پڑھنے کی عادت راسخ کروائی۔ہر بچہ

پنج وقتہ نمازی اور تہجد گزار تھا۔بیٹیوں میں ہر بیٹی اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں جہاں جہاں بیاہی گئیں ان خاندانوں میں پیارومحبت سے اپنی باعزت جگہ بنائی ۔ ہر بیٹی گھر گرستی کو اچھی طرح سمجھنے والی گھروں کو جنت نظیر بنا دینے والی تھی ۔ ہرایک کے گھر میں احمدیت کی تعلیم کے ہر پہلو پر عمل درآمد تھا۔سب بہنیں باحیا اور باپردہ تھیں اور اپنی اولاد کو بھی باپردہ رہنے کی تلقین کی ۔ ہماری والدہ صاحبہ علی الصبح اٹھی ہوتیں اکثر میں انکی تلاوت سے جاگ جاتی ۔ میرے بعد چھوٹا بھائی اور ایک بہن تھیں۔ان میں سے کسی ایک کو گود میں ڈال کر تلاوت کرتیں ۔اس کے بعد زیرلب دعائیں کرتی رہتیں اور ساتھ ساتھ ناشتے کی تیاری وغیرہ میں لگی رہتیں ۔میرے سکول جانے کے دنوں میں چونکہ میرا اسکول دور تھا اور مجھے تانگے میں جانا ہوتا تھا۔میرے لئے آپ الگ سب سے پہلے ناشتہ تیار کرتیں اور سکول میں دوپہر کیلئے پراٹھا الگ پکا کر اسکے درمیان میں آملیٹ یا کچھ اور مزیدار سا پکا کر ڈال دیتیں۔حضرت والد صاحب کا ناشتہ ان کے کمرے میں الگ دیا جاتا۔باقی ہم سب کے لئے باورچی خانے میں چھوٹی پیڑیاں رکھی ہوتی تھیں ان پر بیٹھ کر ہم سب بچے ناشتہ کرتے۔سردیوں میں باورچی خانے میں نیچے دری بچھا کر اس پر نرم گدا ڈال دیا جاتا۔ہم سب اس پر بیٹھ کر امی کے ہاتھ کے گرم گرم پراٹھوں کا لطف اٹھاتے۔فجز اہ اللہ احسن الجزاء۔

ناشتے کے بعد بچوں سے قاعدہ یا قرآن مجید بھی باورچی خانے میں ہی نا جاتا۔جب ناشتے سے فراغت ہوجاتی تو باورچی خانے کے ہرکونے میں صفائی کرواتیں ۔صاف ستھرا باورچی خانہ اور اسکا فرش دھلا ہوا پسند کرتیں خود یا ملازمہ سے کرواتیں یا بہنوں میں سے کسی کی ڈیوٹی لگ جاتی۔ محلے کی لڑکیاں قرآن شریف کیلئے آئی ہوتیں اسکے بعد انکی طرف متوجہ ہوتیں کئی لڑکیوں نے آپ سے قرآن شریف پڑھا سلائی سیکھی ۔رضائی کی سلائی بھی آپکی مشہور تھی۔کروشیا،سویٹر،جراب اوردستانے بننا سردیوں کے موسم میں دلچسپ مشاغل تھے۔ہماری والدہ صاحبہ کو بہت باریک تارکشی کے پھول بنانے آتے تھے کپڑے میں سے بیچ میں سے دھاگے نکال کر ان میں خوبصورت پھول ڈال کر چار چاند لگا دیتیں ۔اپنے پاس چھاپے رکھے ہوئے تھے دور دور سے محلہ کی خواتین اپنے ڈوپٹوں پر چھاپے پھولوں والے امی سے لگواتیں پھران کو کشیدے سے کاڑھ لیتیں یہ سب امی جان اپنے شوق کی وجہ سے کرتیں۔کپڑوں کی سلائی بھی خود کرتیں تھیں ہم سب کے کپڑے سیتی تھیں میری بڑی بہن محترمہ عائشہ بیگم کو بھی ہر ہنر سکھایا تھا۔وہ بھی تعلیم کے بعد فارغ اوقات میں حسین سلائی کرتیں تمام خالاؤں کیلئے برقعوں کے رومال پر ہم

رنگ پھول کاڑھ دیتیں ۔جو شاہکار ہوتے تھے اپنے کپڑوں کے دامن پر تارکشی کے باریک اورخوبصورت پھول کاڑھتیں ۔غرضیکہ ہمارے گھر میں ہر بندہ مصروف ہوتا نہایت پاکیزہ ماحول تھا۔دونوں طرف نمازوں کی پابندی ،رمضان کے مبارک مہینہ میں تلاوت کلام پاک اورعبادات میں ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا۔ان دنوں میں ٹی۔وی کی فضولیات نہیں تھیں۔خاندانی لڑکیاں اکثر اپنے فارغ اوقات میں سلائی کڑھائی میں مقابلے کرتیں ہمارے گھر میں وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھا جاتا۔دوپہر کا اورشام کا کھانا ہمیشہ وقت پر تیار ہوتا۔رات کو دیر تک جاگنے کا رواج نہ تھا۔ہم سب کھانا وغیرہ کھا کرنمازوں سے فارغ ہوکر کچھ دیر کیلئے بڑی امی کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔وہ خاندان بھر کے گزرے ہوئے واقعات سناتیں ہنسی خوشی سب لوگ آٹھ ساڑھے آٹھ سو جاتے۔میری خالہ زاد بہن طاہرہ بیگم جو کہ چھوٹی خالہ جان کی بیٹی ہیں انکے والد صاحب محمود خاں سے ہماری بڑی امی کی بڑی بہن آمنہ بیگم صاحبہ کی شادی ہوئی تھی۔ہماری بہن جب بھی آتیں تو وہ بھی ساتھ آجاتیں۔ہم سب انکے ساتھ بہت پیار کرتیں اکٹھی کھیلتیں انکو بھی امی جان نے کروشیا سکھایا تھا۔بچپن میں ہی وہ خوبصورت رومال بنالیتیں انکی دیکھا دیکھی میں نے بھی کروشیا اورسویٹر بنا سیکھ لیا۔میری بڑی بہن عائشہ بیگم کے بعد رضیہ بیگم مجھ سے بڑی ہیں۔بچپن میں طاہرہ بیگم صاحبہ کی دوستی ہم دونوں سے تھی۔طاہرہ بیگم کی شادی کے بعد وہ میکہ سمجھ کر زیادہ دنوں کیلئے آتیں امی جان کو ان سے پیار تھا ہی والد صاحب بھی ان سے بہت پیار کرتے تھے۔شادی کے بعد انکی پہلی بیٹی کی پیدائش کے بعد آئیں تو اس بچی سے والد صاحب بے حد پیار کرتے اسکا نام توحیدہ بیگم ہے اورمکرم مسعود احمد سعید صاحب کی بیگم ہیں۔

طاہرہ بیگم صاحبہ آجکل کینیڈا میں ہیں۔خدا تعالیٰ نے انکو تین بیٹیاں اوردو بیٹے لائق و قابل اور نیک اور مخلص احمدی عطا فرمائے ہیں۔

میری بہن رضیہ بیگم اورمیری شادی ایک ہی دن ایک ہی گھر میں ہوئی ۔رضیہ بیگم صاحبہ مکرم بھائی خلیل احمد خانصاحب سے بیاہی گئیں تھیں اورخاکسارہ انکے چھوٹے بھائی مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سے ۔رضیہ بیگم صاحبہ زیادہ تر امی جان کا گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی تھیں ۔سلائی ،کڑھائی میں بھی ماہر تھیں کھانے ذائقہ دار بنایا کرتیں ۔رضیہ بیگم صاحبہ کے بعد میرا نمبر خاکسارہ زبیدہ ناہید ہے میرے بعد مکرم ڈاکٹر مسعود احمد قاضی صاحب اور انکے بعد چھوٹی بہن عزیزہ قدسیہ نسرین صاحبہ ہیں۔

مسعود احمد صاحب کی شادی محترمہ یاسمین صاحبہ جو کہ

ہماری خالہ زاد بہن ہیں سے ہوئی۔خدا تعالیٰ نے چار بیٹیاں ایک بیٹا ڈاکٹر نادر احمد قاضی عطا فرمایا ہے سب نیک اور مخلص احمدی ہیں۔ بھائی مسعود احمد آجکل شکاگو جماعت کے پریزیڈنٹ ہیں اور کامیاب کارڈیالوجسٹ ہیں۔ ما شاءاللہ۔محترمہ بہن قدسیہ نسرین کی شادی محترم بھائی قاضی محمد اسماعیل صاحب سے ہوئی تھی جو کہ مکرم چچا جان قاضی محمد شفیق صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔انکے تین بچے ہیں ڈاکٹر قاضی منظور احمد صاحب بھائی مسعود احمد کے داماد ہیں ۔چار بچے ہیں بیٹی محترمہ بینا قاضی ڈاکٹر ہیں اور عزیزم فواد احمد سے شادی ہوئی ہے اور چھوٹا بیٹا فاروق احمد ہے خدا کے فضل سے سب بچے نیک اور مخلص احمدی ہیں۔بہن بھائی بہت پیارے ہوتے ہیں یہ قدرتی محبت کبھی مٹ نہیں سکتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ باوجود ذاتی مصروفیات کے بڑھ جانے کے مزید بڑھ جاتی ہے اور بچپن کا دور ہمیشہ یادرہتا ہے۔ہم سب کے ایک نہایت پیارے اور حسین بھائی قاضی بشیر احمد تھے۔ہماری والدہ صاحبہ کے پہلوٹے بیٹے تھے۔انکا وجود نرالی خوبیوں سے بھرپور تھا وہ خوبیاں جو اس زمانے میں ناممکنات میں سے ہیں۔ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھے۔اپنے بڑے بھائیوں کے ہمدرد اور خیر خواہ دوست تھے۔اپنی بڑی بہن آمنہ بیگم کے پیار کرنے والے بھائی ہم چاروں بہنوں سے شفقت و محبت خاندان بھر میں مشہور تھی۔اپنے چھوٹے بھائی سے پرشفقت باپ اور عزیز دوست کا سلوک رکھا۔انکا وجود تمام خاندان کیلئے ایک نعمت خداوندی تھا۔ہر بہن اور بھائی کا کوئی ارمان یا خواہش انکے علم میں آجاتی تو ضرور پوری کرتے۔مجھ سے تقریباً سولہ سال عمر میں بڑے تھے۔اسلئے مجھے یہ یاد ہیں کہ آپ اپنی نوکری کے سلسلہ میں گھر سے دور ہوتے۔

پیارے بھائی قاضی بشیر احمد۔جب بھی گھر تشریف لاتے ایک خوشی کی لہر سے ہر ایک چہرہ روشن ہوجاتا۔انکا سلام کرنے کا نہایت پیارا انداز تھا۔ہر چھوٹے بڑے کو زور سے اسلام علیکم کہتے ۔ملازموں ،ہمسایہ داروں اور تانگے والوں سے اسطرح ملتے جلتے جیسے بچھڑے ہوئے دوست ہوں لیکن ماں سے جو پیار تھا وہ انوکھا پیار اللہ تعالیٰ کو پسند آیا ہوگا جسکے بدلے میں آپکو شھادت کا انمول انعام عطا فرمایا۔

اپنی امی جان کے ہاتھ چومتے آنکھوں سے لگاتے انکے پاؤں کو چومتے ،اگر وہ لیٹی ہوتیں تو ان پر سر رکھ رکھتے ۔انکے منہ سے نکلی ہوئی ہر خواہش کو پیار سے پورا کرتے۔کوئٹہ میں ٹرانسفر ہوا تو دور چلے گئے امی جان کو بہت یاد آتے ۔اکثر امی جان پیار سے انکو پشتو میں ہی خط لکھ دیا کرتیں۔تاکہ اپنے جذبات محبت کے اظہار میں کوئی کمی نہ ہو۔آپ بھی نہایت ہی پیار بھرا خط پشتو میں ہی جواباً

ارسال کرتے۔عموماً خط کے ملتے ہی کسی نہ کسی طریقے سے آ پہنچتے اکثر آرمی کا کوئی چھوٹا جہاز کسی کام کے سلسلہ میں پشاور آتا تو اس میں بیٹھ کر اچانک آ جاتے۔لیکن کبھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہر ایک کے لئے تحفے ساتھ لیکر آتے۔آپ کے آنے کا ایک پیارا انداز تھا۔ادھر ہم بہن بھائی تر سے بیٹھے ہوتے۔آپ آتے ہوئے چچا جان کے گھر سے ہوکر اور انکے بعد بڑی والدہ صاحبہ اور بڑے بھائیوں قاضی محمد احمد صاحب اور قاضی محمود احمد سے مل کر گھر آتے۔ہماری والدہ صاحبہ باورچی خانے میں بیٹھ کر انکے لئے پسندیدہ کھانے پکاتیں آپ بار بار انکے پاس جا کر بیٹھ جایا کرتے اور ہمیشہ اپنی مخصوص پیڑی پر بیٹھ جایا کرتے۔نا چار ہم سب بھی آپکی باتیں سننے اور آپکی صحبت سے محفوظ ہونے باورچی خانے میں اکٹھے ہوجاتے۔آپکا بات کرنے کا انداز مسحور کن تھا۔مزاح اور پیار بھرا امتزاج اتنا عرصہ دور رہنے کے واقعات نہایت دلچسپ انداز میں سناتے بڑے بھائیوں کی محفل میں بیٹھتے تو قہقہے سنائی دیتے۔بچپن کی شرارتیں یاد آتیں اور ہر ایک انکی محفل سے جانے کو تیار نہ ہوتا۔ایک دفعہ آپ آئے تھے اور بڑی والدہ صاحبہ کے دونوں بیٹے گھر موجود نہیں تھے۔چنانچہ ہم بہنوں میں بہن رضیہ بیگم کی ڈیوٹی تھی کہ انکے پاس جا کر سوئیں۔انہوں نے مجھ سے منتیں کیں کئی لالچ بھی دیے اور مجھے راضی کر دیا کہ میں جا کر وہاں سولوں حالانکہ دونوں گھر جڑے ہوئے اور مجھے صرف دو تین کمروں کے فاصلے پر جانا پڑا لیکن وہ بھائی کی جدائی بمشکل برداشت کی سکول جانے کو بھی دل نہیں چاھتا تھا۔انکے تحفے بہت قیمتی ہوتے تھے اور ان میں بڑے بھائی سر فہرست ہوتے تھے۔اگر ہماری والدہ صاحبہ کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ لاتے تو بڑی والدہ صاحبہ کو بھی مایوس نہ کرتے۔گلی میں سے گزرتے تو غریب ہمسائیوں کو کچھ رقم دیتے گھر کی ملازمہ کو ذرہ ذرہ سی بات پر انعام دیتے اور ساتھ ہی امی جان کو تاکید کرتے کہ اس کی تنخواہ بڑھا دیں۔جس تانگے میں آئے ہوتے اس کو روک رکھتے اور کرایہ سے کہیں بڑھ کر رقم دیکر رخصت کرتے اپنے پیارے اور قابل احترام باپ کی بہت قدر و عزت کرتے۔حضرت والد صاحب کیلئے اکثر اعلیٰ قسم کا کوٹ کا کپڑا لایا کرتے والد صاحب ہمیشہ منع کرتے کہ ہم سب کے پاس ہر چیز موجود ہے اسلئے تکلیف نہ کریں۔

1958ء ستمبر میں شادی ہوئی عزیزم بہن مجیدہ بیگم صاحبہ جو مکرم و محترم خواص خان صاحب کی بیٹی ہیں اور مکرم خلیل احمد خانصاحب اور بشیر احمد ڈاکٹر کی بہن ہیں۔آپ نے اپنی بیوی سے مثالی پیار کیا اگر آرمی میں ہونے کی وجہ سے کسی کورس پر جانے کے باعث دور گئے ہوتے تو روزانہ ایک خط بھیجتے۔مجیدہ بیگم صاحبہ بھی روزانہ انتظار میں بیٹھی

رہتیں ۔ جب تک اس دن کا خط نہ پہنچتا مجیدہ بے چین ہوتیں کہ میرا خط کہاں گیا۔ بعض اوقات ڈاکیہ اگلے دو خط دے کر جاتا خدا تعالیٰ نے تین بچوں سے نوازا۔ محترمہ زاہدہ بیگم محمد عالم درانی صاحب (جو ہمارے خالہ زاد بھائی ہیں) سے بیاہی ہیں ۔ انکے تین بچے ہیں محترم مبشر احمد قاضی شادی شدہ ہیں اور تین بچوں کے باپ ہیں۔ ماشاءاللہ مکرمہ ثمینہ بیگم جنکی شادی مکرم سلیم احمد شاہ صاحب سے ہوئی ہے دو بیٹے ہیں۔ ماشاءاللہ سب امریکہ میں رہتے ہیں۔ ان تینوں بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ہمارے پیارے بھائی قاضی بشیر احمد شہید پشتو اور اردو میں شعر لکھتے تھے۔ اپنے شہادت سے پہلے جوڑیاں کے محاذ پر جانے سے پہلے اپنے گھر پشاور چند دن کی چھٹی پر آئے تھے۔ ٹیپ ریکارڈ خریدا ہوا تھا اسکو لگا کر نہایت درد بھرے اشعار اپنی خوبصورت آواز میں ریکارڈ کر وائے تھے۔ انکی بیگم اپنے کام میں مصروف تھیں انہوں نے سمجھا کہ انکی گنگنانے کی عادت ہے۔ کچھ گنگنا رہے ہیں شہادت کے بعد ٹیپ ریکارڈ میں آپکی آواز کو تلاش کیا: تو یہ نظم اس میں ریکارڈ کروائی تھی۔ یہ نظم ایسی ہے گویا کہ آپکو یقین تھا کہ آپ اس جنگ میں شہید ہونگے اور آپ کی پیاری بیوی اور پیارے بچے آپ سے بچھڑ جائیں گے۔ آپکو کشمیر بھجوایا گیا تو آپ نے اپنی بیگم اور بچوں کو بلوایا اور کھاریاں چھاؤنی میں ٹھہرایا۔ محاذ



آؤ بلبل کہ مل کے نالہ کریں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے

مالِ دل دے دیا فقیر ہوئے
اس فقیری میں ہم اسیر ہوئے

جب سے دیکھا ہے روئے یارِ ازل
بت میری آنکھ میں حقیر ہوئے

ان نگاہوں نے کردیا گھائل
جگر و دل کے پار تیر ہوئے

زاہدو تم سے دل ملے کیونکر
تم ہو آزاد ہم اسیر ہوئے

دل غنی ہے متاعِ دنیا سے
جب سے اس در کے ہم فقیر ہوئے

آؤ بلبل کہ مل کے نالہ کریں
ہوگیا عرصہ ہم صفیر ہوئے

دل میں کیا جانے کیا خیال آیا
آج نغمہ سرا بشیر ہوئے

(کلام بشیر ایڈیشن 1963 صفحہ 8_9)



سے سستانے آجاتے تو اپنی بیوی بچوں کو لاہور لے گئے اور اپنی بیوی کو خوبصورت زیورات انکی پسند پر سنار کو آرڈر دے آئے۔ جو انکو آپکی شہادت کے بعد ملے۔ مکرم کرنل سید نصیر احمد شاہ صاحب سے آپکی بہت دوستی تھی۔ محاذ پر جانے سے پہلے راولپنڈی میں ان سے ملاقات کو گئے۔ انکی نیک بیوی آپا طاہرہ صاحبہ کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں کا تبرک تھا جو آپا طاہرہ مرحومہ نے آپ کو دیا کہ اپنی جیب میں رکھ لیں بعد میں وہ کپڑا خون میں رنگا ہوا باقی اشیاء کے ساتھ آپکی شہادت کے بعد آپکی جیب سے ملا۔

اپنے پیاروں کی جدائی نا قابل برداشت ہوتی ہے لیکن صبر بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ ہماری والدہ صاحبہ کے بارے میں میں پریشان ہوگئی تھی کہ آپ یہ صدمہ کیسے برداشت کر سکیں گی جب میں گھر میں داخل ہوئی تو دل کانپ رہا تھا۔ کہ والدہ صاحبہ کو کس حال میں پاؤں گی لیکن اپنی والدہ صاحبہ کو خاموش بیٹھا ہوا پایا۔ خدا تعالیٰ نے آپکو بارعب اور باعزت اور پرنور شخصیت سے نوازا تھا۔ ایک روحانی اور فرشتہ سیرت باپ کی بیٹی اور صحابی کی بیوہ تھیں۔ کوئی جزع فزع نہیں کی خاموش بیٹھی ہوئی تھیں اسی طرح ہمارے والد صاحب کی وفات پر بھی خاموش بیٹھی ہوتیں اور اپنی نمازیں وقت پر ادا کرتیں ہم سبکو بھی یہی ہدایت کرتیں آنسو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ وہ تو بہتے رہتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ غالباً 1950 یا 51 کا واقعہ ہوگا رمضان کا مہینہ تھا دوپہر کو ہم سب سوئے ہوئے تھے میری آنکھ اپنی والدہ صاحبہ کی سسکیوں سے کھل گئی۔ آپ دعائیں کر رہی تھیں اور آنسو بہہ رہے تھے میں نے پوچھا تو جواب میں بھائی کیلئے دعا کرنے کو کہا میں اٹھی کمرے سے باہر دیکھا تو والد صاحب نماز پڑھنے والے تخت پر سجدہ ریز تھے۔ سجدے سے فارغ ہوئے تو تیار ہوکر روزے کی حالت میں کڑی دھوپ میں چل پڑے۔ ہوا یہ تھا کہ بھائی قاضی بشیر احمد آرمی کی کسی ٹریننگ پر مری گئے ہوئے تھے واپسی پر آرمی کے جوانوں سے بھری لاری پہاڑ کی سڑک سے پھسل کر گہرے کھڈے میں گر گئی۔ کافی جوان اللہ کو پیارے ہوگئے بعد میں بھائی کی زبانی علم ہوا کہ وہ دو تین لاشوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ اٹھانے والوں نے لاش ہی سمجھا کہ انکی انگلی کو انہوں نے ہلتے ہوئے دیکھ لیا اور انہیں راولپنڈی C . M . H مع دیگر زخمیوں کے لے گئے۔ میرے بھائی کی چھ یا سات پسلیاں ٹوٹی ہوئیں تھیں۔ بائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی تھی اور بایاں ہاتھ تین جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی درد بھری دعائیں سن لیں اور آپکی جان بچادی۔

ہمارے والد صاحب راولپنڈی پہنچ گئے اور انکو دیکھ کر واپس آ گئے کچھ دن بعد جب والد صاحب کو تسلی ہوئی کہ اب اگر والدہ صاحبہ دیکھ لیں۔ وہ بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے تو والدہ صاحبہ کو ساتھ لے گئے محترمہ والدہ صاحبہ دو تین بار راولپنڈی انکو دیکھنے گئیں۔ مجھے یاد ہے شروع میں کسی سے خط لکھوا کر بھجوایا کرتے تھے اور اپنی حالت کی اطلاع دیتے بعد میں خود خط لکھنا شروع کیا اور ڈرائنگ بنا کر وضاحت کی ہوتی کے پسلیاں جڑ رہی ہیں اور ہاتھ کے اپریشن ہونے کے بعد اب اسکی ہڈی جڑ رہی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کتنا عرصہ لگا لیکن جب آپ گھر آئے تو لاٹھی کے سہارے چلنا پڑتا۔ گھر میں ایک ڈیڑھ ماہ آرام کیا پھر واپس اپنی ڈیوٹی پر جانا پڑا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آرمی میں ترقی ہوئی اپنے افسروں میں ہر دلعزیز تھے اپنے ما تحتوں سے شفقت اور عزت سے پیش آتے۔ آپ جب بھی چھٹی پر گھر آتے تو والدہ کے لئے دوائیاں اکثر سال بھر کی خرید لیا کرتے اور روزمرہ استعمال کی عام دوائیاں اتنی زیادہ لاتے کہ امی جان جو کہ ڈاکٹر بنی ہوئی تھیں انجیکشن لگوانا بھی ہسپتال کی نرس سے سیکھ چکیں تھیں۔ محلے کی غریب خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی بیمار ہونے کی صورت میں دوڑی دوڑی آتیں اور امی جان وقت بے وقت انکو دوا دے دیا کرتیں۔ ڈاکٹر اگر کسی مریض کو انجیکشن لکھ دیتا تو

پھر اسے لگوانے کے لئے یا تو ہسپتال جانا پڑتا یا کسی کمپوڈر سے لگوانے پڑتے جو ہر انجیکشن لگانے کی کچھ فیس لیا کرتے تھے۔ اس لئے چونکہ امی جان مفت انکے انجیکشن لگا دیا کرتیں تو انکے لئے سہولت اور آسانی کا باعث ہوتیں۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی جاتیں اور کہتیں کہ آپ کا ہاتھ بہت ہلکا ہے تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ ہیضہ پھیلا ہوا تھا۔ بھائی قاضی بشیر احمد چند دن کے لئے آئے تھے۔ تو ہیضہ کے بچاؤ کے لئے اور علاج کے لئے دوائیاں لے کر آئے تھے۔ ہمارے پڑوس میں ایک عورت ہیضے میں مبتلا تھی رشتہ دار سورہ یاسین پڑھ رہے تھے۔ امی جان کو معلوم ہوا تو فوراً امرت دھارا بھجوایا اور کمزوری دور کرنے کیلئے Coramin کے قطرے بھجوا دیئے۔

خدا تعالیٰ نے اس عورت کو شفا دی جب صحت مند ہوئی تو امی جان کے لئے مرغی بھجوائی۔ امی جان نے فوراً واپس کر دی کہ خود پکا کر اسکی یخنی پی لو۔ تمہیں طاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ایمرجینسی چوٹ وغیرہ کے لئے پوری دوائیاں آئیوڈین سپرٹ اور پٹیاں وغیرہ گھر میں موجود ہوتیں۔ ایک الماری دوائیوں سے بھری ہوتی تھی۔

محترم بڑے بھائی جب بھی آتے الماریاں دیکھتے اگر برتن کم ہو گئے ہوں یا دوائیاں تو نہایت خوبصورت اور اعلیٰ قسم کے برتنوں کے سیٹ خود خرید کر لا کر الماریوں میں اپنے

ہاتھ سے سجا کر رکھتے۔انکی کوشش اور خوشی اسی میں تھی کہ انکی امی خوش رہیں اپنی امی کی ہر خوشی پوری کر کے انکو سرور اور اطمینانِ قلب ملتا۔ہم میں سے ہر بہن کا اور چھوٹے بھائی کا بہت خیال رکھا اور ہر خواہش پیار سے پوری کی۔خود بھی خوش لباس ،خوش طبیعت تھے اور دوسروں کو بھی خوش دیکھنا چاہتے تھے اور اپنے پیاروں کو خوشی دینے کی کوشش کرتے۔

میرے بھائی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بے حد پیار اور محبت وعقیدت تھی۔قادیان میں تعلیم کے دوران حضور اقدسؓ آپ سے خصوصی پیار فرماتے تھے۔ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا کہ کسی وجہ سے انکو حضور اقدسؓ کو کوئی شکایت کرنی تھی لیکن خط پہنچانا مشکل نظر آیا وہ کہنے لگے کہ صبح کی نماز کے بعد جب حضور اقدسؓ درس سے فارغ ہوئے۔تو پہرہ دار سامنے نظر آیا تو انہوں نے بھاگ کر حضور اقدس کے ہاتھ میں خط تھما دیا۔حضور اقدسؓ نے خط بھی لیا اور نہایت شفقت و پیار سے بھی پیش آئے۔ربوہ میں جلسہ سالانہ کے موقع پر حضور اقدسؓ کے پہرے داروں میں ڈیوٹی دینے والوں میں نام لکھواتے اور ڈیوٹی کے دوران جو بات چیت حضور اقدسؓ سے ہوتی وہ شام کو ہم سب کو سنا کر محفوظ کرتے۔

آپ کی شادی کے بعد آپ کی پوسٹنگ کرم ایجنسی ملیشیا میں بطور میجر سیکنڈ ان کمانڈ کے ہوئی تھی۔خاکسارہ کوہاٹ میں تھی مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کی انچارج ڈاکٹر کے طور پر لیاقت میموریل ہسپتال کوہاٹ میں تعینات تھے۔غالباً 1960 کا جون کا مہینہ تھا۔حضرت امتہ الحفیظ بیگم صاحبہؓ مع نواب عبداللہ خانصاحبؓ اپنے بیٹے مصطفی صاحب اور چھوٹی بیٹی کے پارہ چنار میرے بھائی کی دعوت پر جاتے ہوئے راستے میں ہمارے ہاں قیام فرمائے ہوئے غالباً دو یا تین دن گزرار کر رونق بخشتے ہوئے پارہ چنار بھائی بشیر احمد کے پاس پہنچے۔تو انہوں نے بڑی عزت اور عقیدت اور محبت سے رکھا جہاں چند دن ٹھہرنا تھا۔بھائی بشیر احمد کے اصرار پر غالباً پندرہ دن گزارے بوا پسی پھر ہمارے گھر میں قیام کیا پارہ چنار کا سفر تقریباً 150 میل بنتا ہے سارا پہاڑی علاقہ اور سرسبز و شاداب راستہ ہے وہاں خوشگوار موسم سے گرمی میں واپس آ کر کافی محسوس ہوتا ہے۔

انہوں نے مجھے فرمایا کہ آپ کے بھائی کا پیار اور محبت اور خلوص شاید دوبارہ لائے۔بھائی جب بھی ربوہ جلسہ کے موقع پر جاتے تو ملاقات کے لئے اندر بلاتے اور یہی شفقت اور پیار کا سلوک قاضی مسعود احمد اور ہم سب سے رکھا۔آپکی شہادت 4 ستمبر 1965 کو ہو چکی تھی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ انکے بعد نومبر 1965 میں وفات پا گئے تھے۔ہم لوگ جنازے پر پہنچے تھے اور دو

تین دن ربوہ میں رہے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم رضوان اللہ علیہا سے بھی ملنے گئے۔آپ دونوں نے باوجود اتنے بڑے صدمے کے میرے بھائی کی شہادت پر دکھ اور غم کا اظہار فرمایا۔میری امی جان اور بھابھی مجیدہ کے نام تعزیت کے خطوط بھی ارسال فرما چکے تھے۔اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود آپکی پر خلوص محبت اور پیار دل میں تازہ ہے میری دلی خواہش ہے کہ ہم بہن بھائی مل کر انکی یادوں کو اکٹھا کر کے انکی یادوں کو محفوظ کریں۔تین چار سال پہلے انکی بیگم مجیدہ صاحبہ سے ملاقات کے دوران انہوں نے بھائی کے چند خطوط سنائے جو انہوں نے (کبھی سکیم پر اور کبھی کہیں کورس پر آرمی کی طرف سے گئے ہوتے)تحریر کئے تھے جس میں اپنی بیوی بچوں کی جدائی کی ناقابل برداشت احساسات لکھے تھے۔پیارے پیارے اپنے اشعار اور دوسرے شعراء کے اشعار موقع بر موقع لکھے ہوتے۔ہم دونوں اور انکی بیٹی جو چھ سال کی عمر میں ان سے جدا ہوئی تھی انکی یاد میں آنکھیں ڈب ڈبا آئیں اور دل تڑپے ۔اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور انکی اولاد کو ہمیشہ نیکی اور تقویٰ کی راہوں پر چلائے اور خادمانِ دین احمدیت ہوں۔آمین ثم آمین ۔ بھائی بشیر احمد کی شہادت کے بعد مکرم ڈاکٹر فضل دین صاحبہ تھانہ مالا کنڈ ایجنسی سے یہ نظم 12 اکتوبر 1965 کے اخبار شہباز میں شائع کروائی۔4 ستمبر 1965 کا غمگین دن

میرے پیارے میجر قاضی بشیر احمد شہید کی یاد میں انکی میت دیکھ کر۔

اے شہید وطن تیرے خوں کی قسم
زندہ رکھیں گے ہر دم تیرا نام ہم
اک ستارہ ہے تو اہل دیں کیلئے
اک نظارہ ہے ذوقِ یقیں کیلئے
جان دی تو نے جس سر زمین کیلئے
اس پہ پڑنے نہ دینگے کسی کے قدم
اے شہید وطن تیرے خوں کی قسم
موت تیری نئی زیست کا نام ہے
تجھ کو حاصل شہادت بھرا جام ہے
تیرے سوکھے لبوں پر یہ پیغام ہے
یونہی بڑھتے رہینگے ہمارے قدم
اے شہید وطن ہم کو لٹتی ہوئی بستیوں کی قسم
ماؤں بہنوں کی اور بیٹیوں کی قسم
انکی لٹتی ہوئی عصمتوں کی قسم
اک سمندر لہو کا بہا دینگے ہم
اے شہید وطن کیا سبق دینگے ہم اہل ایمان کو
رکھ سکیں اگر حق کے فرمان کو
منہ دکھائیں گے کیا جائے رضوان کو

سر کٹے نہ اگر دشمنوں کے قلم
اے شہید وطن کفر کو جب زمین سے مٹا دینگے ہم
جب ترے خوں کا بدلہ چکا دینگے ہم
ہند پر سبز پرچم لگا دینگے ہم
پھر نہ ہوگا ہمیں تیرے مرنے کا غم
اے شہید وطن

حضرت قاضی صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے کا نام ڈاکٹر مسعود احمد قاضی ہے۔والد صاحب کو سب بچوں سے بہت پیار تھا لیکن مسعود احمد تو انکے ساتھ اکثر سویا کرتے۔بچپن میں مسعود احمد کو کالی کھانسی ہوئی تھی تو آپ نے خود مسعود احمد کا خیال رکھا اپنے پاس سلاتے دوائی خود دیتے مسعود احمد غالباً چار سال کے ہونگے کہ ربوہ کے سفر پر ساتھ لے گئے تھے۔اور اکثر ربوہ کے سفر پر اور کئی دفعہ دورہ جات پر جاتے ہوئے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔بچپن سے ہی اس کی خصوصی تربیت پر توجہ دی قرآن کریم با ترجمہ پڑھایا اور فارسی خود پڑھائی اور فارسی کی کتب گلستان ،بوستان اور انکے علاوہ اور کتابیں بھی پڑھائیں۔بچپن سے مسعود احمد کو مطالعہ کا شوق دلایا تشحیذ الاذہان جاری کروا دیا تھا۔آپکو انکے علاوہ رسالہ خالد پڑھنے دیا کرتے تھے۔بہت بچپن میں کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھنے کے لئے دیا کرتے اور سمجھاتے تھے۔جلسے کے موقع پر جب سرحد صوبہ کے احباب کی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوتی تو حضرت والد صاحب حضور اقدسؓ کے پاس بائیں طرف بیٹھے ہوتے اور ہر ملاقاتی کا تعارف کرواتے ہر ایک حضور اقدسؓ سے اپنی باری پر مصافحہ کرتا۔تو اکثر مسعود احمد اپنے والد کے ساتھ بیٹھے ہوتے اور پھر جلسہ کے بعد ہمیں بتاتے۔اس طرح دیگر احباب اور بزرگوں سے بھی ملنے جایا کرتے تو مسعود احمد ساتھ جاتے اس طرح اپنے دوستوں سے بھی خوب واقف کر وادیا۔مسعود احمد جب سکول میں پڑھتا تھا تو والد صاحب اکثر ہیڈ ماسٹر سے ملنے جاتے اور سکول کے حالات سے اپنے آپکو باخبر رکھتے۔حضرت والد صاحب میں یہ عادت تھی کہ زیادہ خاموش رہتے اپنی تصنیف یا کوئی کتاب زیرِ مطالعہ رہتی تو باہر کے حالات ہمیں مسعود احمد کی زبانی معلوم ہوتے۔بھائی مسعود احمد 1945 میں پیدا ہوئے بڑے بھائی قاضی بشیر احمد سے 18۔17 سال چھوٹے تھے۔دونوں بھائیوں کا آپس میں بہت پیار رہا۔پشاور میں بھائی بشیر احمد کی پوسٹنگ تھی اور پشاور ہی میں خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ ملا تھا تو بھائی نے اصرار کرکے آپکو ہوسٹل جانے سے روکا اور اپنے گھر میں رکھا۔جس سے مزید بھائی کا پیار اور دوستی کا رشتہ استوار ہوا۔اللہ تعالیٰ کی مشیت

تھی کہ قاضی بشیر احمد کو شہادت کا عظیم اعزاز ملا اور بھائی مسعود اکیلے رہ گئے۔

قاضی بشیر احمد شہید کے بچوں سے آپ نے پیار و محبت اور شفقت کا سلوک رکھا۔ڈاکٹر مسعود احمد کارڈیالوجسٹ ہیں اور قاضی بشیر احمد کے فرزند ڈاکٹر مبشر احمد قاضی بھی کارڈیالوجسٹ ہیں ۔الحمد للہ۔دونوں امریکہ میں کامیاب ڈاکٹروں میں شمار ہوتے ہیں۔قاضی مسعود احمد جماعت شکاگو کے امیر ہیں نیک اور مخلص اولاد ہے۔قاضی مبشر احمد بھی دینی خدمات میں پیش پیش ہیں اپنے گھر میں نماز سینٹر قائم کیا ہے۔اور سرگرمی سے جماعتی کاموں میں حصہ لیتے ہیں نیک اور مخلص اولاد ہے۔ماشاءاللہ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قاضی بشیر احمد شہید کی نیک اور متقی اور خادمان دین نسل دنیا میں پھیلائے۔آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بھائی قاضی مسعود احمد کو اعلیٰ صحت والی دراز عمر عطا فرمائے آمین۔آپکی شادی خالہ زاد یاسمین صاحبہ سے ہوئی ہے۔چار بیٹیاں اور ایک بیٹا نادر یوسف قاضی ڈاکٹر ہے۔خدا کے فضل سے دو داماد ہیں ایک داماد بہن قدسیہ نسرین و چچا زاد بھائی قاضی محمد اسماعیل صاحب مرحوم کا بیٹا منظور احمد قاضی ڈاکٹر ہے۔دوسرے داماد ڈاکٹر فیضان احمد ہیں انکی بیگم عزیزہ لبنیٰ قاضی بھی ڈاکٹر ہیں۔دو بچیاں زیر تعلیم ہیں۔اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے حضرت والد صاحب کے پانچوں داماد نیک اور مخلص احمدی عطا ہوئے تھے۔

سب سے بڑی بہن صاحبہ آمنہ بیگم کے شوہر خان محمود احمد خانصاحب ولد امیر اللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ (صحابی حضرت مسیح موعودعلیہ السلام) تھے۔آپ خود بھی تہجد گزار تھے اور اپنے بچوں کو بھی بچپن سے ہی نمازوں کا پابند بنایا اور سب خدا کے فضل سے نیک اور مخلص احمدی ہیں۔بہن عائشہ بیگم کے شوہر محترم اطہر ظہور بٹ صاحب مرحوم نیک وصالح انسان تھے۔پولیس میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔جہاں پاکستان کی پولیس کے کورس کی کتابیں لکھی وہاں اخبار الفضل ،رسالہ مصباح اور لاہور علمی دینی مضامین دیا کرتے تھے۔

خاکسارہ اور مجھ سے بڑی بہن رضیہ بیگم صاحبہ کی شادی مکرم ومحترم خواص خان صاحب کے دونوں بیٹوں سے ہوئی مکرمہ رضیہ بیگم صاحبہ کے شوہر خلیل احمد خان صاحب مرحوم دو سال ہوئے وفات پا گئے ۔بہت نیک مخلص اور باعمل انسان تھے اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے پیار و محبت اور فیاضی سے پیش آتے رہے۔اپنے سسر حضرت قاضی صاحبؓ اور اپنی ساس صاحبہ کا بھی بیٹوں کی طرح خیال رکھا۔ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے بہت پیار تھا ہر بہن بھائی کا بھرپور

حق ادا کیا۔مکرم بھائی خلیل احمد خانصاحب کو جب لیبیاؔ میں ملازمت کا موقع ملا تو وہاں جب انکو کمپنی کے لئے مزدوروں کی ضرورت ہوئی تو پاکستان آ کر اپنے آبائی گاؤں سے دور کے رشتہ داروں کو اکٹھا کیا۔مردان کے ہمسائیوں میں بھی کئی غریبوں کو ویزے دلوا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ان سبکی دعائیں لیں اور ان سبکی زندگی میں انقلاب لانے کا باعث بنے۔خدا ترس اور متقی انسان تھے۔اللہ تعالیٰ انکو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انکے درجات بلند کرتا چلا جائے آمین۔خاکسارہ زبیدہ ناہید کی شادی مکرم ومحترم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سے ہوئی الحمد للہ علیٰ ذالک۔مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب بھی خدا کے فضل سے اپنے دونوں بھائیوں مکرم خلیل احمد خانصاحب اور مکرم ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی طرح ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے نیک اور مخلص احمدی اور باعمل انسان ہیں۔تینوں بھائیوں کو خلفائے احمدیت سے نہایت اخلاص اور محبت اور فرمانبرداری کا تعلق رہا۔اللہ تعالیٰ نے خلیفۂ وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی توفیق دی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحم اللہ تعالیٰ نے جب 'نصرت جہاں سکیم' کے تحت سب سے پہلے بھیجنے والے ڈاکٹروں میں مکرم ڈاکٹر صاحب کو بھی خط ارسال فرمایا کہ مکرم بشیر احمد صاحب سول سرجن بنوںؔ تھے۔آپ نے دو سال کی درخواست دے دی اور ربوہ کیلئے روانہ ہوئے۔

تا کہ حضور اقدس رحم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لیں ،حضور اقدس رحمہ اللہ سے ملاقات کے بعد ہدایات حاصل کر لیں حضور اقدس ؒ مکرم ڈاکٹر صاحب کے فیصلے سے خوش ہوئے اور دفتر تحریکِ جدید میں جا کر مزید ہدایات حاصل کیں اور واپس بنوںؔ گئے چھٹی کی درخواست منظور ہوگئی اور ہم دونوں سامان سمیٹ کر پشاور گئے۔وہاں اپنے مکان کے ایک کمرے میں سامان رکھوایا اور گھانا جانے کی تیاریاں مکمل کرنے میں مصروف ہوگئے میری والدہ صاحبہ اور بہنوں اور رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی۔مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے والد صاحب مکرم ومحترم خواص خان صاحب اس وقت حیات تھے مگر والدہ صاحبہ 1965 میں وفات پا چکی تھیں۔آپکے والد صاحب آپ کے اس فیصلے سے خوش تھے کہ آپ خلیفۂ وقت کا حکم مان کر خدمتِ دین کی توفیق پا رہے ہیں۔ان سے دعائیں لیں۔

میری والدہ صاحبہ محترمہ بھی ہماری ملاقات کے لئے مردان سے پشاور مع بہنوں تشریف لائیں۔حضرت والد صاحب 1963 میں فوت ہوگئے تھے۔بڑا بیٹا قاضی بشیر احمد 1965 میں شہید ہوگئے تھے۔چھوٹا بیٹا قاضی مسعود احمد میڈیکل کالج خیبر پشاور سے ڈاکٹری کی ڈگری لے کر جون 1970 میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ

روانہ ہو چکے تھے۔میری والدہ صاحبہ خاموش طبیعت اور صابرہ خاتون تھیں ۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحم اللہ تعالیٰ سے امی جان مع بھائی خلیل احمد خانصاحب اور بہن رضیہ بیگم صاحبہ کے ایبٹ آباد میں ملاقات کیلئے گئیں تھیں تو حضور اقدس نے ذکر فرما دیا تھا کہ وہ مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کو افریقہ بھجوا رہے ہیں امی جان نے کہا ٹھیک ہے۔

مکرمہ والدہ صاحبہ دل مریضہ تھیں ہماری رخصتی کے بعد طبیعت خراب ہوئی اور 22 دن ہسپتال میں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل رہیں اور اللہ تعالیٰ نے شدید بیماری کے حملہ سے تندرست کیا۔الحمد للہ۔اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خلیفۂ وقت نے ہمیں اس قابل سمجھا اور دین کی خدمت کا قیمتی موقع میسّر آیا۔ 1871 میں ڈاکٹر بشیر احمد مع بیوی اور چار بچوں کے اس بابرکت مہم پر گھانا (مغربی افریقہ) روانہ ہوئے۔گھانا کے شہر میں پندرہ دن گزارے گھانا کے امیر و مشنیری انچارج مکرم بشارت احمد بشیرؔ صاحب دور کے علاقوں کے دوروں پر تھے۔وہاں سے تشریف لائے تو ہمیں اپنے ہمراہ سالٹؔ پانڈ کے مشن ہاؤس میں لے گئے۔غالباً ہمارے لئے جگہ کا انتخاب ہو رہا تھا۔ہمارے پہنچنے سے چند دن پہلے مکرم و محترم ڈاکٹر سید مجتبیٰ صاحب اور فیملی کو امیر صاحب لے گئے تھے۔انکو اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیا ہم سے پہلے بلکہ سب سے پہلے بر گیڈیر ڈاکٹر غلام احمد صاحب کو اپنے ٹھکانے پر کوکوفو پہنچا کر وہاں ہسپتال کا آغاز کروادیا۔مکرم امیر صاحب کی ذمہ داری تھی کہ ہر ڈاکٹر کو جہاں ضرورت ہوتی وہاں انکے ہسپتال کھولنے اور رہائش کیلئے جگہوں کا انتخاب کرتے پھر وہاں انکو سہولت کی اشیاء فراہم کروانے کا انتظام کروا کر واپس آتے۔

چنانچہ ہمیں بھی یہ تمام مرحلے گزارنے تھے جب تک جگہ کا انتخاب اور وہاں رہائش اور ہسپتال کے لئے مناسب جگہ کی تلاش اور مناسب سہولیات مہیا نہ ہو چکیں۔چنانچہ سالٹ پانڈ میں ایک ڈیڑھ ہفتہ گزار کر ہمیں کماسیؔ کے مشن ہاؤس لے گئے،تقریباً ایک ماہ وہاں رہنے کے بعد بلاآخر امیر صاحب ہمیں پچیان لے گئے۔جو کماسی سے 80 میل دور تھا وہاں لے جا کر ہسپتال اور گھر دکھائے۔مکرم و محترم کبد الوہاب آدمؔ صاحب ان دنوں پچیان میں ہی تعینات تھے۔انہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا ہر ضرورت مہیا کرنے میں مدد کی۔امیر صاحب بھی مسلسل اس کوشش میں رہے کہ وزیرِ صحت کو لاسکیں تا کہ باقاعدہ افتتاح احمدیہ ہسپتال کا ہو سکے۔غالباً اپریل یا مئی کے مہینہ وہ کامیاب ہوئے اور خود بھی تشریف لائے اور وزاراتِ صحت کے سرکاری افسر اور مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب بھی بمع فیملی تشریف لائے ہسپتال کی باقاعدہ اجازت ملی۔الحمد للہ

خدا کے فضل سے چھوٹا سا ہسپتال کامیابی سے چل پڑا۔ایک ڈاکٹر بشیر احمد صاحب،ایک نرس ایک مرد نرس اور اردلی کام میں مصروف تھے۔ایک آدھ میل کے فاصلے پر ہولی فیملی ہسپتال موجود تھا۔ جہاں کئی نرسیں اور دو ڈاکٹرز کام کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے یوں مدد فرمائی کے انکے دونوں ڈاکٹرز چھٹی پر تھے انکے پاس ایک ایسا مریض آیا جسکا فوری طور پر اپریشن کرنا ضروری تھا انکے سٹاف ممبر ہمارے گھر رات کو آئے۔اور مکرم ڈاکٹر صاحب سے معلوم کیا کہ آپ ایسا اپریشن کر سکتے ہیں؟لہذا انکی طرف سے معلوم کیا کہ آپ جنرل سرجن ہیں چنانچہ آپ نے وہ اپریشن کامیابی سے کرلیا۔اور اسکے بعد بھی مزید تین دفعہ وہ آپ کو اسی طرح کے کیسز کے لئے اپنے ساتھ لے گئے اس طرح ان سے دوستی ہوئی ان میں زیادہ تعداد امریکن نرس عورتوں کی تھی۔جو وہاں سالہا سال سے رہتی رہی تھیں ۔انکے پاس ہر سہولت موجود تھی کافی بڑا ہسپتال تھا اور انکے رہائش کے گھر بجلی اور پانی کی سہولت مہیا تھی۔اسکے مقابلہ میں احمدیہ ہسپتال کا کوئی مقابلہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل حال تھی ۔یہاں ہر قسم کے اپریشن ہونے لگے اور مریض شفایاب ہوکر جاتے۔الحمدللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحم اللہ تعالیٰ نے ڈیڑھ سال بعد اجازت مرحمت فرمائی کہ ڈاکٹر کے لئے گھر تعمیر کروایا جائے کیونکہ دو جگہ کرایہ پر رہتے ہوئے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔زیرِ تعمیر احمدیہ مسجد ٹیچیان کیلئے کافی بڑی زمین خریدی تھی اسی میدان میں رہائش کے گھر کی تعمیر وقارعمل سے شروع کروایا گیا۔ڈاکٹر صاحب نے خود نگرانی بھی کی اور وقارعمل میں حصہ لیتے رہے اور اسی طرح تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں دو بیڈروم اور ڈرائنگ روم ،باورچی خانہ اور غسل خانہ اور انکے آگے کافی بڑا برآمدے کو جالی لگوادی گئی ۔تاکہ مچھروں سے کم سے کم نبٹنا پڑے۔بجلی جنریٹر سے حاصل کی جاتی رہی اور پانی بارش سے۔1973 میں شہر میں نلکے لگوادئے گئے اور ہمارے گھر کے نلکوں میں 20 جون کو پانی جاری ہوا۔

پاکستان سے چھ ماہ کی چھٹی لی جاتی رہی ڈھائی سال گزارنے کے بعد وزیر اعظم سرحد مفتی محمود کی حکومت صوبہ سرحد میں قائم ہوئی ۔تو ہمارے لئے وارننگ کا خط موصول ہوا کہ جلد سے جلد حاضر ہوں۔حضور اقدس رحم اللہ تعالیٰ سے اجازت حاصل کی مکرم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مع بیوی محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ کے اگست میں ہمارے ہاں تشریف لائے اور چارج سنبھال لیا اور ہم ستمبر 1973 میں بخیریت پاکستان آئے ۔الحمد للہ علیٰ ذالک ۔اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ باوجود چھوٹے بچوں کیساتھ اللہ تعالیٰ نے تائید و نصرت فرمائی اور حالات کا

مقابلہ کرنے کی طاقت عطا کی اور خدمتِ دین کی توفیق دی۔خاکسارہ اور میری بیٹی فوزیہ بشریٰ اور بیٹے منصور احمد نے بھی کافی بچیوں کو نماز سکھائی۔اور قصیدہ کے اشعار یاد کروانے کی کوشش کی۔

سکول کے یونیفارم میں لڑکیاں صرف ایک قمیص پہنتی تھیں۔خاکسارہ نے انکے لئے خود کپڑا خرید کر شلواریں سیں اور پہننے کا طریقہ سکھایا۔دو لجنہ کی خواتین کو شلواریں کاٹنے کا طریقہ سکھایا اور انہوں نے بھی شلواریں سیں۔ اس طرح لڑکیاں مسجد میں شلوار میں جانے لگیں۔انکے لباس میں کپڑا سا باندھتے ہیں۔سکول کی لڑکیوں کے یونیفارم میں وہ کپڑا شامل نہیں تھا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی بہت خدمتِ دین کی توفیق دی۔ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے ہر جگہ نماز با جماعت میں شمولیت اختیار کی اور جہاں چھوٹی جگہوں پر مسجد کی سہولت نہیں تھی تو اپنے گھر یا کسی اور احمدی کے گھر میں با جماعت نماز کیلئے جایا کرتے اور جماعتی خدمات میں حصہ لیتے رہے ہیں

خاکسارہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پشاور میں سیکرٹری نمائش کا عہدہ ملا۔غالباً 1961 کا زمانہ تھا۔بعد میں 1979 میں صدر حلقہ کے طور پر کچھ عرصہ کام کیا۔1982 میں رٹائرمنٹ کے بعد ہم پشاور چھوڑ کر اسلام آباد شفٹ ہوئے اور E/7 کے سیکٹر میں اللہ تعالیٰ نے دو گھر عطا فرما دیے۔اور خاکسارہ کو چار حلقوں کے صدر کے طور پر خدمت عطا کی گئی۔بعد میں سیکرٹری وصیت اسلام آباد اور بطور نائب صدر بھی توفیق ملی۔1992 میں غالباً بحیثیت صدر لجنہ اسلام آباد شہر و ضلع کام کا آغاز کیا۔نہایت کامیاب رہا۔محترمہ صدر لجنہ پاکستان حضرت مریم صدیقہ چھوٹی آپا صاحبہ نے پانچ دفعہ خوشنودی کا چھوٹا سا شیلڈ عطا فرمایا۔3 سال کے بعد صدر لجنہ کے انتخاب میں دوبارہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس طرح پانچ سال کامیابی سے یہ فرض نبھایا۔الحمدللہ علیٰ ذالک۔مکرم ڈاکٹر صاحب نے دعوتِ الی اللہ کے پروگراموں میں بھرپور حصہ لیا۔اور دُور دُور کے گاؤں میں مفت علاج کے پروگراموں میں بھرپور حصہ لیا۔ہر اتوار میڈیکل کیمپ کے لئے ایک ٹیم لے جایا

کرتے تھے۔جس میں زیرِ تعلیم میڈیکل کے سٹوڈنٹ بھی حصہ لیتے رہے۔اور ساتھ ساتھ وقفِ نو کے سیکر ٹری کے طور پر کام کیا۔مکرم ڈاکٹر

عبدالباری کو کام سونپا گیا۔اپنے حلقے میں ہمیشہ صبح کی نماز پڑھاتے رہے الحمدللہ۔نیز کچھ عرصہ صدر احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن بھی رہے۔

لندن آنے کے بعد 2002ء سے خدا تعالیٰ نے مسجد فضل لندن کے قُرب میں رہائش عطا فرمادی۔اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحم اللہ تعالیٰ کے پیچھے نمازیں اور اُنکی روحانیت سے بھرپور علم وعرفان کی مجالس سے مستفید فرمایا الحمدللہ اور اب اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں توفیق دی ہے الحمدللہ علیٰ ذالک۔اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کی دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور نیک اولاد در اولاد عطا فرمادی۔الحمدللہ۔

ہم دونوں کو اللہ تعالیٰ نے سات بچوں سے نوازا ہے۔سب سے بڑی بیٹی عزیزہ فوزیہ بشریٰ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحم اللہ تعالیٰ کا خصوصی پیار اور توجہ پائی۔اور خدمتِ دین کی توفیق پائی۔الحمدللہ ہمارا بیٹا منصور احمد جو کہ امریکہ میں رہتا ہے۔جس جماعت میں رہتا ہے مسجد سے تعلق قائم رکھتا ہے۔فلوریڈا میں رہتے ہوئے مسجد کے لئے جاتے ہوئے تقریباً 200 میل کا سفر طے کرنا پڑتا۔مسجد کی صفائی اور مسجد میں اذان دینا اُسکا بہترین مشغلہ ہے۔احمدی احباب سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔

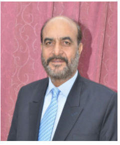
1995 میں ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ایک ماہ قومہ میں ہسپتال میں داخل رہا۔میامی کی جماعت نے ہم دونوں کے وہاں جانے پر ہمارا اور منصور کا بہت خیال رکھا اور خدمت کی۔مکرم عبدالعزیز صاحب پریذیڈنٹ میامی کی بیگم صاحبہ محترمہ خالدہ عزیز صاحبہ نے پورا مہینہ ہر روز ہسپتال کا چکر لگایا۔اور ہمارے لئے کھانا لاتی رہیں۔اسی طرح محترمہ بیگم آفاق صاحب عصمت صاحبہ نے بھی بہت خدمت اور پیار کا سلوک کیا۔اللہ تعالیٰ جماعت کے ہر فرد کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔آمین۔عزیزم منصور احمد کی معجزانہ شفا کے بارے میں الگ پوری تفصیل لکھوں گی کہ اللہ تعالیٰ خلیفہ وقت حضرت خلیفۃ الرابع رحم اللہ تعالیٰ کی خاص دعاؤں کو اور والدین ،بہنوں اور پورے خاندان کی متضرعانہ دعاؤں کو سُنا۔اور اسکو خارق از قیاس شفا عطا فرمادی۔الحمدللہ علیٰ ذالک۔ باقی بچیاں امۃ المتین صاحبہ ،درثمین صاحبہ،امۃ النور کوثر اور امۃ الشکور ارم کو بھی ہمیشہ خلافت سے پیار رہا۔اور ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلنے والی نیک اور عبادت گزار اور مکمل پردہ کرنے والی بچیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح شوہر بھی فرمادئے ہیں۔ثم الحمدللہ ربِّ العالمین سب بچیوں اور منصور احمد کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحم اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق اسوقت پیدا ہوا۔جب حضور اقدس پشاور کے دورہ پر خلافت سے ایک سال پہلے تشریف لائے تھے۔غالباً خدام الاحمدیہ صوبہ سرحد کا سالانہ اجتماع تھا۔حضور اقدس نے ہمارے ہاں مع

ایک غیر ملکی مہمان کے تین دن قیام فرمایا بچے ان سے بہت بے تکلف ہوگئے تھے۔ یہ پیار و محبت اور انکی خصوصی شفقت وفات تک جاری رہی۔ عزیزہ امتہ الشکور ارم کی شادی اور اسکے بعد اس نے حضور اقدس کا بھرپور پیار حاصل کیا۔ عزیزہ فوزیہ بشریٰ اور انکی بچیوں عزیزہ شمر شاہ، درِّشہوار اور سلمیٰ شاہ اور بیٹے سجیل احمد نے حضور اقدسؒ کا خصوصی پیار اور شفقت حاصل کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحم اللہ تعالیٰ کی اردو کلاس کے ابتدائی بچوں میں شامل تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے خدا کے فضل سے سب بچونکو وہی اطاعت اور محبت ہے اور حضور اقدس کی شفقت و محبت کے حصول میں کوشاں رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سکو ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلائے اور قابلِ رشک اطاعت کی توفیق اور سعادت عطا فرماتا رہے آمین۔ اللہ تعالیٰ حضور اقدس کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور اعلیٰ صحت والی مبارک زندگی عطا فرمائے آمین اللّٰھمَّ آمین۔ حضور اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صحابۂ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں خطبات کا سلسلہ شروع فرمایا تھا اور اس میں حضرت قاضی محمد یوسف رضی اللہ عنہ کے بارے میں مندرجہ ذیل ذکر خیر فرمایا تھا۔ حضرت قاضی محمد یوسفؓ فرماتے ہیں کہ:۔

''میں نے 1898ء میں ایک رؤیا دیکھی تھی کہ میں ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر رُو بہ مشرق کھڑا ہوں۔ میرے دونوں ہاتھ پوری وسعت کیساتھ شانوں کے برابر پھیلے ہوئے ہیں اور میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر سورج کا زرّیں کرّہ بلور کی طرح چمکدار موجود ہے اور چاند کا کرّہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر تین فٹ کی بلندی پر آ پہنچا ہے مشرق سے ایک دریا پہاڑ سے جانبِ جنوب ہوکر گزرتا ہے اور دریا اور پہاڑ کے درمیان وسیع میدان اور سبزہ زار ہے۔'' بعد میں یہ تعبیر کھلی کہ پہاڑ مراد عظمت اور رفعت ہے سورج سے مراد حضرت محمد رسول ﷺ ہیں اور چاند سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بدر کامل ہیں اور دریا سے مراد علوم آسمانی ہیں جو مشرق کی طرف سے مغرب کو فیض یاب کردینگے۔ اور چاند کا تین فٹ دور ہاتھ سے بلند ہونا ظاہر کرتا ہے کہ تین سال کے بعد احمدیت نصیب ہوگی۔ 1898ء میں خواب دیکھی تھی چنانچہ 1902ء میں انکو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی (خطبہ جمعہ از الفضل انٹرنیشنل 2نومبر 2012ء تا 8نومبر 2012ء) ماخوذ از رجسٹر روایات صاحبہؓ (غیر مطبوعہ) جلد نمبر 7 صفحہ 202,200 روایت حضرت قاضی محمد یوسفؓ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت خطبۂ جمعہ 7 دسمبر

2012از جرمنی ذکر فرمایا:۔''حضرت قاضی محمد یوسفؓ فرماتے ہیں جنکی بذریعہ خط جنوری 1902 کی بیعت ہے اور دسمبر 1902 میں دستی بیعت کی، کہتے ہیں مجھے دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری محافظت پر دو فرشتے مقرر کئے ہیں۔ایک کا نام محمدّ صدیق ہے اور والد صاحب کی شکل پر ہے اور دوسرے کا نام غلام صمدانی ہے مصائب اور تکلیف کے وقت فرشتہ والد صاحب کی شکل میں مشتکل ہو کر نظر آتا ہے نیز آپکے والد صاحب نے آپکو کہا کہ نماز میں دو بار کم ازکم الحمد للہ ربّ العالمین (سورہ فاتحہ آیت) پڑھا کرو''، جس پر میں ہر نماز میں عمل کرتا ہوں''(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 7 صفحہ 201 روایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ)

9مارچ 2012 کے خطبۂ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صحابۂ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے پھر حضرت قاضی محمد یوسفؓ کا ذکر یوں فرمایا:۔''حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ (یہ مردان کے تھے) فرماتے ہیں کہ ''اپنے دوران سیاحت میں ہندوستان میں بمبئی ،کراچی، دہلی، آگرہ، شملہ اور کلکتہ کے دیکھنے کا موقع ملا ۔بلوچستان میں سبّی، کوئٹہ اور مستونگ دیکھے۔افغانستان میں جلال آباد، کابل اور چارلے کارنغمانی دیکھے۔پنجاب



غزل

ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم خالد

یہ آگ دردِ ہجر کی بجھی ہے کیا ابھی نہیں
کبھی بچھڑ کے دیکھ لو اگر تمہیں یقیں نہیں

گزرگہ خیال تھی غبار سے اَٹی ہوئی
کہاں رکھیں قدم یہاں کہ پاؤں میں زمیں نہیں

بکھر گئی ہے چار سُو وہ روشنی جمال کی
اگرچہ دور دور تک نظر میں مہ جبیں نہیں

کہاں گئیں وہ محفلیں کہ داستاں ہی رُک گئی
مکاں کھڑے ہیں منتظر، الاؤ ہے مکیں نہیں

تم آگئے ہو بزم میں تو آنسوؤں کو پونچھ لو
اُٹھائے ناز جس کے تم یہاں وہ نازنیں نہیں

یہ جسم وجاں جو ساتھ ہیں یہ ساتھ چھوڑ دیں گے کیا؟
کہاں کے ہم نشیں ہیں یہ مرے ہم نشیں نہیں

ترے نقاب میں صنم تری وہ آنکھ ہی تو ہے
مثال جس کی ہے کہاں تری قسم کہیں نہیں

اُٹھا رہا ہوں ناز جو تری ہر اک ادا پہ میں
کوئی تو ایسی بات ہے ترے سوا کہیں نہیں

یہ دین میرے غم کی ہے غموں سے ہو گیا فراغ
جواز اب تو درد کا مرا دلِ حزیں نہیں

میں کوہ مری ،قادیان ،گورداسپور ،امرتسر،راولپنڈی ،سیالکوٹ،لاہوراور وزیرآباد دیکھے سرحد کی تمام ایجنسیاں دیکھیں اورسوات،جموں وکشمیر دیکھا۔روضۂ بل میں حضرت یوزآسف،یسوع یوسفؑ کی قبر دیکھی۔جومحلہ خانیار میں واقع ہے ۔جب خاکسار نے بیعت کی تو اسی دن سے تمام اسلامیہ سکول کے طلباء میں شہر پشاور کے تمام محلوں کے طلباء میں قادیانی ،قادیان اورمرزا قادیان کے نام مشہور ہوگیا(یعنی جس دن سے بیعت کی اسی دن سے ایسا اظہار کیا کہ سارے سکول میں مشہوری ہوگئی کہتے ہیں کہ)اگر فٹبال فیلڈ میں جاتا تو تمام شاہی باغ میں یہی چرچا تھااور اسطرح احمدیت کی خوب شہرت ہوئی اور لوگوں نے سوالات کرنے شروع کئے اورروزمرہ مباحثات اورسوال و جواب کا اکھاڑہ جم جاتا(سکول میں جاتے تھے تو)سکول میں شاہی باغ میں اور جہاں بھی موقع پیش آتا۔سوال اور جواب کا سلسلہ چل جاتا ۔رفتہ رفتہ یہ چرچا عام ہوتا گیا اورمیرے سکول اور شہر کے دائرے سے نکل کر اطراف پشاور اور پھر اطراف سرحد کے دوروں پر آنریبل چیف کمشنر صوبہ سرحد کے ساتھ جایا کرتا تھا اور سرحد کی ایجنسیوں میں بھی جانے کا اتفاق ہوتا ۔اسلامیہ کالج اورمشن کالج تمام اضلاع کے لڑکے پڑھتے ۔میں بورڈ نگوں میں جا کر ان سے ملتا اورتبلیغ کرتا تھا۔میرے ذریعے احمدیت کوتمام سرحد میں شہرت ملی بذریعہ اشاعت ،بذریعہ تحریر اور بذریعہ تقریر بھی اور کثرت سے معمرلوگ بھی داخلِ احمدیت ہوتے گئے۔لوگ جو میرے ذریعے احمدی ہوئے یا پھر انکے ذریعے احمدی ہوئے یا پھر انکے ذریعے احمدی ہوئے انکی تعداد کم ازکم دواڑھائی سوافراد پر مشتمل ہوگئی ان میں سے کچھ تو فوت ہوگئے ہیں۔کچھ زندہ ہیں (لیکن کہتے ہیں کہ کچھ ان میں سے خلافتِ ثانیہ میں)ہیغامی ہوگئے اور کچھ جماعت میں موجود ہیں۔(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیرمطبوعہ جلد 7صفحہ 197۔198روایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ)۱۳،اپریل2012ءخطبہ جمعہ میں حضوراقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حالاتِ صحابہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام بیان کرتے ہوئے ایک بار پھرحضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کے بارے میں فرمایا:حضرت قاضی محمدیوسف صاحب ؓ فرماتے ہیں،"قریباً ستائیس 27 سال ملازمتِ سرکاری اور پندرہ روپے ماہوار سے دوسوروپے ماہوار تک تنخواہ ملی۔ بلکہ زیادہ ۔ہر مشکل اور تکلیف میں جہاں کوئی دوست کام نہ آسکا وہاں اللہ تعالیٰ ہی کام آتا رہا۔اور میرے سب کام اُس کے فضل وکرم سے ہوئے۔

بڑے بڑے ابتلا آئے اور آسانی سے گزر گئے ۔

بیگانوں نے تو کرنا ہی تھا۔خود اپنوں نے تو کرنا ہی تھا۔خود اپنوں نے میرے ساتھ سالہا سال برادرانِ یوسف کا سا سلوک روا رکھا۔مگر خدا تعالیٰ نے ہر معاند و حاسد کو اُس کے حسد و عناد میں ناکام رکھا۔خدا تعالیٰ نے ہمیشہ میری دعائیں سنیں۔اللہ ہی کے حق میں میرا خیر مدّنظر تھا۔کہتے ہیں کہ اہلِ لاہور نے توہینِ رسول کا ایک بہتان میرے ذمہ باندھا اور احرار سرحد نے میرے قتل کے واسطے ایک بے گناہ شخص کو میرے سر بازار قتل پر آمادہ کیا۔خدا تعالیٰ نے میری بریت کے واسطے پستول میں گولی ٹیڑھی کر دی اور پستول چل نہ سکا۔قاتل کو ارباب محمد عجب خان صاحب نے گرفتار کر لیا۔اور حوالۂ پولیس ہوا۔اور گورنمنٹ سرحد نے اُسکو نو سال کے واسطے جیل میں بند کروادیا۔دشمن ناکام ہوئے۔خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ تھا اور اب بھی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ کا الہام پورا ہوا۔"کہ آگ سے ہمیں مت ڈرا۔آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔"

(ماخوذ از رجسٹر روایاتِ صحابہؓ غیر مطبوعہ جلد 7 صفحہ 199 تا 200)





السلام! اے ہادیٔ راہِ ہدیٰ
(در عدن۔قاضی محمد یوسف صاحب)

السلام! اے ہادیٔ راہِ ہدیٰ جانِ جہاں
والصلوٰۃ اے خیر مطلق اے شہِ کون و مکاں
تیرے ملنے سے ملا ہم کو وہ "مقصود حیات"
تجھ کو پا کر ہم نے پایا "کام دل" آرامِ جاں
آپ چل کر تو نے دکھلا دی رہِ وصلِ حبیب
تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یارِ بے نشاں
ہے کشادہ آپ کا باب سخا سب کے لئے
زیرِ احساں کیوں نہ ہوں پھر مرد و زَن پیر و جواں
تشنہ روحیں ہو گئیں سیراب تیرے فیض سے
علم و عرفانِ خداوندی کے بحرِ بیکراں!
ایک ہی زینہ ہے اب بامِ مرادِ وصل کا
بے ملے تیرے ملے، ممکن نہیں وہ دل ستاں!
تو وہی آئینہ ہے جس نے منہ دکھایا یار کا
جسم خاکی کو عطا کی روح اے جانِ جہاں
تا قیامت جو رہے تازہ تری تعلیم ہے
تو ہے روحانی مریضوں کا طبیب جاوداں

یہ دعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگِ آستاں



ایک جلالی کشف

ڈاکٹر فضل الرحمان۔ تنزانیہ

"لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر" آج 2 اپریل 1893 صبح کے وقت تھوڑی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اُس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہُوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے اور اسکی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے۔۔۔۔۔۔تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام۔۔۔۔۔۔کی سزا دہی کے لئے مامور کیا گیا ہے" (برکات الدعا)۔

واقعہ قتل

لیکھرام کے قتل سے چند ماہ قبل ایک نوجوان اس کے پاس ایا اور اسے کہا کہ وہ مسلمان ہے مگر اب ہندو ہونا چاہتا ہے چنانچہ لیکھرام نے بہت خوش ہو کر اسے اپنے پاس رکھ لیا اور 7 مارچ 1897 کا دن مقرر ہوا جب اُسے باقاعدہ طور پر ہندو بنا کر آریہ سماج میں داخل کیا جانا تھا۔ ہندوؤں نے لیکھرام کو بہت منع کیا ک یہ شخص اُس کے لئے بہت خطرناک ہو سکتا ہے مگر لیکھرام نے انکار کر دیا اور اس نوجوان کو اپنے مزید قریب کر لیا۔ 5 مارچ (عیدالفطر) کو لیکھرام اپنے مکان واقع شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں بالائی منزل پر بیٹھا کوئی تحریری کام کر رہا تھا اور یہ نوجوان بھی اس کے قریب ہی بیٹھا ہُوا تھا کہ لیکھرام نے تھک کر انگڑائی لی۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اس نوجوان نے سُرعت کے ساتھ ایک تیز خنجر لیکھرام کے پیٹ میں گھسا دیا اور اسے بار بار گھمایا تا کہ انتڑیاں پوری طرح کٹ جائیں۔ لیکھرام کے مُنہ سے ذبح کئے ہُوئے بچھڑے کی طرح سے آوازیں نکلیں۔ نیچے صحن میں لیکھرام کی بیوی اور والدہ بیٹھی ہُوئی تھیں وہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ائیں۔ وہ نوجوان آہستہ آہستہ چلتا ہُوا دوسرے ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ لیکھرام کی ماں نے آگے بڑھ کر اس کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ اتنے میں پولیس بھی پہنچ گئی۔ پولیس کی نگرانی میں کمرے کو کھولا گیا مگر

کمرے میں کوئی نہیں تھا اس کمرے میں صرف ایک چھوٹا سا روشن دان تھا جہاں سے چڑیوں کے علاوہ کوئی بڑی چیز نہیں گزر سکتی تھی۔ نیچے گلی میں ایک شادی ہو رہی تھی اور بہت سے لوگ جمع تھے مگر کسی نے بھی قاتل کو جاتے ہُوئے نہیں دیکھا۔ پھر آخر قاتل کہاں گیا اُسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی؟ یہ قاتل کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔ کسی کو علم نہیں۔ حضرت اقدس کے گھر کی بھی تلاشی لی گئی اور پورے ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا گیا مگر قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یقیناً یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو چُھری لیکھرام پر چلائی گئی یہ وھی چھری تھی جو وہ کئی برس تک ہمارے سید و مولی ﷺ کی بے ادبی میں چلاتا رہا۔" (سراج منیر) ایک انسان کے اس طرح مارے جانے پر بحیثیت انسان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی بہت دُکھ ہوا۔ آپ نے فرمایا:۔ ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رُجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بد زبانیوں سے باز آجاتا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کے لئے دعا کرتا اور میں اُمید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی زندہ ہو جاتا۔۔۔۔۔اور خوشی اس بات کی ہے کہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہُوئی۔ (سراج منیر)

وہ لیکھرام تو اپنے انجام کو پہنچ چکا مگر خدا تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کو بھی ایک اور لیکھرام کی عبرتناک موت کا نشان دکھانا تھا اور وہ اس زمانہ کا لیکھرام ضیا الحق تھا جس کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا
ساتھ میرے ہے تائید ربّ الوریٰ
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغ دُعا
آج بھی اذن ہو گا تو چل جائے گی

اور پھر نہ صرف ہم نے بلکہ پوری دنیا نے وہ تیغ دعا چلتی ہوئی دیکھی۔ آئندہ بھی خدا تعالیٰ کی غیرت مسیح محمدی کے غلاموں کو ایسے نشان دکھاتی رہے گی۔

بڑھے چلو کوئے عدو
تمہیں نہ روک پائے گا
جہاں بھی سر اُٹھائے گا
وہیں پہ مات کھائے گا
وہ لے کے داغ ذلتوں کا
بے نصیب جائے گا
ہمارے راستے میں جو بھی لیکھرام آئے گا

(انشاءاللہ)



یادیں۔مکرم ناصر جاوید خان مرحوم ومغفور

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز،لندن



ناصر جاوید خان 1953ء میں کراچی میں پیدا ہوئے اور 13 مارچ 2021ء کو 67 سال کی عمر میں وفات پائی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کے والد مرحوم ومغفور پاکستان ریڈ کراس کے جنرل سیکرٹری تھے اوراپنی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے انہوں نے ستارۂ قائد اعظم اور ستارہ خدمت حاصل کیا تھا۔علاوہ ازیں ان کو آرڈر آف John.St کا اعزاز بھی دیا گیا۔

ان کے خاندان میں احمدیت ناصر کے دادا ملک عبداللہ خان صاحب کے ذریعہ آئی۔انہوں نے غالباً 1920ء میں خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔وہ پولیس انسپکٹر تھے اور قادیان بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ملک عبداللہ خان صاحب کی بیعت کے بعد ناصر کے والد صاحب صفدر علی خان صاحب نے بھی بیعت کر لی اور پھر خاندان کے دوسرے افراد بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔

ناصر جاوید نے ابتدائی تعلیم کینٹ پبلک اسکول کراچی میں حاصل کی۔پھر تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخل ہوئے اور ان کے والد کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان کا گارڈین ہونا منظور فرمایا۔اس طرح ناصر جاوید کا خلیفہ ثالث کے ساتھ پیار کا قریبی تعلق تھا اور اس کی وجہ سے ناصر کے دل میں ہمیشہ اخلاص ووفا کا تعلق خلافت کے ساتھ رہا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے افراد کے ساتھ بہت محبت تھی اور ان کی خدمت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

ان کا خاندان ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ سے تعلق رکھتا ہے۔یہ خاندان ہمیشہ جماعت کیلئے قربانیوں میں پیش پیش رہا اور خلافت سے عشق اور اطاعت میں سرشار رہا۔ناصر اپنی طبیعت کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے اور جہاں بھی رہے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا تھا۔بہت مہمان نواز اور لوگوں کے ہمدرد تھے۔اپنے غیر از جماعت تعلقات کی وجہ سے ہمیشہ جماعت کے مفاد کیلئے جو بھی کر سکتے تھے اس کیلئے کوشاں رہتے تھے۔قریباً 40 سال پاکستان کی اسٹیٹ لائف انشورنس میں ملازمت کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔جو بھی محکمہ خسارے میں جا رہا ہوتا تھا ان کے سپرد کر

دیتے اور وہ تھوڑے ہی عرصہ میں منافع ور ادارہ بن جاتا۔ بہت محنتی اور دیانتدار تھے اور اس وجہ سے افسران ان کی بہت قدر اور عزت کرتے تھے۔ ریٹائرمنٹ سے چند سال قبل حکومت نے ان کو Alpha انشورنس کمپنی کا چیف ایگزیکیوٹو آفیسر بنا دیا اور ان کی سربراہی میں اس کمپنی نے بہت ترقی کی۔

پبلک ریلیشنز کی خاص صلاحیت رکھتے تھے۔ چند سال کیلئے حکومت نے ان کو دوبئی بھجوا دیا اور یہ وہاں پاکستان ایمبیسی میں Trade Attache کے طور پر کام کرتے رہے۔ اور اس قدر مشہور و معروف ہوئے کہ لوگ ان کو ہی ایمبسڈر سمجھتے تھے۔ ناصر بہت فرض شناس اور اصولوں کے پابند تھے۔ جماعتی کاموں میں بھی ان کا یہی طریق تھا۔ حضور اقدس کے ارشاد پر قریباً دس سال سے یہاں لندن منتقل ہو گئے تھے۔

یہاں جماعت میں Human Resources کا شعبہ جاری کیا اور بہت محنت سے اسے فعال کیا۔ سب کے ساتھ اطاعت اور تعاون کا اعلیٰ معیار تھا۔ کام کی ذمہ داریوں کا بے حد احساس تھا۔ طبیعت خراب بھی ہوتی تو دفتر چلے جاتے اور جب نہ جا سکتے تو کام گھر پر منگوا لیتے۔

بیماری کی وجہ سے اکثر ہسپتال آنا جانا رہتا۔ وہاں ہسپتال والے ان کی قابلیت سے اتنے متأثر ہوئے کہ ان کو سینٹ جارجز ہسپتال کا گورنر بنا لیا۔ دیگر بہت سے رفاعی اور خیراتی اداروں کے ساتھ تعلق تھا اور ان کی رہنمائی اور خدمت کرتے۔ جماعت کے نظام کے سختی سے پابند تھے۔ خلافت کے ساتھ عشق تھا۔ حضور کے ہر ارشاد پر فوری عمل کی کوشش کرتے۔

ایک وقت میں بیماری کی حالت تشویشناک ہوگئی اور ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ قطعاً گھبرائے نہیں۔ حضور کی دعاؤں پر یقین تھا۔ اور حضور کی دعاؤں سے طبیعت بہتر ہونا شروع ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے تین نہیں تیس ماہ زندگی کے اور عطا کر دئے۔ سبحان اللہ۔

نمازوں اور دیگر عبادات میں بہت باقاعدہ تھے اور گھر میں دینی ماحول قائم رکھنے کیلئے اپنے بچوں کو تلقین کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ لواحقین میں ان کی بیگم مبارکہ کے علاوہ تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹا عمر صفدر علی خان آج کل دبئی میں ہے۔ ایک بیٹی آسٹریلیا میں ہے۔ ایک ابوظہبی اور ایک لندن میں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو احمدیت کی تعلیم پر احسن رنگ میں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ناصر جاوید خان صاحب کو اعلیٰ علیین میں مقام محمود عطا فرمائے۔ آمین





میری ڈائری کا ایک ورق

رحمت للعالمینؐ کے پیروکار؟

بی بی سی اردو نیوز(BBC Urdu News) پر یہ افسوسناک خبر پڑھی کہ "ضلع ننکانہ کے علاقے مڑھ بلوچاں میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے ایک احمدی گھرانے پر فائرنگ کی گئی جس میں ایک شخص جاں بحق اور تین زخمی ہو گئے۔ جاں بحق ہونے والے 31 برس کے طاہر احمد پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے۔ زخمی ہونے والوں میں ڈاکٹر طاہر کے والد طارق سمیت دیگر دو احمدی بھی شامل ہیں جن کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اس وقت نشانہ بنایا گیا جب وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد گھر سے باہر نکل رہے تھے" (مخالفانہ حالات اور اب کرونا وباء کی وجہ سے بھی افراد جماعت احمدیہ گھروں میں (بھی) نمازوں کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ ناقل) قبل ازیں 2017ء میں بھی اسی علاقہ، ننکانہ صاحب میں ڈاکٹر عبدالسلام کے کزن ملک سلیم لطیف کو بھی شہید کر دیا گیا تھا۔ رواں سال اگست اور نومبر میں بھی علی الترتیب دو احمدیوں معراج احمد اور محبوب احمد کو پشاور میں شہید کیا جا چکا ہے۔ گویا احمدیوں کو محض اختلاف فکر و نظر کی وجہ سے مسلسل ٹارگٹ کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک نہایت تکلیف دہ سلسلہ ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بلکہ خوفناک بات یہ ہے کہ ایسا کرنے اور کروانے والے اس حقیقت سے بالکل بے خبر نظر آتے ہیں کہ وہ ایسا کر کے حدود اللہ کو پامال کرتے بلکہ اس میں بڑی ڈھٹائی اور شوخی سے قدم رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ حد سے بڑھتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جب کوئی شخص یا قوم یوں زبردستی اللہ تعالیٰ کی کرسی پر بیٹھتی ہے تو نتیجہ معلوم شد۔ قرآن شریف ایسے واقعات اور ایسے لوگوں اور قوموں کے عبرتناک انجام سے بھرا پڑا ہے۔ مگر جب ہوش پر جوش کا اور نفس کا غلبہ رہے تو کون عبرت پکڑتا ہے؟؟ خدا کی پناہ۔

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھا جو مسجود ملائک یہ وہی آدم ہے؟

دُعا ہے اللہ تعالیٰ ڈاکٹر طاہر شہید، جو دَرحقیقت زندہ ہے۔ کی رُوح پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے۔ اس کے والد سمیت دوسرے زخمیوں کو شفائے کاملہ اور صبر جمیل

سے بھی نوازے۔آمین ثم آمین۔ یہاں یہ امر بطور خاص قابل ذکر ہے کہ آجکل حکومت پنجاب کی جانب سے صوبہ ڈویژن ضلع اور تحصیل کی سطح پر ’’ہفتہ شان رحمت للعالمین ﷺ‘‘ (16 تا 22 نومبر) منایا جارہا ہے۔اور یہ اندوہناک سانحہ بھی اس شان رحمت والے جاری ہفتہ کے پانچویں اور جمعۃ المبارک کے روز عین اس وقت پیش آیا جب لوگ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے۔گویا یہ ہماری ’’ریاست مدینہ‘‘ ہے اور یہ ’’رحمت للعالمینؐ‘‘ سے ہماری محبت کا عالم ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

’’وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا‘‘ کے امتیوں کے ایسے ہی احوال شب وروز سے یاد آیا،ابھی کچھ ہی پہلے 12 ربیع الاول کی مناسبت سے ملتان میں تین سوکلوسوجی، تین سوکلوگھی،تین سوکلوچینی،تیس کلوبیسن،دس دس کلوکشمش، بادام کاجو، چار چارکلو کھوپرااور چھوارے ڈال کرحلوہ تیارکیا گیا تھا۔ مذکورہ خبر کے مطابق حلوہ کی تیاری کے دوران ہی حلوہ لینے والوں (یعنی ’’عاشقانِ رسولؐ‘‘) کی ایک بڑی تعداداس تاریخی دیگ کے اردگرد جمع ہوگئی تھی

۔آہ صدآہ!رہ گئی رسم اذاں،رُوح بلالی نہ رہی

حیران ہوں،آخرمیں ہی سہی مگرکس وقت اورکس مقام پر یہاں مجھے داداجان مرحوم کی بھی ایک پرانی نظم یادآگئی ۔ اب میں اس پرکیاتبصرہ کروں؟



سائے میں خلافت کے ہےاب امنِ جہاں بھی

(حافظ محمد مبرور)

’’دیوانوں کی فہرست میں اک نام بڑھا دے‘‘
مجھ کو بھی خلافت کے غلاموں میں بنا دے

وہ شوقِ جنوں سوزِ جگر مجھ کو عطا ہو
تن من ہو خلافت پہ فدا ایسی فنا دے

ہر طَور مقدّم کروں دُنیا پہ میں دیں کو
پیمان یہ پورا ہو مجھے ایسی وفا دے

اکناف میں دنیا کے ہو وحدت کا چراغاں
توحید کے دیپک میں جلاؤں وہ ضیا دے

سائے میں خلافت کے ہےاب امنِ جہاں بھی
اے کاش سمجھ آئے یہ عالم کو بتا دے









ایک برگزیدہ شجر

محترم چوہدری حمیداللہ صاحب مرحوم



محمود مجیب اصغر انجینئر

وفات اور خلیفہ وقت کا خطبہ۔ تبارك الذی بیدہ الملك وھو علی کل شیء قدیر الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلو کم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور (الملک: 32) بہت برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں بادشاہت ہے اور وہ ارادہ کو پورا کرنے پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور وہ غالب اور بہت بخشنے والا ہے محترم چوہدری حمیداللہ صاحب اللہ کی بادشاہت میں اپنی زندگی کی آزمائش میں اپنی خداداد قابلیت اور اعمالِ صالحہ بجالا کر کامیابی پر کامیابی حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا امین بن کر 87 سال کی عمر میں 7 فروری 2021ء (اتوار) کو اللہ تعالی کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا یہ مؤقف تھا کہ انسان کی سیرت و سوانح بیان کرنے کا وقت انسان کی وفات کے بعد آتا ہے چنانچہ عین اس اصول کے مطابق چوہدری حمیداللہ صاحب کی وفات کے فوراً بعد جو پہلا جمعہ آیا یعنی 12 فروری 2021ء اس پر اللہ تعالی نے خلیفہ وقت کی مبارک زبان کے ذریعے ان کی قابل رشک سیرت وسوانح کو عالمگیر سطح پر نمایاں کر دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ واللہ ذو الفضل العظیم

خدمت دیں میں کمر بستہ رہا

اک مثال عزم و ہمت چل دیا

چوہدری صاحب سے وابستہ یادیں

.۱۹۶۰ء میں جب میں تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی کرنے کے لئے داخل ہوا تو چوہدری حمید اللہ صاحب سے تعارف حاصل ہوا تھا اگرچہ والد صاحب بچپن میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ کے قریب ان کے گاؤں کے حوالے سے ان لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے کہ اس گاؤں ''فتح گڑھ'' کے رہنے والے تھے جو گورنمنٹ ہائی سکول کے قریب ہے احمدی ہونے کے بعد ان کے والد صاحب کی بہت مخالفت ہوئی چوہدری حمیداللہ صاحب جب 2008ء میں خلیفۃ المسیح کا سلام پہنچانے بھیرہ بھی گئے تو ایک ملاقات کے دوران میں نے پوچھا کہ بھیرہ میں تو آپ

بچپن میں رہے ہوں گے؟ فرمایا میں تو پہلی دفعہ بھیرہ گیا ہوں میری پیدائش تو قادیان کی ہے بہرحال سن 1960ء سے ان کی وفات تک on and of مختلف forums پر ان سے واسطہ پڑتا رہا ان پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی شخصیت کا خاص impact تھا انہی کی طرح سوچ سمجھ کر تحمل کے ساتھ سمجھانے کے رنگ میں مختصر بات کرتے آپ کے کلام اور تحریر میں الفاظ کا انتخاب بڑا مناسب ناپا تولا ہوا to the point اور معنی خیز ہوتا تھا آپ گولڈ میڈیلسٹ، پنجاب یونیورسٹی سے ریاضی کے پوسٹ گریجوایٹ تھے آپ کی ہر بات اور ایکشن گویا calculated تھا۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

میں جب 1960ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخل ہوا اس وقت حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کالج کے پرنسپل تھے میرے بڑے بھائی ایم اے لطیف شاہد اس وقت اسی کالج میں بی ایس سی فائینل ائر کے طالب علم تھے۔۔ چوہدری حمید اللہ صاحب اس وقت کالج میں ریاضی کے لیکچرار تھے میرے بھائی کو ان سے براہ راست ریاضی پڑھنے کا موقع ملا تا ہمیں ریاضی پروفیسر ابراہیم ناصر صاحب اور پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب نے پڑھائی آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ اپنے مضمون میں بہت قابل ہیں۔ ریاضی کی تدریس کے علاوہ آپ ایڈ منسٹریشن میں ایک سینئر پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب کو assist کرتے تھے آپ بہت ذہین اور سمجھدار انسان تھے جب کبھی کوئی لڑکے آپس میں اُلجھ پڑتے تو آپ ان کی الگ الگ statement لیتے اور معاملہ کی تہہ میں پہنچ کر اپنی رپورٹ صوفی صاحب کو دیتے جو آگے پرنسپل صاحب سے جا کر decision لیتے۔

پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب اور ان کا ایک خواب۔

پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب شعبہ عربی کے ہیڈ تھے اور بڑے متقی اور صاحب علم و معرفت بزرگ تھے کئی سال بعد عملی زندگی میں ٹرین کے ایک سفر کے دوران صوفی بشارت الرحمن صاحب نے اپنی ایک خواب کا ذکر کیا جو انہوں نے کالج کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ چوہدری حمید اللہ صاحب ان کے پرنسپل ہو گئے ہیں صوفی صاحب نے فرمایا کہ خواب میں بھی اور بعد میں بھی وہ سوچنے لگے کہ کسی بھی لحاظ سے وہ آپ کے پرنسپل نہیں بن سکتے لیکن کئی سال بعد انہیں اس خواب کی تعبیر اس وقت سمجھ آئی جب چوہدری صاحب افسر جلسہ سالانہ اور صوفی صاحب نائب افسر جلسہ سالانہ ہوئے۔ کریکٹر سرٹیفکیٹ۔ ایف ایس سی کے بعد جب انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں میرا داخلے کا مرحلہ آیا تو آپ نے مجھے کریکٹر سرٹیفکیٹ دیا جس پر آپ نے بطور

tutorمندرجہ ذیل ریماکس دیئے۔

Tutor:Hameedullah M. A. (Math)

Lecturer Tutor's remarks:

An extraordinarily gifted student who never belied my expectations. He has a bright past and I hope that his future will be still brighter. He is intelligent and at the same time hardworking and bears an excellent moral character.

بڑی خوبصورت handwriting کے ساتھ آپ کے یہ ریمارکس لکھے ہوئے ہیں اور میں نے یہ سرٹیفکیٹ سنبھالا ہواہے اوران ریمارکس سے رہنمائی لیکراپنی سروس کے دوران کئی لوگوں کوسرٹیفکیٹ جاری کئے ہیں۔

کالج سے سبکدوشی۔تعلیم الاسلام کالج جب قومیالیا گیا اور جماعت کے ہاتھوں سے نکل کرحکومت کے ہاتھوں میں چلا گیاتو صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب اور آپ سے استعفیٰ دلوا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے انہیں صدر انجمن احمدیہ میں خدمت پر لگا دیا باقی جو واقف زندگی پروفیسر تھےان کے لئے آپ کو سیکریٹری مقررکیااورفرمایا کہ سب واقفِ زندگی پروفیسروں سے استعفیٰ لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیں اور جیسے جیسے جماعتی اداروں میں ضرورت پڑے گی ان کا کالج میں استعفیٰ جمع کروا کرانہیں بلوالیا جائے گا۔

ناظر دارلضیافت.آپ کی پہلی تقرری دارالضیافت میں ہوئی آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں دارلضیافت کی کایاپلٹ دی مٹی کی پلیٹوں اورآب خوروں کی جگہ سٹین لیس سٹیل کے برتن آ گئے آپ کے اندرانتظامی قابلیت بہت تھی اور مالی معاملات پرعبوراورکنٹرول حاصل تھا۔سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت کامیاب افسر جلسہ سالانہ تھے ان کی وفات ہوگئی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے آپ کو افسر جلسہ سالانہ بنا دیا اس خدمت پرآپ تاحیات خدمت کی توفیق پاتے رہے آپ کی قابلیت اور تجربہ کی expertise سے لندن اور قادیان کے جلسے بھی مستفید ہوتے رہے۔

ذیلی تنظیموں کی قیادت۔خلافت ثالثہ میں آپ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور خلافت رابعہ میں صدرمجلس انصاراللہ مرکزیہ اورپھرصدرمجلس انصاراللہ پاکستان کےطور پر خلیفہ وقت کا مضبوط بازو بن کر خدمت کی توفیق پاتے رہےآپ کے ادوار میں ہر شعبہ میں ترقی حاصل ہوئی اور آپ خدام اور انصارکواپنی ذیلی تنظیم کے دائرے میں جماعت کے اعلیٰ مقاصد کے لئے تیار کرتے چلے گئے اور ہرخلیفہ وقت کی خوشنودی حاصل کرتے رہے خلفاء کے ارشادات کوآپ نے خدام کے لئے ''مشعل راہ'' اورانصار

کے لئے "سبیل الرشاد" کے نام سے شائع کروایا ایوانِ محمود آپ کی خدام الاحمدیہ کی صدارت کے دوران مکمل ہوا۔انجینئر حفیظ اللہ حیدرانی آپ کے شاگردوں میں سے تھے انہوں نے بتایا کہ ایوان محمود کی چھت کی leakage روکنے کے لئے آپ نے ان سے بھی مشورہ کیا اور rice husk ڈال کر light weight concrete سے چھت پر تہہ لگوادی آپ اپنے لائق شاگردوں سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔

وکیل اعلیٰ تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنی خلافت کے آغاز پر ہی صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کو وکیل اعلیٰ کے منصب پر فائز کر دیا تھا اس عہدہ پر آپ تادم واپسیں خدمت کی توفیق پاتے رہے بیرونی جماعتوں اور مشنز کے لئے آپ کی قیادت میں خلیفہ وقت کا یہ بہترین secretriate ثابت ہوا۔

۱۹۸۵ء کا جلسہ سالانہ ٹلفورڈ (اسلام آباد) یو کے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی 1984ء میں برطانیہ ہجرت کے بعد 1985ء میں جماعت کا عالمی مرکزی جلسہ سالانہ ٹلفورڈ (اسلام آباد) میں منعقد کرنے کا پروگرام بنا ۔1980ء سے جلسہ سالانہ ربوہ پر انجینئرز کی ایک ٹیم نے مختلف زبانوں میں Open Air Simultaneous translation کا انتظام شروع کیا تھا جو 1983ء تک ہر سال لگایا جاتا رہا ایک مضبوط ٹیم تیار ہو چکی تھی 1983ء کے بعد پاکستان میں جلسہ سالانہ پر پابندی لگا دی گئی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے خواہش فرمائی کہ ٹلفورڈ میں انجینئرز کی وہی ٹیم آ کر ترجمانی کا انتظام کرے چوہدری حمید اللہ صاحب نے انجینئر منیر احمد فرخ صاحب کو جو اس ٹیم کے ٹیم لیڈر ہیں خط لکھ کر حضرت صاحب کی خواہش کا اظہار کیا،فرخ صاحب نے ٹیم کے اکثر ممبرز کو ویزے لگوا کر جلسے پر جانے کے لئے آمادہ کیا میں بھی مسقط (سلطنۃ عمان) سے ویزا لے کر لندن پہنچ گیا منیر فرخ صاحب اور ایوب ظہیر صاحب مبشر احمد گوندل صاحب بعض اور ممبرز جیسے عبدالکریم لودھی صاحب پاکستان سے، ملک لال خان صاحب پاکستان سے،اور چند نئے ممبر یو کے سے شامل ہو گئے اور بڑی خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری ادا کی اور پھر یہی ٹیم 2008ء تک لندن جا کر خدمت بجالاتی رہی اس کام کا سہرا چوہدری حمید اللہ صاحب کے سر پر ہے۔میری عملی زندگی میں اعتماد اور خدمت کے مواقع فراہم کرنا۔آپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے اس عاجز کو ذاتی طور پر خدمت کے کئی مواقع فراہم کئے۔صد سالہ جوبلی سوونیئر IAAAE۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1980ء میں انٹرنیشنل ایسوسی ایشن

آف احمدی آرکیٹکس اینڈ انجینئرز (IAAAE) قائم فرمائی تھی اور اس کا نگران (Patron) حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو مقرر فرمایا تھا 1982ء میں خلافت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے بعد حضور نے اپنی جگہ چوہدری حمیداللہ صاحب کو patron بنا دیا 1989ء صد سالہ احمدیہ جوبلی کے موقع پر آپ کے مشورہ پر IAAAE نے سووینیر 1889Centenary Celebrations) 1989 شائع کیا آپ نے سووینئر کمیٹی کا اس عاجز کو صدر مقرر فرمایا اس سووینئر کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل پیغام لکھ کر دیا جو حضرت صاحب کے پیغام کے بعد شائع کیا گیا۔

Message from Patron IAAAE

The International Association of Ahmadi Architects and Engineers is one of the sub - organisations established in the life of Jamaat Ahmadiyya during its first century.

It is merely a grace of Almighty Allah that our association through this souvenir has the previlege of making a useful addition in our publications on the auspices occasion of Ahmadiyya Centenary thanks giving celebrations.

Our association is an organisation of rather tender age as it was incepted hardly 10 years ago but by the grace of Allah, its members have been able to render tremendous services in various countries during this short period particularly the association has played a distinctive role in planning,designingand & construction supervision of buildings for jamaat. This process is continuing by the grace of Almighty of Allah.

The time has come now that the association is aught to expand the circle of its beneficience and as included in should ,the aims and objectives international level ,advance at national and in the direction of research and .innovations

Ch Hameed Ullah (Patron)

مجلس مشاورت 1997ء جن دنوں ناظر اعلیٰ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب شوریٰ کے دنوں میں بیمار تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کو شوریٰ کی صدارت تفویض کی تو میری حیرت کی انتہاء ہوگئی جب

آپ نے ایک سب کمیٹی کا مجھے صدر بنا دیا یہ 1997ء کا واقعہ ہے۔مڈل ایسٹ ..جب میری active service میں مجھے مڈل ایسٹ ٹرانسفر کر دیا گیا جہاں میں مختلف پراجیکٹس پر کام کر رہا تھا اور آپ کو وہاں سے بھی دعا کے لئے عریضہ لکھتا تھا آپ نے ان ممالک میں بہت اعتماد کرتے ہوئے بعض خدمات کے مواقع پیدا فرمائے ۔آسٹریلیا کی پہلی مسجد..آپ کو خلیفہ وقت نے جو بھی خدمت تفویض کی آپ نے احسن رنگ میں اس ذمہ داری کو نبھایا غالباً خلافت رابعہ کا پہلا جلسہ تھا حضور سے غیر ملکیوں کی ملاقات تھی میں اس ملاقات میں شامل تھا حضور کی آمد سے کچھ پہلے اعلان ہوا کہ مڈل ایسٹ سے آئے ہوئے مہمان ملاقات کے بعد تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس میں وکیل اعلیٰ کے ساتھ میٹنگ کے لئے تشریف لے جائیں چنانچہ ہم سب مڈل ایسٹ سے آئے ہوئے پاکستانی گیسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے محترم چوہدری حمید اللہ صاحب نے اپنے نہایت مختصر خطاب میں فرمایا کہ حضور کی یہ خواہش ہے کہ آسٹریلیا کی مسجد کا خرچ آپ لوگ اُٹھائیں اس لئے جو یہاں آئے ہوئے ہیں وہ ڈالرز میں وعدہ لکھوا کر جائیں اور واپس جا کر باقی احباب سے وعدے لے کر بھجوائیں اور یہ رقم دو سالوں میں ادا کرنی ہوگی خدا تعالیٰ نے پہلا وعدہ مجھے لکھوانے کی توفیق دی دوسرا وعدہ انجینئر شاہین سیف اللہ صاحب کا تھا جو عراق سے آئے تھے واپس جا کر ہم نے آگے سب لوگوں سے وعدے لے کر مرکز کو بھجوائے اور دو سالوں میں وصولیاں ہو گئیں۔

السید حلمی الشافعی۔

آپ نے ایک کام کے لئے مجھے ارشاد فرمایا میں روڈ پرمٹ بنوا کر اور ایک دوست محمد سرور جاوید صاحب کو البریمی سے ساتھ لے کر عمان سے ابوظہبی گیا ان دنوں حلمی شافعی صاحب جو بعد میں کئی سال لقاء مع العرب پروگرام میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے interpreter کے طور پر خدمت بجالاتے رہے ابوظہبی میں نیول انسٹی ٹیوشن میں انسٹرکٹر تھے، حلمی صاحب مصر کے رہنے والے تھے غالباً پٹرولیم انجینئر تھے وہ خود احمدی ہوئے تھے بہت بڑے عالم تھے وہاں ان کی اقتداء میں جمعہ پڑھا خطبہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر کبیر سے کوئی مضمون بیان کیا ایک سابق پاکستانی مربی ساتھ ساتھ اردو میں ترجمہ کر رہے تھے اس طرح اس عظیم انسان سے آپ کی وساطت سے ملنے کا موقع ملا۔نظامت انصار اللہ ضلع ۔۔۔میرے سروس میں بہت ٹرانسفر ہوئیں۔پاکستان کے چاروں صوبوں میں رہا اسی طرح آزاد کشمیر میں رہا فیڈرل کیپیٹل اسلام آباد میں وزارت پانی و بجلی میں رہا اور پانچ چھ سال سلطنت عمان میں گزارے مظفر گڑھ میں قیام کے دوران انہوں نے اس

عاجز کو ناظم انصار اللہ ضلع بنا دیا اور ہر شعبہ میں کام کروایا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلع مظفر گڑھ اس سال ملک بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کر گیا اور 1995ء کی شوریٰ پر صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی سے سند وصول کی انہیں سالوں میں آپ نے ایک سب کمیٹی کا بھی اس عاجز کو ممبر بنا دیا جس کے ایک ممبر موجودہ خلیفۃ المسیح حضرت مرزا مسرور احمد صاحب بھی تھے

خط و کتاب۔

آپ کے ساتھ ایک لمبا عرصہ میری خط و کتابت رہی حیرانگی کی حد تک ہر خط کا بہت جلد جواب آ جاتا تھا آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی مشکلات سے نکالا۔ نیسپاک سے ریٹائرمنٹ پر آپ کو خط لکھا آپ نے جواب میں یہ آیت لکھی۔ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ۔اللہ تعالیٰ وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں انسان گمان بھی نہیں کر سکتا چنانچہ کچھ سال نیسپاک فاؤنڈیشن میں کام مل گیا اور اس کے بعد وقف بعد از ریٹائرمنٹ سکیم میں آپ نے ہی انٹرویو لیا اور 6 سال وقف جدید میں نگران تعمیرات کے طور پر خدمت کا موقع ملا۔کتب کی تصانیف۔حیات ناصر۔ حیات ناصر کی تصنیف کے دوران آپ کی مسلسل رہنمائی حاصل رہی اور بالآخر اکتوبر 2000ء میں حیات ناصر جلد اول چھپ گئی۔حضرت مولوی عبد الکریم سیالکوٹی۔۔آپ کی توجہ اور شفقت سے میری کتاب سیرت وسوانح حضرت مولوی عبدلکریم سیالکوٹی رضی اللہ عنہ آپ نے مجلس انصار اللہ سے چھپوائی اور 10 کاپیاں مجھے دیں۔

میرے ماں باپ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی عمومی تحریک پر میں نے بھی اپنے آباء پر ''میرے ماں باپ'' کے نام سے کتاب لکھی جس پر آپ نے بہترین پیش لفظ لکھ کر دیا۔جذبات دل۔والد صاحب کا مجموعہ کلام ''جذبات دل'' چھپوانے پر آپ کا خوشنودی کا خط ملا

بھیرہ کی تاریخ احمدیت۔

میرے والد صاحب کی تصنیف ''بھیرہ کی تاریخ احمدیت'' آپ کو چاہیئے تھی وصول کر کے شکریے کا خط لکھا اور مجھے اور والد صاحب کو دعاؤں سے نوازا۔آپ کے بے حد مجھ پر احسان ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم بخشے اور آپ کو بطور Role Model اپنانے اور اپنائے رکھنے کی توفیق دے اللہ آپ کے درجات بلند کرے۔

انتخاب خلافت کمیٹی کی صدارت

جیسا کہ آپ کی ایک خواب وائرل ہوئی ہے تقدیر الٰہی میں انتخاب خلافت 22 اپریل 2003ء کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے صدارت کا اعزاز بخشا اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل سے یہ عاجز بھی اس کمیٹی میں شامل تھا جس خوش

اسلوبی اور قواعد کی پوری پابندی اور دعا کے ساتھ آپ نے انتخاب کروایا وہ آپ کا غیر معمولی کارنامہ ہے جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

انتخاب IAAAE یوروپین چیپٹر

2003ء کے جلسہ سالانہ یوکے پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر آپ نے یوروپین چیپٹر کے انتخاب کروائے جس کے بعد انہیں بالخصوص افریقہ میں غیر معمولی خدمات کی توفیق مل رہی ہے۔

حرف آخر

اے خدا بر تربت او ابرِ رحمتہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم
(مسیح موعود)

مرنے والے پر خدا کی رحمتیں ہوں تا ابد
رہنے والوں کو مناسب ہے بنیں نقش قدم
(ذوالفقار علی گوہر)

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے قرب میں آپ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور خلیفہ وقت کو آپ کی طرح سلطان نصیر عطا فرماتا رہے ہمیں جب تک زندہ رکھے آپ کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔





غزل

ڈاکٹر عبدالکریم خالد

شام کے ڈھلنے کا منظر کون دیکھے گا یہاں
کون آئے کا یہاں پر کون دیکھے گا یہاں
زخم تازہ ہیں ابھی سینۂ صد چاک کے
کون جھانکے دل کے اندر کون دیکھے گا یہاں
خاک میں سوئے پڑے ہیں پھول سے چہرے یہاں
یاد کرکے اُن کو دم بھر کون دیکھے گا یہاں
اس گماں سے ضبط کرکے دو گھونٹ میں
آنسوؤں کا یہ سمندر کون دیکھے گا یہاں
خون امیں ڈوبی قبا تو دیکھ لی آپ نے
نام کس کا ہے لہو پر کون دیکھے گا یہاں
اُڑ رہی ہیں دھجیاں اس ملک میں انصاف کی
کون منصف ہے یہاں پر کون دیکھے گا یہاں
جو لکھا اپنے مقدر میں اُسے ہونا تو ہے
کیا ہے لیکن یہ مقدر کون دیکھے گا یہاں
ایک دن تیرا مغنی بے صدا ہو جائے گا
ایک لمحہ رُخ پلٹ کر کون دیکھے گا یہاں



بلعم بِنُ باعور

طیبہ شہناز کریم (لندن)

وہ خوش قسمت تھا کہ بت پرستی سے چھٹکارہ دلا کر اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی آغوش رِحمت میں لے لیا مگر بد قسمتی سے خواہش نفس کے ہاتھوں بے بس ہو کر اُس نے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیا:۔

قرآن کریم میں بیان کردہ ایک سبق آموز قصّہ

سورۃ الاعراف آیت نمبر 176 اور 177۔

(ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمدؒ)

اور تو ان پر اُس شخص کا ماجرہ پڑھ جسے ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں۔پس وہ اِن سے باہر نکل گیا پس شیطان نے اُس کا تعاقب کیا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔اور اگر ہم چاہتے تو اِن آیات کے ذریعہ ضرور اُس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کیطرف جھک گیا اور اپنی ہوس کی پیروی کی۔ پس اُس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اُس پر ہاتھ اٹھائے تو ہانپتے ہوئے زبان نکال دے اور اگر اُسے چھوڑ دے تب بھی ہانپتے ہوئے زبان نکال دے۔یہ اُس قوم کی مثال ہے جس نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا۔پس تو ان کے سامنے یہ تاریخی واقعات پڑھ کر سنا تا کہ وہ غور فکر کریں۔‘‘

قارئین کرام! جب ترجمہ پر غور کریں تو ذہن اِسطرف جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق یہ تاریخی واقعات ضرور بیان فرمائے ہونگے تو آخر وہ کدھر ہیں؟ کن کتب میں محفوظ ہیں ہمیں کچھ علم ہونا چاہئے ۔میری درخواست یہ ہے کہ علماء کرام تلاش کرنے میں مدد فرمائیں کہ یہ شخص کون تھا جس کا قرآن میں ذکر ہے۔قرآن کریم نے اس شخص کا نام نہیں بتایا۔اسرائیلی روایات میں بیان کردہ کچھ کہانیاں ملتی ہیں جنہیں بعض لکھنے والوں نے دل چسپ انداز میں بیان کیا ہے۔

مجھے بھی ایسی ہی ایک کہانی کے کچھ پھٹے پرانے صفحات ملے جو شاید ریڈرز ڈائجسٹ کے ہیں۔ لکھنے والے کا نام پھٹ چکا ہے وگرنہ ضرور لکھتی ۔ لمبی کہانی کو بہت مختصر کرنے کی کوشش کی ہے اور اشاعت کیلئے بھیجنے کی جرائت کر رہی ہوں تا کہ معلوم ہو سکے کہ ان کہانیوں میں سچائی ہے تو کہاں تک؟

ایسی کہانیاں ایک سوچ کو دعوت ضرور دیتی ہیں شاید قارئین کچھ زیادہ ریسرچ کر سکیں:۔

بلعم کے باپ کا نام باعور تھا" اور یہ فتورہً شہر کا ایک

کاہن تھا۔اُس زمانے میں جنوں اور روحوں سے غیب کی خبریں حاصل کر کے لوگوں کو بتانے والے'' کاہن" کہلاتے تھے۔شہرِفتورہ دریائے اُردن کے مغربی کنارے پرآباد تھا۔بلعم بہت چھوٹا تھا کہ اُسکی ماں فوت ہوگئی۔سوتیلی ماں اُسے بالکل پسندنہیں تھی لیکن اُس کا باپ اپنی اس بیوی کو بہت چاہتا تھا۔سوتیلی ماں اگر بلعم کو پکارے، بلائے اور پیار کرنا بھی چاہئے تو وہ بھاگ کر اپنی بوڑھی دایہ کی گود میں چھپ جاتا تھا۔جس نے اسکی پرورش کی تھی۔بوڑھی دایہ کی گود میں ڈانٹ بھی اُسے پیاری ہی لگتی تھی۔سوتیلی ماں کا اُس کے باپ پر جادو کا سا اثر تھا۔باپ اس عورت کی ہرخواہش کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا۔بلعم کا بڑا بھائی شیرو بھی سوتیلی ماں سے نفرت کرتا تھا،ایک دن وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔باعور صرف کاہن ہی نہیں تھا بلکہ فتورہ شہر کا حاکم بھی تھی۔اُس زمانے میں اکثر کاہن شہروں پر حکمرانی کرتے تھے۔''باعور" کاہن بننے سے پہلے راہبانہ زندگی گزارتا رہا تھا۔اب اسے کافی عزت وشہرت نصیب تھی اور امورِسلطنت بہت اچھے طریقے سے انجام دے رہا تھا۔بلعم ابھی اپنی بلوغت کونہیں پہنچا تھا لیکن فطرت ایسی پائی تھی کہ ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا جب اُس کا باپ سب سے بڑے''ہیکل" یعنی بت خانے میں عبادت کیلئے جاتا تو بلعم ساتھ رہتا ہیکل میں قربان گاہ پر جہاں قربانیاں دی جاتیں

تھیں اس کا باپ اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑا ہو جاتا، اردگرد لوبان اور دیگر خوشبودار جڑی بوٹیاں جل رہی ہوتیں جنکا دھواں فضا میں چکرلگاتا اور اِس کا باپ لرزتی آواز میں مناجات یعنی عبادت کے الفاظ دہراتا،ایک گونج سی پیدا ہوتی اور بلعم کو اُس کا باپ ایک دیوتا کی مانند دکھائی دیتا پھر اس کا باپ''بعل" بت کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا۔باپ کا یہ روپ بلعم کے دل میں نقش ہو جاتا۔وہ گھر میں بھی باپ کو اِسی طرح ایک دیوتا کی شکل میں دیکھنا چاہتا تھا لیکن گھر میں اُسے اُس کا باپ ایک عام آدمی نظر آتا یہ بات اُسے پسندنہیں آتی تھی۔اب وہ بڑا ہورہا تھا،وہ بھی ہیکل میں خداؤں کے خدا یعنی سب سے بڑے بت''بعل" کے سامنے سر جھکا کر لرزتی آواز میں مناجاتیں پڑھتا، جب اُس کا باپ ہیکل سے باہر نکلتا تو سارے پجاری دو رویہ قطاروں میں کھڑے ہو جاتے، ہرفریادی اُس کے سامنے آکر زمین بوس ہو جاتا اور کہتا،اے باعور! بعل کے چہیتے میری فریاد سُن۔۔وہ فریاد سنکر اُس کے ماتھے پر انگلیوں سے نشان بنا دیتا،اُس وقت وہ بہت عظیم اور طاقتور دکھائی دیتا۔اُس کے منہ سے نکلا ہر لفظ لوگوں کیلئے تقدیر کا درجہ رکھتا تھا۔بعلم اپنے باپ کی ہرحرکت کوغور سے دیکھتا اور اپنے دل میں نقش کرتا چلا جاتا۔باپ خوش تھا کہ بیٹا اُس کا وارث بننا چاہتا ہے۔بیٹا گھر اور ہیکل کی زندگی کے

علاوہ کسی اور طرزِ زندگی سے آشنا نہ تھا اسطرح بلعم کی اٹھان عام بچوں سے مختلف تھی وہ عام بچوں کی کھیلوں میں کبھی شریک نہ ہوا۔ جب ذرا بڑا ہوا تو تیرنا سیکھا۔ وہ طبعاً مفکّر تھا۔ اکثر بیٹھا مناجات کے معنی پر غور کرتا رہتا اور حکمت کے موتی سمیٹتا رہتا، بعض اوقات اُسے محسوس ہوتا کہ ہیکل سوچوں میں مخل ہوئیں لیکن وہ جلدی سنبھل جاتا۔ لمحاتی چیزیں اُس کی سوچوں میں مخل ہوتی تھیں۔ بعض اوقات اُسے محسوس ہوتا ہیکل سے باہر کی دنیا اُسے پکار رہی ہے اور اِس تبدیلی کا احساس اُسے اُس روز ہوا جب ایک تہوار کے موقع پر بیلوں، مینڈھوں اور دُنبوں کے علاوہ بے شمار سانڈھنیاں بھی ''بعل بت" کی بھینٹ چڑھائی گئیں۔ قربانیوں کے بعد دریائے اردن کے کنارے گھڑ دوڑ ہوئی اور اس تقریب میں قریبی سلطنتوں کے سفیر بھی شامل ہوئے۔ اُن کیلئے حکمران باعور کے قریب قیمتی مسندیں بچھائی گئیں۔ سفیروں کی بیویاں بھی ساتھ تھیں۔ بلعم اپنے باپ کے قریب بیٹھا سب دیکھ رہا تھا۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں سب سے اوّل ''عریب" نامی ایک شخص آیا، یہ سلطنت آرامی کا باشندہ تھا۔ اسکے گھوڑے کو اس قدر قیمتی چیزوں سے سجایا گیا تھا کہ نظر نہیں تکتی تھی۔ جب ''عوریب" گھوڑے سے اترا تو لوگ اُسے دیکھنے کیلئے ٹوٹ پڑے، یہ ایک انتہائی خوبصورت نوجوان تھا، اس نے سب سے پہلے کاین فتور یعنی باعور کے سامنے تین بار زمین بوسی کی پھر ''عَوِیٰ" اور ''رقیم" سلطنتوں کے سفیروں کے سامنے جھکا، رقیم کے سفیر کی بیوی کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں، اُس نے پہلے اپنے شوہر کی طرف دیکھا پھر اپنے گلے کا قیمتی ہار اتار کر عوریب کے گلے میں ڈال دیا، عوریب نے سفیر کی بیوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اُس کے سامنے زمین بوس ہو گیا۔ سارا میدان خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا۔ بلعم کو لوگوں کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ وہ ،ہیکل، کے بجائے یہاں زیادہ اطمینان محسوس کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں جذبات دریا کی موجوں کی طرح آزاد تھے۔ اور ہیکل میں دبے دبے اور گھٹے گھٹے رہتے تھے یہاں انہوں نے خوش ہو کر گھوڑ دوڑ دیکھی لیکن ہیکل میں باغور کے سامنے انکی نگاہیں خوف زدہ رہتی تھیں۔

اب بلعم تنہائی میں بیٹھا تو اُسے سفیرِ رقیم کی حسین بیوی کی چمکتی ہوئی آنکھیں یاد آئیں تو اُس کے پہلو میں میٹھی سی ٹیس اُٹھتی ہے بے اختیار اُس کے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر میں ایک شہسوار ہوتا اور عوریب کی طرح گھڑ دوڑ جیتتا تو سفیر کی حسین بیوی چمکتی آنکھوں سے مجھے بھی ویسے ہی دیکھتی۔ اب وہ اکثر دریا کے کنارے دُور چلا جاتا جہاں ماہی گیر مچھلیوں کا شکار کر رہے ہوتے۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر دُور دیکھنے لگتا۔ اُس کا ذہن دو (2) دنیاؤں کا

میدانِ کارزار بن گیا۔ ایک دنیا ہیکل کے اندر اور دوسری ہیکل سے باہر کی، لہٰذا اب اُس نے ہیکل میں حاضری دینے کے علاوہ گھوڑ سواری سیکھنے کا ارادہ کرلیا۔ اُس نے باپ سے گھوڑا مانگا، پہلے تو باپ بہت زیادہ متعجب ہوا، پھر جوانی کا شوق سمجھتے ہوئے اُسکی خواہش پوری کردی۔ بلعم سر گرمی اور شوق سے گھوڑ سواری سیکھنے لگا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اگلے سال وہ تہوار پر ضرور مقابلے میں شریک ہوگا لیکن باپ کا خیال تھا کہ یہ محض اُسے ایک خبط سوار ہوا ہے وقت کے ساتھ ختم ہوجائے گا لہٰذا ایسا ہی ہوا اور بلعم کا گھوڑ سواری کا شوق سرد پڑ گیا، اور یہ اتنا اچانک ہوا کہ ہر شخص حیران رہ گیا۔ باپ نے سوچا چلو اچھا ہوا اب یہ یکسوئی کے ساتھ کاہن بننے کی تعلیم حاصل کرے گا۔ اب بلعم پھر تنہا اور خاموش رہنے لگا۔ اُنہی دنوں عوریب کے قتل کی خبر سب جگہ پھیل گئی۔ عوریب کی برہنہ لاش دریا کے کنارے پائی گئی۔ لوگ عوریب کو اپنا قومی ہیرو سمجھتے تھے ہر شخص اس ٹوہ میں تھا کہ اسے کس نے مارا ہے؟ ہر شخص کی نگاہ ''رقیم" کے سفیر کی طرف اٹھتی تھی لیکن کوئی اُس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کیونکہ وہ طاقت ور شخص تھا کسی کو بھی مروا سکتا تھا۔ لوگوں کو یہ بھی یقین تھا کہ اسکی بیوی نے عوریب کے گلے میں اپنا ہار ڈال کر اُس روز اپنا دل بھی عوریب کو دے دیا۔ اور یہ قتل محض جذبۂ رقابت کیوجہ سے ہوا ہے۔

بلعم بھی اس خبر سے متاثر ہوا لیکن مختلف انداز سے، وہ سوچتا تھا کہ جس دنیا کی طرف عوریب کی طرح وہ کھنچ رہا ہے اس کا آغاز پُر بہار ہے لیکن انجام دردناک قوتِ حیات کے جوش میں ابلتا ہوا عوریب آج فقط ایک یادگار بن گیا تھا لیکن تلخئ دوراں کے باوجود عورت سے محبت کرنے میں کتنی لذّت ہے۔ کتنی راحت ہے۔ وہ سوچتا رہتا اور اُسے سفیرِ رقیم کی بیوی کی چمکتی آنکھیں یاد آتی رہتیں۔ لیکن اُس کا دل چاہتا تھا کہ ایسی لذّت ملے جو ابدی ہو، جسے موت نہ آئے، آخر ایک روز اُس نے ابدی لذّت کا کھوج نکال لیا۔ ریاست ''عمون'' کے حاکم نے سورج دیوتا کیلئے نئے ہیکل کی تعمیر کا حکم دیا، پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر کاٹ کر کشتیوں میں لاتے گئے اور ایک بہت بڑا ہیکل (بتخانہ) دریا کے کنارے بننا شروع ہوا۔ بلعم گوشۂ عافیت کی تلاش میں باہر نکلتا تو اِن پتھروں کے قریب سے گزرتا۔ سنگ تراشوں کی ٹولی کو کام کرتے دیکھتا ایک روز اُس نے دیکھا کہ سورج دیوتا کا مجسمہ یہاں تک تیار ہو چکا ہے کہ وہ ایک رتھ پر سوار، رتھ کے گھوڑے دوڑائے جانے والی شکل تک بن چکا ہے لیکن ابھی نامکمل ہے تکمیل تک نہیں پہنچا۔ اس مجسمے نے بلعم کا دل موہ لیا، اسکی صورت گری میں اتنی کشش تھی کہ اُسے ہیکل اور ہیکل سے باہر کی دنیا میں کوئی دلچسپی نہ رہی، اُس نے اس فلاسفی کو سمجھ لیا کہ عملِ خلاّقی

میں عظمت ہے، خیال جب سانچے میں ڈھلے تو اس میں جادو پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ فنِّ سنگ تراشی کی گہرائیوں میں اُتر گیا، وہ تخیل کے مفہوم سے آشنا ہو گیا کہ تصور میں کس طرح ڈھلتا ہے، اُسکی ذہانت میں تیزی سے اضافہ ہوا ،اور پھر وہ کھیتی کے دیوتا ''آمولک" کا مجسمہ بنانے میں مشغول ہو گیا، جس مجسمے پر لوگوں کی عزیز اولاد کی قربانی دی جاتی تھی۔ اب وہ صبح شام تک سنگ تراشی میں محو رہتا یہاں تک کہ اہلِ فتورہ نے اُسے خبطی اور جنونی سمجھنا شروع کر دیا؛ جب وہ تیشہ لیکر پتھروں کو توڑتا تو اُسکی بھوک پیاس اور شہوت سب ختم ہو جاتی۔ اب لوگ اُسے دیوتاؤں کا چہیتا سمجھنے لگے، جب وہ بازار سے گزرتا تو لوگ اُس کیلئے رستہ چھوڑ دیتے۔ باپ بھی اُس کو ایک نئ محبت اور عزت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایک دن وہ اپنے خیالات میں مگن جا رہا تھا کہ کسی نے اُس کا نام لیکر اُسے پکارا، پلٹ کر دیکھا تو ایک سفید ریش آدمی اسکی طرف تیز تیز قدموں سے آ رہا تھا وہ صحرائے مدائن کا باشندہ اور چرواہا لگ رہا تھا۔ بلعم نے غصے سے اسکی طرف دیکھا، بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا کہ کیا تم ناراض ہو گئے ہو۔ اس قدر غفلت سے مت چلا کرو یہ دیکھو تمہارے موتی گر پڑے ہیں۔ بلعم نے ہاتھ لگایا تو اُس کے گلے کا وہ ہار ٹوٹ کر لٹک رہا تھا۔ جو اُس کے باپ نے اُسے دیا تھا اور ''سلطنت عَوِیٗ'' کے کاہن نے اُس کے باپ کو تحفہ دیا تھا، بہت زیادہ قیمتی اور متبرک تھا۔ بوڑھے نے چُنے ہوئے موتی اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے بلعم نے خوف اور حیرت سے اسکی طرف دیکھا، خوف اس لئے کہ اگر یہ ہار نہ ملتا تو کیا ہوتا اور حیرت اس لئے کہ بدوی چرواہا کون ہے جو اس قدر قیمتی موتی واپس لوٹا رہا ہے جب کہ مدائن کے راستوں پر تو چوروں، راہزنوں کی کمی نہ تھی۔ بلعم نے بوڑھے سے کہا، کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہوں؟ بوڑھے نے کہا اُنہیں چُن کر ہار میں پرو لو، حیران ہونے کی بات نہیں ''سیاہی سے سفید شے ہر گز متاثر نہیں ہوا کرتی" بلعم نے چونک کر دیکھا گویا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی بجلی کوندگئی۔ اب بلعم ''امولک دیوتا'' کا مجسمہ بنا چکا تھا اور اُسکی موٹی موٹی انگلیوں کی نوک پلک درست کر رہا تھا۔ آج پھر اُس نے اپنے پیچھے آہٹ سُنی وہی بوڑھا جس نے موتی چن کر دیئے تھے اُس کے پیچھے کھڑا ''بت'' کو کرخت اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بلعم کو یہ حرکت ناگوار گزری کہ بوڑھے نے بت کے سامنے کوئی مناجات نہیں پڑھی اور نہ ہی زمین بوس ہوا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بوڑھا بے دین ہے اور اُن دنوں مدائن میں بے دینی پھیل بھی رہی تھی اور موباب نامی ایک گمراہ کاہن یہ ہے بے دینی پھیلا رہا ہے۔ بوڑھے نے بلعم سے پوچھا کہ تمہیں بت بنا کر کیا ملا؟ بلعم نے کہا ''اطمینان قلب"

بوڑھے نے کہا، کیا سچ کہتے ہو؟ کیا امولک نے تمہیں زندگی کے معنے سمجھائے ہیں کہ تم دنیا میں کیوں آئے ہو؟ زندگی کی حقیقت کو سمجھتے ہو؟ بلعم خاموشی سے سُن رہا تھا۔ بوڑھے نے پھر کہا حقیقت کچھ یوں ہے کہ "حقیقت" تمہاری زندگی کے پُر خار جنگل میں تمہاری اس طرح رہنمائی کرے کہ تمہارے پاؤں میں ایک کانٹا بھی نہ چبھنے پائے اور تم سلامتی سے پار پہنچ جاؤ۔ بلعم نے پوچھا اُسکی کوئی علامت یا نشانی؟ بوڑھا بولا جسطرح بدن صحیح علاج سے صحت محسوس کرتا ہے اسی طرح دل حقیقت کو پا کر اطمینان محسوس کرتا ہے۔ بلعم غصہ میں آکر دُور دریا کے کناروں کی طرف دیکھنے لگا جو افق میں ملے جلے ہوتے ہیں بوڑھے نے پھر کہا کہ حقیقت بس اتنی ہے کہ ہم اُس خدا کی رضا بجا لائیں جس نے ہمیں پیدا کیا۔ بلعم نے تڑپ کر کہا ہم اُس خدا کی رضا کیسے جان سکتے ہیں؟ بوڑھے نے سکون سے کہا کہ اُس شخص کے ذریعہ جس پر خدا نے اپنی رضا کا انکشاف کیا ہو۔ یہ کہہ کر بوڑھا چل دیا نیز کہا میرا نام راعویل ہے میں گڈریا ہوں۔ اُنہی دنوں ایک نئی تحریک نے جنم لیا تھا اور بلعم کے کانوں میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ اس تحریک کے پیرو بہت کم لوگ ہیں ، کمزور ہیں لیکن اِن کا قائد اعلیٰ نسب کا اور کریم ہے اُنکی آواز دھیمی ہے لیکن وزنی اور اعلیٰ منطق لئے ہوئے ہے۔ تحریک انسانیت کی مکمل اصلاح کرنا چاہتی ہے ۔ اسکے دو مطالبات ہیں نمبر 1 انسانی زندگی کا تہذیبی اور تمدنی مرکز صرف خدائے خالق ہونا چاہئے جس کا کوئی ثانی نہیں ۔ نمبر 2 زندگی کے معاملات عدل اور انصاف پر مبنی ہونے چائیں جن کا معیار خدائے ہادی نے مقرر کیا ہے ۔ بلعم کے نزدیک اِس تحریک میں بڑی کشش تھی لیکن وہ سوچتا تھا کہ کسی انقلابی جذبہ سے ایک دم متاثر ہو کر اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو توڑ پھور دینا کہاں کی عقل مندی اور بصیرت ہے؟ وہ سارے ہیکلوں اور بتوں کو توڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا لیکن دن بدن اُس کے اندر بیزاری اور وحشت بڑھ رہی تھی وہ کوئی سہارا چاہتا تھا اور اِس تحریک میں اُسے سہارا ملتا نظر آرہا تھا کیونکہ ایک خدا تھا، اٹکاؤ پیدا کرنے والے زیادہ خدا نہ تھے۔ سوچتے سوچتے ایک دن لاوا پھٹ پڑا اور اُس کے دل میں بتوں کے خلاف نفرت کی ایک لہر اٹھی ، اپنے ہی تراشے ہوئے "امولک دیوتا" کے بت کو دیکھا تو سخت وحشت اور بیزاری پیدا ہوئی جسے بنانے میں اُسے برسوں محنت کرنا پڑی تھی ، وہ بیزار ہو کر چل پڑا راستے میں اُس نے ایک پالکی میں ایک لڑکی کو بیٹھے دیکھا، بلعم کی نظریں بے اختیار اُس طرف اُٹھ گئیں وہ سراپا حسن تھی۔ لڑکی نے بھی اُسے دیکھا لیکن پھر نظریں اُس پر سے ہٹا کر دُور دیکھنے لگی بلعم کے دل کو چوٹ لگی، کیا وہ بدصورت تھا؟ کیا وہ قابل نفرت تھا؟ مذہب کی عظیم خدمت

اسکے ہاتھوں پروان چڑھ رہی تھی، وہ دیوتا تراش رہا تھا۔۔ چلتے چلتے وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔اُس کا کوئی دوست نہ تھا،کوئی غم خوار نہ تھا،دستگیر نہ تھا،ماں مر چکی تھی، بھائی گُم ہو چکا تھا۔ باپ اپنی سرمستیوں اور مناجاتوں میں گم تھا، اُس کے سر پر محبت کا ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ تھا وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔ ہاتھ بلند کئے اور اُس خدا کو پکارا جس کا ذکر راعویل چرواہے نے کیا تھا کہ میرے خالق! میری آنکھوں نے تجھے نہیں دیکھا لیکن میں تیری موجودگی اپنے دل میں پاتا ہوں۔ مجھے بچالے۔۔بلعم کے خالق نے واقعی اُسے بچالیا۔۔اُس نے شہر فتورہ پر ایک نظر ڈالی اور آگے چلا گیا۔۔۔آج اہلِ فتورہ اُسے ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ اُس کا بنایا ہوا بت ہیکل میں نصب ہونے والا تھا، بڑے بڑے رؤساہ آ رہے تھے باپ خوش تھا کہ اُس کے چہیتے بیٹے کی وجہ سے اُسے کس قدر عزت ملنے والی ہے لیکن باپ کے خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوئے۔۔۔۔بلعم نے چلتے چلتے دریائے اُردن کی پہاڑیوں میں جا بسیرا کیا، اب وہ تھا اور اُس کا وہ خدا جس نے اُسے بچالیا تھا۔۔۔پھر ایک دن دریائے اُردن کی پہاڑیوں میں اچانک ایک چرواہے کا گزر ہوا تو اُس نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کی لمبی داڑھی تھی ۔زلفیں شانوں تک لٹک رہی تھیں، لباس بوسیدہ اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوتھا، اور ایک چٹان پر بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔دوسرے دن دیکھا تو وہ دریا کے کنارے مراقبے کے عالم میں بیٹھا تھا۔تیسرے دن دیکھا تو وہ ایک پہاڑی کھو کے پاس اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ چرواہے نے سوچا یہ کھاتا پیتا کہاں سے ہوگا؟ یہ ضرور کوئی بزرگ ہے جسے غیب سے غذا ملتی ہوگی ۔اُس نے اپنی بکری کا دودھ نکالا اور پیالہ لے کر ڈرتے ڈرتے اُس بزرگ کے پاس پہنچا اور کہا، اے بزرگ! بکری کا تازہ دودھ قبول فرمائیے۔بزرگ کو اُس نوجوان گڈریے پر غصہ تو آیا کیونکہ اُس نے اُس کی یکسوئی میں خلل ڈالا تھا۔ لیکن پھر گڈریے کی معصوم صورت اور خوف و ادب سے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تو پیالہ لے لیا۔گڈریے کو اس بزرگ پر اتنا رحم آیا کہ اُس نے درختوں کی ٹہنیاں جمع کر کے دوسرے دن ایک چھوٹا سا جھونپڑا بنا دیا کہ بزرگ دھوپ سے پناہ لے سکے۔لیکن وہ بزرگ ہر چیز سے بالکل بے پرواہ نظر آتا تھا، اُس کا لباس یہاں تک پھٹ چکا تھا کہ جابجا جسم کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ چرواہے نے پہننے کے لئے ایک (فرغل) پہننے کا لمبا چوغہ پیش کیا تو بزرگ نے حقارت سے پرے پھینک دیا۔ یہ بزرگ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھائے کچھ بڑبڑاتا رہتا۔کبھی دریا کے کنارے پتھروں پر ایسے چلتا جیسے کسی چیز کی تلاش میں ہو۔اسکی عادات عجیب وغریب تھیں۔ چرواہا اس کیلئے دودھ

اور کھجوریں لاتا رہتا کبھی کبھی شہد بھی لا کر دیتا، اُسے بزرگ کی خدمت میں بہت خوشی ملتی اور اسکی خوشی کا احساس بزرگ کو تھا۔ ایک دن ڈرتے ڈرتے چرواہے نے بزرگ سے کہا، اے دیوتاؤں کے مقبول بزرگ! میری ماں تین برس سے مفلوج ہے، میرے سوا اسکی نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں۔ آپ ایک مرتبہ اُس کے جسم پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیں تو وہ ٹھیک ہوجائے گی، بزرگ نے کرخت لہجے میں کہا کہ میرا تعلق دیوتاؤں سے نہیں۔ میرا صرف ایک خدا ہے۔ چراہوا نے پھر زمین بوس ہوتے ہوئے کہا کہ آپ میری ماں کے مفلوج حصّے پر صرف ایک بار ہاتھ پھر دیں وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ چرواہے کی غم سے روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں بزرگ نے کہا اگر وہ ٹھیک نہ ہوئی تو؟ چرواہ یقین سے بولا کہ وہ ٹھیک ہوجائے گی۔۔ بزرگ نے کہا ''جالے آ" بیٹا ماں کو کندھوں پر اُٹھا کر لے آیا۔ جب ماں نے اُس بزرگ کو دیکھا تو پکار اُٹھی کہ یہی میرا ''ناجی'' ہے (نجات دینے والا) جسے میں نے خواب دیکھا تھا۔۔ بزرگ نے فالج والی جگہ پر ہاتھ پھیرا تو عورت خوشی سے چلا اُٹھی کہ میں ٹھیک ہورہی ہوں۔۔ اُسے اپنے جسم کے اندر خون میں چلتی لہریں محسوس ہوئیں۔۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سسکیاں لے کر رونے لگی اور بزرگ کے پاؤں سے لپٹ گئی، پھر اپنے پاؤں پر چل کر اپنے بیٹے کے ساتھ واپس چلی گئی۔

اگلے دن وہ مراقبے کے عالم میں تھا کہ ایک لنگڑا جسکی ٹانگیں زخموں سے گل سڑ چکی تھیں دو لکڑیوں کے سہارے آن موجود ہوا کہ اے بزرگ! مجھ پر رحم کھا، میرے ناجی مجھ پر رحم فرما۔ بزرگ نے سوچا یہ کیا مصیبت ہے۔ جس جھنجٹ سے میں بھاگنا چاہتا ہوں اُس میں پھر پھنس رہا ہوں۔ ویسے وہ اپنے کل والے کرشمے پر خود بھی متعجب تھا، کیا وقعی وہ میرے ہاتھ پھیرنے سے شفایاب ہوگئی؟ یا میں نفس کے دھوکے میں ہوں یا حقیقت میں یہ خدا کا دستِ کرم ہے جسے غلطی سے لوگ میرا ہاتھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اب وہ ایسا کچھ کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے اندر سے ایک آواز اُٹھی کہ تمہارے ذریعہ سے جو ایک چشمۂ فیض جاری ہورہا ہے اِسے بندمت کرو۔ تمہارے ہاتھ پھیرنے سے کیا بگڑتا ہے۔۔ لہٰذا اُس نے لنگڑے کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیر دیا۔۔ لنگڑا تکلیف سے نجات پا کر اُس کے سامنے جھک گیا، بزرگ نے اُس کو ڈانٹا کہ یہ سر کسی انسان نہیں بلکہ پیدا کرنے والے کے سامنے جھکنا چاہیئے ہے۔

چند ہی دنوں میں اس کے پاس بوڑھوں، مفلوجوں، لولے لنگروں۔ اندھوں غرض یہ کہ ہر طرح کے روگیوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ روتے ہوئے آتے اور ہنستے ہوئے جاتے بزرگ کے دستِ معجز نما کا چرچا گردونواح میں پھیل

گیا۔لوگ پیدل، گدھوں۔خچروں، اونٹوں، پالکیوں میں چلے آرہے ہیں۔دُکھی آتے اور شفایاب ہوکر جاتے۔

چرواہے اور اسکی ماں نے بزرگ کے قریب میں اپنا جھونپڑا بنا لیا تھا۔ وہ ہر وقت اس بزرگ کی خدمت میں مصروف رہتے۔ جب بزرگ صبح اور شام اپنی کھوہ (غار) میں سے باہر نکلتا تو پہاڑی کے نیچے بہت تعداد میں مریض جمع ہوتے وہ اُنکے دکھی اعضاء پر اپنا ہاتھ پھیرتا، کوئی اُسکے ہاتھوں کو چومتا، کوئی اُسکے چولے کا کنارہ اپنی آنکھوں سے لگاتا۔اب وہ اپنے چشمۂ فیض سے مطمئن تھا۔دکھیوں کو کو تندرست ہوتے دیکھکر اُسکے دل میں ٹھنڈک اور سکون آ جاتا۔۔وہ بعض اوقات آنے والے دکھیوں کو وعظ ونصیحت بھی کرتا۔جب وہ بولتا تو لوگوں پر خاموشی طاری ہوجاتی۔وہ اُسکی باتیں دل کےکان کھول کر سنتے۔وہ اپنے اعتقاد میں کوئی نقص نہیں پا رہا تھا،، وہ پوری طرح مطمئن تھا۔۔البتہ کبھی کبھار اسکے سکون میں طلاطم پیدا ہو جاتا جب کبھی وہ کسی عورت کے اعضاء پر ہاتھ پھیرتا، اُس وقت اُس کے بدن میں بجلی سی کوند جاتی۔اب یہ سنسناہٹ کبھی کبھار مراقبے کے عالم میں بھی محسوس ہوتی، وہ اِس سے بچنا چاہتا تھا۔اُسے امید تھی کہ خواہشات کے یہ کانٹے بھی نکل ہی جائیں گے۔ ویسے اسکی زندگی بالکل پُرسکون تھی۔ وہ لباس کے رکھ رکھاؤ سے قطعی بے نیاز تھا۔ جو کپڑے پہن کر نکلا تھا وہی جسم پر تھے۔جگہ جگہ اپنے ہاتھوں سے پیوند لگائے ہوئے تھے۔ ایک چادر جو چرواہے نے دی تھی وہی اسکی راتوں کی ساتھی ہوتی۔۔بکری کا دودھ شہد اور کھجوریں اسکی غذا تھیں جو چرواہا بہت عقیدت اور پیار سے مہیا کرتا رہتا تھا۔

عہدِ شباب میں ایک لڑکی پر فریفتہ ہوا تھا اور شادی کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ ایک کاشت کار کی بیٹی ہے تو رُک گیا کیونکہ اُس کے باپ کے نزدیک معزز طبقے صرف تاجر یا کاہن تھے۔اُس نے اپنے اِس جذبے کو دبالیا اور زندگی کے ہنگاموں میں مشغول رہا۔۔

اب ہر روز مریض عورتوں کو چھونے سے شدت سے یہ خیال بار بار آنے لگا۔اُس نے سوچا کہ وہ اس جگہ سے بھاگ جائے جیسے فتورہ سے بھاگا تھا۔لہٰذا اُس نے اپنا عصا پکڑا اور پہاڑی راستے پر چلنے لگا۔اندر سے آواز آئی، بے کس مریضوں کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ دوسری آواز آئی ”خدا کی طرف"۔پہلی آواز نے کہا! اِن مریضوں کا پُرسانِ حال کون ہوگا؟ دوسری آواز نے کہا”وہی جو پہلے تھا" پہلی آواز بولی انسانوں کے دکھ دُور کرنے سے بڑھ کر کوئی کارِ خیر نہیں۔پہلی آواز بولی یہ سچ ہے لیکن اپنا آپ بچانا ہی فرض ہے۔دوسری نے کہا یہ خودغرضی ہے

یہ بزرگ کون تھا؟ یہ بلعم تھا۔اُس نے پلٹ کر دیکھا تو غار کے سامنے مریضوں کا ہجوم تھا۔بیمار چہرے اُس کے

منتظر تھے۔۔اُس نے دل ہی دل میں کہا مَیں یہ چشمۂ فیض بند نہیں کر سکتا۔پھر ہجرت کا خیال ترک کر دیا۔مریض فیضیاب ہو کر دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔اُس نے ایک بہت بڑی کشتی کو دریا میں آتے ہوئے دیکھا ،کشتی کی سجاوٹ اور آرائش رئیسانہ تھی۔ بدوی غلام چلا رہے تھے یہ کھوہ (غار) کے پاس آ کر رک گئی،کشتی سے ایک غلام اتر کر بلعم کے پاس آیا اور بصد احترام عرض کیا کہ اے بزرگ!فتورہ کے عظیم تاجر''اعور" کی بیوی آپ کی قدم بوسی کی اجازت چاہتی ہے۔بلعم نے کہا بخوشی آ جائے۔غلام نے سر جھکاتے ہوئے عرض کیا کہ وہ چلنے سے معزور ہے۔بلعم اٹھ کھڑا ہوا اور غلام کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جب قریب پہنچا تو سب غلام اور ملاح سرنگوں ہو گئے،کشتی کے ساتھ سیڑھی لگائی گئی اور وہ اوپر چڑھ گیا،دیکھا تو زرنگار پردوں کے پیچھے ایک عورت بیٹھی تھی،جس کی خوبصورتی اور ماحول کی جگمگاہٹ نا قابلِ بیان تھی،وہ اٹھی اور بلعم کے پاؤں میں گر پڑی،وہ معزور نہیں تھی۔پھر اُسکے بلانے کا مقصد؟بلعم کے دل میں امیروں کے خلاف جذبۂ نفرت ابھرا۔عورت اُس کے قدموں سے الگ ہوئی اور کہنے لگی،میں تیری آمد سے کشتی کو بابرکت بنانا چاہتی تھی،تیری موجودگی میرے لئے باعثِ صد فخر ہے۔مجھ پر غصہ نہ کر۔میں فتورہ کے عظیم تاجر''اعور" کی بیوی ہوں،میری شادی ہوئے آٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن میری گود اب تک ہری نہیں ہوئی۔۔ اب میرے خاوند کو لوگ کچھ اور مشورے دے رہے ہیں۔ بلعم نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا کہ یہ معاملہ تو خدا کے اختیار میں ہے،ساتھ ہی اُسے یاد آیا کہ یہ حسین چہرہ اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔۔یکایک اُسے وہ پالکی والی لڑکی یاد آ گئی۔۔جس کی ایک اچٹتی نگاہ نے اُس کا دل گھائل کر دیا تھا،اُس کے مردہ جذبات زندہ ہو گئے۔کشتی میں خاموشی تھی صرف لہروں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔بلعم کسی نا قابل حل الجھن میں مبتلا سر جھکائے بیٹھا تھا۔اُسکے لباس کی مہک وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ اچانک عورت اُس کے قریب آ گئی۔قریب۔اور قریب بلعم اُسکے مہکتے سانس اپنی ڈاڑھی کے قریب پا رہا تھا۔وہ کہہ رہی تھی مجھ پر رحم کر۔مجھ سے تعاون کر۔مجھے ماں بننے کا اعزاز بخش دے۔ یہ وقتِ آزمائش تھا۔سخت ترین امتحان۔بلعم کا دل کانپنے لگا۔مدتِ دراز کی محنت سے بنائی عمارت کو وہ ایک ہی ہلّے سے گرتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ بے بس بھی ہو رہا تھا۔پھر ایک جھٹکے سے وہ اٹھ کھڑا ہوا،وہ مغلوب ہونا نہیں چاہتا تھا،شدّت سے چلایا۔پیچھے ہٹ خبیث روح۔آج معلوم ہوا حضرت یوسف کو کس بلا کا سامنا تھا۔مَیں اُس سنت کو تازہ کروں گا۔میری راہ سے ہٹ جا۔وہ دوڑ کر کشتی کی سیڑھی اترنے لگا تو سیڑھی غائب

تھی ۔ اُس نے اندھرے میں چھلانگ لگادی ، اُس کے پاؤں گیلی ریت میں دھنس گئے اوردائیں پاؤں میں بہت چوٹ آئی ۔ وہ خلا میں ڈوبتا چلا گیا۔ جب ہوش آئی تو اپنی کھوہ میں لیٹا ہوا تھا ۔ چرواہا اور اُسکی ماں پاؤں دبا رہے تھے، وہ اٹھ کر بیٹھا۔ چرواہے نے دودھ کا پیالہ پیش کیا وہ بہت نحیف ہوچکا تھا۔اُس کا پاؤں بھاری پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔وہ کھسک کرموکھے کےقریب آیادریا کیطرف دیکھا۔ کشتی واپس جارہی تھی اُس نے اطمینان کا سانس لیالیکن یہ عارضی تھا۔ اگلے دن وہ بہت بے چین تھا۔ اس واقعہ نے اُس کی پُرسکون زندگی میں ہجان برپا کردیا تھا۔اُس سے اُس کا اطمینان چھینا جا رہا تھا۔۔ وہ ایک بھاری آزمائش سے سُرخرو نکلا تھالیکن وہ دُکھی بھی تھا کہ اُس کے بدن کے تقاضے بدستور جوان تھے جو اُسے سنہرا موقع کھو دینے پر ملامت کر رہے تھے ۔ ظاہری اور باطنی علم حاصل کرنے کے بعد بھی وہ اپنی قلبی کیفیات بلند نہ کر سکا اور نہ ہی خواہشات میں کوئی کمی آئی ۔۔اُسکی بے چین حالت کودیکھ کر چرواہااوراُس کی ماں بےقرار تھے۔رات ہونے کوتھی، چرواہے کی ماں نے تنکوں کے بستر پراُنی چادر بچھائی اور ادب سے بولی ۔۔میرے ناجی تیری حالت ٹھیک نہیں تو ذرالیٹ جا، پھرایک دودھ اورشہد کا پیالہ پلایا۔اعصاب کو سکون ملا،، لیٹ گیااور کچھ دیر کیلیئے آنکھ لگ گئی۔جا گا تو کھوہ میں زیتون کا دیا جل رہا تھا۔موکھے سے دیکھا تو آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔اُسکے اضطراب کی آندھی گزر چکی تھی ۔ اچانک اُس نے دیئے کی روشنی میں ایک سائے کو حرکت کرتے دیکھا۔ یہ چرواہے کی ماں تھی، وہ آہستہ سے قریب آئی اوربلعم کے پاؤں دبانے لگی نیز کہا میرے ناجی ! تمہارےبغیر ہماری دنیااندھیر ہے۔عورت کی آنکھوں میں آنسوجھلملا رہے تھے۔بلعم اٹھ کر بیٹھ گیااور بولا،مت رو یہ دنیا میرے بغیر بھی چلتی رہے گی ہم سب کا مالک خدا ہے جس نے زمین آسمان بنایا ہے۔بلعم نےغور سے دیکھا، وہ عورت بوڑھی نہیں تھی ۔ جوانی کی سرحد پر اپنے آپ کو سنبھالے بیٹھی تھی ،ڈھارس بندھانے کیلیئےبلعم کا ہاتھ عورت کے سر کی جانب اٹھ گیا۔ جونہی بلعم نے پیار سے اسکے سر پر ہاتھ رکھاعورت کا سر ڈھلک کراُس کے سینے پرآرہا۔اتنے میں ہوا کا جھونکا آیااوردیا گُل ہوگیا۔بلعم کےضمیر نے اُسے کچھوکےلگائے۔لعنت بھیجی لیکن کچھ نہ بنا وہ خدا سے مدد کی درخواست بھی کرتا رہالیکن جونہی رات کا اندھیرا چھا جاتا اُس کے پاؤں میں درد اٹھنے لگتا اور درد اُسوقت تک دور نہ ہوتا جب تک چرواہے کی ماں اُسے دبانے نہ لگ جاتی سنسان رات اورکائنات کےسکوُت میں اُسکی جسمانی خواہش کبھارسےکسی شیر کی طرح انگڑائیاں لیتی ہوئی باہر آجاتی ، جب اوسان بحال ہوتے تو افسوس اورندامت سے

انگلیاں کاٹنے لگتا۔۔ روزانہ روح اور بدن کی جنگ ہوتی اور طاقتور بدن جیت جاتا، ہر روز پناہ مانگتا پھر بہک جاتا یہاں تک کے اُسکے دفاع کی تلوار کند ہوگئی۔۔

اس دوران اُسکی شہرت دور دور تک پھیل چکی گئی تھی۔ ہزاروں مریض اُسکے دستِ معجز نما سے شفا پا چکے تھے۔ انہی دنوں سرزمینِ ابولہول (مصر) میں نئے عقائد کی ایک تحریک نے جنم لیا اور اکثر قافلے یہ خبر پھیلاتے رہتے تھے۔ پھر فرعون کی غرقابی اور حضرت موسےٰ کی کامیابی کی خبر بھی پھیلی۔ بلعم کو یقین ہوگیا کہ یہ لوگ حق پر ہیں اور اُسے اِسی تحریک میں شامل ہوکر جسم و روح کے عذاب سے جنات مل سکتی ہے لیکن اُسکی روح بہت لاغر ہو چکی تھی وہ اپنی سوچوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

جب حضرت موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل ''موآب" کے میدان میں آن ٹھہرے تو مدائن کی سرزمین لرز اُٹھی۔ حق کی یلغار رک نہیں سکتی۔'' موآب'' کے بادشہ نے دھمکی دیتے ہوئے بلعم سے کہا کہ بنی اسرائیل کیلئے بدعا کرو کہ وہ'' موآب" کو فتح نہ کرسکیں۔ (یعنی یہ خدائی تحریک یہاں غالب نہ آئے)۔ اگرچہ بلعم نے بتے حیل وحجت کی کہ وہ ایسی بدعا کرنے کیلئے تیار نہیں لیکن موآب کے بادشاہ نے اُسے بہت دھمکیاں دیں مجبوراً اُسے جانا پڑا۔ ایک قربان گاہ تیار کی گئی تھی جسمیں بے شمار بیل اور منڈھے قربان کئے گئے۔ بلعم بدعا کیلئے کھڑا ہوا تو کرشمہ خداوندی سے بے اختیار اُس کے منہ سے بنی اسرائیل کیلئے دعا یہ کلمات نکل گئے بادشاہ نے غصہ سے کہا یہ تو نے کیا کیا؟ بلعم بولا جو خداوند میرے منہ میں ڈالتا ہے میں وہی کہنے پر مجبور ہوں۔۔ پھر اُسے ایک دوسری قربان گاہ پر لے جایا گیا لیکن وہاں بھی یہی معجزہ ظہور میں آیا۔ پھر تیسری جگہ بھی ایسا ہی ہوا۔ بدعا کی بجائے اسکے منہ سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کیلئے دعا ہی نکلتی رہی۔ اِس پر بادشاہ کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی، بلعم کو دو تھپڑ مارے اور کہا کہ تو میری دشمنی پر اتر آیا ہے۔ میں تجھے عزت اور بلند مقام دینا چاہتا تھا۔ جب بلعم بدعا نہ کرسکا تو اُس نے شاہِ موآب کو ایک مشورہ دیا کہ بنی اسرائیل کے خیموں میں خفیہ طور پر فاحشہ عورتیں بھیج دو۔ بنی اسرائیل گناہوں میں ملوث ہو جائیں گے اور اپنے قائد یعنی (موسیٰ) کا کہا نہیں مانیں گے۔ اس مشورے پر عمل ہوا لیکن خدا کی قدرت بلعم پر عذاب اس صورت میں نازل ہوا کہ مدائن میں ایک شخص ''یخاص بن المیعز ز'' نے اُسے قتل کردیا۔ یہ شخص آزمائشوں سے بچ نکلا لیکن نفس امارہ کی نا آسودہ خواہشِ جنسی کے ہاتھوں مات کھا گیا۔۔ اسفل سا فلین تک جا پہنچا۔ سچ ہے ایمان روکتا ہے کفر کھینچتا ہے

امید ہے قارئین اپنے اپنے تاثرات سے ضرور آگاہ کریں گے۔ 



حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت صوبہ پنجاب

صفدر علی وڑائچ ۔ امریکہ

خاکسار آج ایک بہت ہی پیاری ہستی حضرت مرزا عبدالحق صاحب کے بارہ میں چند یادیں اپنے ذاتی تعلق کے حوالہ سے لکھ رہا ہے۔ یوں تو ان گنت واقعات ہیں اور ہر واقعہ بڑا ایمان افروز ہے مگر خاکسار آج صرف اپنے ذاتی واقعات لکھ رہا ہے۔

میرا آبائی گاؤں رجوعہ تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤ الدین ہے۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیس کے لگ بھگ صحابہ ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ایک حضرت چوہدری بڈھے خان صاحب بھی تھے جو خاکسار کے پردادا ہیں۔

خاکسار اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مئی ۱۹۸۶ء میں سرگودھا آیا تو مکرم ڈاکٹر ظہیر الدین منصور احمد صاحب اور مکرم محمود احمد صاحب بنگالی صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے اُس وقت کے قائد خدام الاحمدیہ ضلع مکرم چوہدری خادم حسین وڑائچ صاحب سے میرا تعارف کروایا۔ جنھوں نے مجھے ضلعی مجلس عاملہ میں شامل کرلیا۔ اس طرح ان کے ذریعہ خاکسار کا حضرت مرزا عبدالحق صاحب سے تعارف ہوا اور پھر آپ سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔ آج آپ کی یاد میں قلم پکڑتے ہی آنکھیں برسنے لگیں ہیں۔

حضرت مرزا عبدالحق صاحب نے مجھے پہلی تحریک یہ فرمائی تھی کہ آپ داڑھی رکھ لیں خواہ چھوٹی ہو۔ فرمایا کہ اس طرح آپ کو امام جماعتی میٹنگز میں ساتھ لے جایا جا سکتا ہے۔ اُس وقت مکرم چوہدری خادم حسین وڑائچ صاحب قائد خدام الاحمدیہ وہیں موجود تھے۔ میں ابھی آپ کی تحریک پر سوچ ہی رہا تھا کہ اتنی بزرگ ہستی نے تحریک فرمائی ہے تو داڑھی رکھی ہی لی جائے ۔ اس دوران شیو بھی نہیں کروائی بھی تو تیسرے دن پھر ہم دونوں حضرت امیر صاحب کے پاس اکٹھے ہو گئے ۔ مکرم خادم صاحب نے حضرت امیر صاحب سے کہہ دیا کہ صفدر وڑا نے آپ کی تحریک پر داڑھی رکھی ہے ۔ آپ نے بڑے پیار سے میرے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا مبارک ہو ماشاءاللہ اچھی لگتی ہے۔

اب تو نہ کی گنجائش ہی نہ رہی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے داڑھی رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ

۸۸۔۱۹۸۷ء میں مکرم محمود احمد بنگالی صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے مجھے قائد خدام الاحمدیہ ضلع مقرر فرمایا۔ یہ شدید مخالفتوں کا دور تھا۔ مکرم چوہدری خادم حسین صاحب نے قائد ضلع کا چارج مجھے سمجھاتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ ہر روز ایک دفعہ حضرت مرزا عبد الحق صاحب، مکرم قریشی محمود الحسن صاحب مکرم چوہدری نصر اللہ خان بھلی صاحب نائب امیر ضلع سے ملنا اور کچہری جانا تمہارے فرائض میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب سے شروع میں ہر روز رابطہ رہتا۔ جب ملنے جایا کرتا تو حضرت مرزا صاحب خود آ کر برآمدہ میں ملتے اور پھر اسی طرح الوداع کرتے اور بڑی خوشی محسوس کرتے۔ پوری بات سنتے اور تفصیلی ہدایات دیتے۔

2007ء خاکسار نے ایک واقعہ دعوت الی اللہ کی رپورٹ پیش کی تو اس میں لجنہ شہر کی رپورٹ شامل نہ تھی۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی مکرمہ باجی منصورہ صاحب جو صدر لجنہ شہر تھیں کو بلایا اور فرمایا آپ شہر کی رپورٹ نہیں دیں گی تو جماعت کی رپورٹ لیٹ ہو جائے گی اور میں آپ کی رپورٹ کر دوں گا۔ پہلے رپورٹ دیں پھر کوئی اور کام کریں۔ یہ تھی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی ہدایت۔ اس کے بعد جب تک باجی منصورہ صاحب صدر لجنہ شہر رہیں کبھی دعوت الی اللہ کی رپورٹ لیٹ نہیں ہوئی۔

خاکسار کی شادی ہوئے سات سال ہو گئے تھے مگر اولاد نہ تھی۔ خاکسار دعا کی تحریک کیا کرتا تو مجھے حضور انور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی ہدایت فرماتے اور کہتے میں بھی دعا کروں گا۔ 1987ء میں ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا ہے۔ میں حضرت امیر صاحب کی بائیں جانب بیٹھا کاروائی لکھ رہا ہوں جبکہ مکرم چوہدری نصر اللہ بھلی صاحب جو کہ اس وقت قائد علاقہ سرگودھا اب امیر ضلع تھے دائیں طرف بیٹھے عاملہ میں ڈاک پیش فرما رہے ہیں۔ مکرم خان صاحب کی داڑھی اس وقت سیاہ تھی مگر خواب میں سفید دیکھیں۔ آپ اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی بلند کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ صفدر وڑائچ کو اولاد کی نعمت سے نوازے گا اور پھر حضرت مرزا صاحب کا دایاں ہاتھ پکڑ کر بلند کرتے ہوئے تین دفعہ اعلان کرتے ہیں کہ مرزا عبد الحق صاحب گواہ رہنا۔ خاکسار کی آنکھ کھلی تو رات پونے تین بجے تھے۔ اسی وقت دعا کی توفیق ملی۔ صبح ناشتہ پر اپنی بیوی کو خواب سنائی پھر حضرت مرزا عبدالحق صاحب کے

پاس چلا گیا۔ اُنہیں خواب سنائی۔ آپ بڑی خاموشی سے اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور میرے پیچھے کھڑے ہوکر فرمایا منہ کھولو۔ میں نے منہ کھولا تو انہوں نے اس میں کوئی چیز ڈال دی اور میرے سامنے والی کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ فرمانے لگے ہاں اس کا ذائقہ کیسا ہے میں نے کہا بہت میٹھا۔ فرمایا اس خواب کی تعبیر بھی بہت میٹھی ہے۔ اللہ تعالی آپ کے حق میں پوری فرمائے آمین۔ پھر یہ خواب بھلی صاحب کو بھی سنائی تو وہ مسکرا کر فرمانے لگے کہ شاید اُس وقت پوری ہوتی ہو جب داڑھی سفید ہوگئی ہو اور واقعتاً ایسا ہی ہوا۔

مارچ 1989 جشن تشکر کے موقع پر خاکسار ضلع بھر کی جماعتوں کی رپورٹ حاصل کرنے والی کمیٹی کا صدر مقرر ہوا تھا۔ 23 مارچ کو خاکسار اور عزیزم الطاف احمد صاحب بیت الاحمدیہ نیوسول لائن سے پروگراموں کی نگرانی کا جائزہ لے کر نکلے تو بعض افراد نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہمیں مار پیٹا گیا اور سٹی تھانہ میں بند کروادیا۔ میرے دائیں ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ ایک شریف قیدی نے میرے ہاتھ کو بوسا دیا اور کہنے لگا کہ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کا مذہب صحیح ہے کہ نہیں مگر آپ کا خون اپنے دین کی خاطر بہہ رہا ہے۔ یہ خون بڑا مبارک ہے۔ تھانہ میں مولوی جوق در جوق آتے اور میں کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرتے۔ تھانہ میں ہی حضرت مرزا صاحب کا فون آیا اور مجھے بلا کر حوصلہ افزائی فرمائی اور بڑی دعائیں دیں۔ مکرم شیخ نعیم احمد صاحب قائد شہر ہمارے لئے کھانا اور پھل وغیرہ مکرم امیر صاحب کی ہدایت پر لے آتے۔ رات 12 بجے امیر صاحب کی دعاؤں کے نتیجے میں تھانہ والوں نے ہمیں رہا کر دیا۔

14 اکتوبر 1992ء کو مجھ پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا۔ میں زندگی اور موت کی کشمکش میں آپریشن تھیٹر میں پڑا تھا۔ اپنے پیارے خدا سے اس انداز میں دعا کر رہا تھا کہ اے میرے اللہ میں بڑا کمزور حقیر انسان ہوں۔ بے اولاد ہوں اور اپنے والد صاحب کی وفات کی وجہ سے اپنے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کا سربراہ بھی ہوں۔ قائد خدام الاحمدیہ ضلع و علاقہ اور سیکریٹری دعوت الی اللہ ضلع کی ذمہ داریاں بھی مجھ پر ہیں۔ میں یہ سب ذمہ داریاں پوری طرح ادا نہیں کرسکا۔ مجھے معاف فرما اور میرے وجود کو ایسے دھودے جیسے دھونی کپڑا دھوتا ہے۔ اسی کیفیت میں آنکھ لگی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مرزا عبدالحق صاحب آتے ہیں میرے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے مجھے تسلی دیتے ہیں کہ خدا تعالی آپ کو راحت عطا فرمائے گا اور آپ پہلے کی طرح خدمت دین کے کام کریں گے۔ میں نے آپ کے لئے حضور

انور کی خدمت میں دعا کے لئے فیکس کر دی ہے ۔ دوسرے دن میرا آپریشن ہوا۔ حضرت مرزا عبد الحق صاحب میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے رات والے نظارے کا ذکر کیا اور عرض کی کہ جب آپ مجھے تسلی دے گئے تو میں نے سمجھ لیا کہ میں خدا کے فضل سے زندہ رہوں گا۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا مجھے تو رات کو پتہ ہی نہیں چلا اگر مجھے رات کو اطلاع ہوتی تو میں اسی وقت آتا۔

وہ پیارا وجود اپنی ٹھوڑی کے نیچے اپنی کھونڈی رکھے بینچ پر بیٹھے میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے دعائیں کرتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹہ یہی کیفیت رہی ۔ پندرہ دن سرگودھا ہسپتال میں رہنے کے بعد الائیڈ ہسپتال فیصل آباد میں بازوؤں کے علاج کے لئے گیا۔ وہاں ایک اور آپریشن ہوا۔ واپس گھر آیا تو دوسرے دن حضرت مرزا عبدالحق صاحب میری عیادت کے لئے میرے گھر تشریف لائے اور بڑی تسلی دی اور دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔ دوسرے دن آپ کا خط آیا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ قاتلانہ حملہ کے ملزم کو معاف کردیا جائے ۔ خاکسار بازوؤں کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ خط کا جواب اسی تکلیف میں لکھوا دیا۔ جس میں یہ جملہ بھی تھا کہ اگر آپ کے بیٹے کو فائر لگے ہوتے تو پھر



اس شجرِ خلافت کے گھنے سائے میں جو ہو

(مبارک احمد عابد)

مجھ کو مرے آقا کی جھلک ایک دکھا دے
پیاسا ہوں مری پیاس خدارا تُو بجھا دے
اے دوست تو دربارِ خلافت میں لئے چل
اُس ماہِ جہاں تاب سے تُو مجھ کو ملا دے
میں بھی ہوں اسی حُسن وفا کیش کا عاشق
''دیوانوں کی فہرست میں اک نام بڑھا دے''
یہ ایک حقیقت ہے دعا ہے وہ سراپا
میری بھی تمنا ہے کہ وہ مجھ کو دعا دے
جتنے بھی ہیں سب کام سنور جائیں گے میرے
اک نگہِ کرم وہ جو مری سمت اٹھا دے
جاتا ہی نہیں خالی کوئی بزم سے اُس کی
ہر ایک کو وہ تحفۂ صد مہر و وفا دے
اس مہ کا دل و سینہ ہے چاہت کا خزینہ
آدابِ محبت وہ جہاں بھر کو سکھا دے
وہ بولے تو عرفان کے بہنے لگیں جھرنے
لکھے تو جواہرات وہ کاغذ پہ سجا دے



پتہ چلتا کہ اتنا جلدی کیسے معاف کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن حضرت امیر صاحب تشریف لائے تو میں اپنی اس احمقانہ حرکت کی وجہ سے نادم تھا۔ آپ نے آتے ہی بڑا پیار کیا اور فرمایا کہ آپ نے کیسے محسوس کرلیا ہے کہ آپ سے زیادہ میں اپنے بیٹوں کو اہمیت دیتا ہوں۔ آپ مجھے نثار صاحب سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ یہ تھے ہمارے بزرگ امیر جو اپنی اولاد سے بھی زیادہ اپنے ساتھیوں سے پیار کرتے تھے۔ اور پھر فرمایا اپنی پسند کے وکیل بتاؤ ہم اس مقدمہ میں وہی کریں گے۔ چنانچہ میں نے جن وکلاء کو تجویز کیا وہی وکیل مقرر ہوئے۔

انفرادی ملاقاتیں تو آخری دم تک ہر دوسرے تیسرے دن لازماً ہو جایا کرتیں تھیں مگر امیر صاحب سے ایک اجتمائی ملاقات کی صورت ہفتہ وار اجلاس بھی ہوتا تھا۔ جس کا ہفتہ بھر انتظار تھا۔ ساری عاملہ اپنے امیر کی باتیں سننے اور ہدایات لینے کے لئے بے تاب رہتی۔ عاملہ کا ہر کارکن آپ کے ایک ایک اشارے کو حکم سمجھتے ہوئے تعمیل کی پوری کوشش میں رہتا۔ خاکسار کی بیماری کے دوران مجھے ہدایت فرمائی کہ عاملہ کے اجلاس میں آجایا کریں میں گاڑی بجھوا دیا کروں گا۔ چنانچہ گاڑی آتی اور میں ہفتہ وار اجلاس میں چلا جاتا۔ یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ ایک دفعہ عاملہ کے اجلاس میں فرمایا کہ باقی دو زخمی ہونے والے دوست رانا محمد اشرف صاحب اور برادرم ارشد محمود صاحب تو معافی کے لئے رضا مند ہیں مگر صفدر وڑیچ معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے اب حضور کو رپورٹ کر دی ہے۔ میں نے دل میں سوچا ایک تو گولیاں کھائی ہیں اوپر سے مرزا صاحب دباؤ ڈال رہے ہیں لیکن خاموش رہا۔ اب اس کے بعد جب گھر آیا تو اپنا محاسبہ کیا اور ساری رات کی دعا کی کہ اے اللہ مجھے معاف فرما اور بچالے۔ یہی دعا ایک لمحہ سوئے بغیر کرتا رہا۔ صبح نماز کے بعد تلاوت کے لئے بیٹھا تو گھنٹی کی آواز آئی۔ گیٹ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مرزا عبدالحق صاحب گاڑی سے باہر نکل رہے ہیں۔ مجھے فرمانے لگے رات کو عاملہ میں سخت بات ہوئی تھی اس کی معذرت کے لئے آیا ہوں۔ خاکسار اپنے پیارے امیر سے لپٹ گیا۔ آپ فرمانے لگے آج آپ کے گھر سے ایک کیلا ایک انڈا اور ایک کپ دودھ بھی پیوں گا۔ یہ زائد مہربانی اور پیار کا اظہار تھا جو میرے جیسے کمزور انسان پر کیا گیا۔ پھر ایک گھنٹہ تک بیٹھے رہے۔

ایک دن خاکسار اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ اچانک برادرم ملک اظہر محمود صاحب آئے اور حضرت مرزا عبدالحق صاحب کا پیغام دیا کہ امیر صاحب نے فرمایا ہے کہ کوٹ مومن میں ایک واقعہ ہو گیا ہے۔ تم جاؤ

اور وہاں انتظامیہ سے بات چیت کرو۔ واقعہ یہ تھا کہ کوٹ مومن کے ایک احمدی بزرگ کی وفات ہوئی اور انہیں قبرستان میں دفنا دیا گیا۔مخالفین نے شور مچایا اور انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ مردہ نکالا جائے۔ اس پر انتظامیہ نے ہمارے چھ آدمی گرفتار کر لئے اور لاش نکالنے کی ہدایت کی۔ اس سلسلہ میں مَیں نے انتظامیہ سے بات کرنی تھی ۔حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں خاکسار نے بذریعہ فون تجویز دی کہ خاکسار کی بجائے مکرم نصر اللہ خان بھلی صاحب ایڈووکیٹ کا جانا مناسب ہوگا۔مکرم امیر صاحب نے فرمایا نہیں آج میں آپ کو وکیل بنا رہا ہوں۔جاؤ میں دعاؤں سے مدد کروں گا۔ چنانچہ خاکسار اور ملک اظہر صاحب بذریعہ موٹر سائیکل روانہ ہو گئے ۔ پہلے احمدی گھروں میں جا کر انہیں تسلی دی اور پھر تھانہ کوٹ مومن میں حاضر ہوئے۔ وہاں انتظامیہ سے بات کرنے سے پہلے بذریعہ فون امیر صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا بلا جھجک اپنا موقف بیان کرو۔ میں دعا کر رہا ہوں۔ کاش اس بات چیت کو قلم بند کرنا میرے بس میں ہو۔خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ انتہائی ایمان افروز نشستیں رات ڈھائی بجے تک جاری رہیں۔ ڈھائی بجے انتظامیہ سے ہم ڈھائی کنال قبرستان مع پنتالیس ہزار کی گرانٹ منظور کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہر نشست کی رپورٹ امیر صاحب کو دی جاتی رہی۔ وہ پیارا وجود ہمارا منتظر بیٹھا اور دعائیں کرتا رہا۔ دوسرے دن آپ کے پاس جا کر جب رپورٹ پیش کی تو حوصلہ افزائی کے لئے مجھے فرمانے لگے کہ آپ نے ایسا کام کیا ہے جو وکیل بھی نہیں کر سکتے ۔ یہ تھے پیار بھرے دلاسے جو ہمارے بزرگ امیر ہمیں دیا کرتے۔ آپ کا وجود ہمارے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔

1999ء میں نے اپنی بیوی کی بیماری کے باعث اور حصول اولاد کے لئے میں نے دوسری شادی کی اس میں سے اللہ تعالیٰ نے 9 مئی 97، یکم محرم بروز جمعۃ المبارک بیٹا عطا فرمایا۔ بچے کی پیدائش سے قبل امیر صاحب کو مطلع کیا کہ آج ولادت متوقع ہے۔آپ نے تین دفعہ مجھے فون کر کے پوچھا کہ کیا صورت حال ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں۔شام پونے سات بجے کی پیدائش کی اطلاع کی تو بہت خوش ہوئے۔ بڑی دعائیں دیں۔ جب بچے کو دیکھنے آئے تو قیمتی تحائف دے گئے۔ پہلی دفعہ ہمارے نئے گھر میں تشریف لائے تو ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ جو آپ کے لئے رکھی گئی تھی ۔ خاکسار اپنی والدہ محترمہ بیوی اور بچے کے ساتھ کچھ دوری پر بیٹھ گیا۔ بچے کو اپنی گود میں لیا اور بڑی لمبی دعا کروائی فرمایا کہ

جب میں سرگودھا ہجرت کر کے آیا تھا تو میں نے کوٹھی میں موجود سارا سامان گورنمنٹ کے بیت المال میں جمع کروا دیا اور خود فرش پر دری بچھا کر مع فیملی کئی ماہ تک گزارہ کیا۔ پھر اللہ تعالی نے ہر چیز مہیا فرما دی۔ آپ کے گھر میں تو اللہ تعالی کے فضل سے کافی اشیاء موجود ہیں ۔اللہ تعالی آپ کے گھر کو بھر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مجلس عاملہ میں تلاوت قرآن پاک کے سلسلہ میں کوئی بات ہوتو ایسے انداز میں خطاب فرماتے جیسے ایک عجیب قسم کے روحانی ماحول میں اتر کر بیان کر رہے ہوں۔ یہ سب کچھ قلم بند کرنا خاکسار کے بس کی بات ہی نہیں ۔ وہ پیارا وجود جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز، قرآن ، رسول پاک ﷺ ، حضرت امام مہدی علیہ السلام اور خلافت احمدیہ کا عاشق تھا ہم سے جدا ہو گیا۔ ایک دفعہ قادیان کے جلسہ میں شمولیت کا ارادہ تھا۔ دعا کے لئے حاضر ہوا تو مجھے فرمایا کاغذ پکڑ وفلاں کو فلاں سے ضرب دو کئی ضربیں دلوا کر پوچھا کیا جواب آیا ہے۔ میں نے بتایا 1486 تو فرمایا میں 1486 دفعہ قادیان گیا ہوں ۔ یہ تھا مرکز سے تعلق جو مجھے اس انداز میں آپ نے بتایا۔ آپ کی جدائی کو سرگودھا کا ہر احمدی ایسے محسوس کر رہا ہے جیسے ہم سب کا حقیقی باپ وفات پا گیا ہو۔

مقدور میں ہوتو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

خاکسار کو 21 سال آپ کے ساتھ خدمت دین کے کاموں میں شامل رہنے کا موقع ملا۔ آخری دفعہ 24 اگست 2020ء کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو پوری ہمت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ مجھے پیار سے تھپکیاں دیں اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور دعا کی کہ خدا تعالیٰ اور زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ پورے ہوش میں تھے بعض جماعتی اُمور کے متعلق بات کی اور ہدایات بھی دیں۔ بستر پر پڑے ہوئے بھی آپ اپنی ذمہ داریاں ادا فرماتے رہے۔

29 اگست 2009ء کو ساڑھے نو بجے کے قریب مجھے اطلاع ملی کہ آپ وفات پا گئے ہیں ۔ فوراً آپ کے گھر پہنچا۔ آپ کے معالج ڈاکٹر محمد محمود صاحب برآمدہ میں برستی آنکھوں کے ساتھ آپ کی وفات کی اطلاع فون کے ذریعہ کر رہے تھے۔ حضرت مرزا عبد الحق صاحب کی نعش مبارک کو جا کر ماتھے پر بوسا دیا۔ ایک چراغ بجھ چکا تھا۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو محض اپنے فضل سے جنت الفردوس میں حضور پاک ﷺ کے قدموں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔





گلدستہ

مرتبہ اے آر خان



عقلمند وہ ہے جو نفس کا محاسبہ کرے

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ

حضرت شداد بن اوس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے۔ اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی (ناجائز) آرزوؤں کی تکمیل کا خواہش مند رہے۔

(جامع ترمذی کتاب الزھد حدیث نمبر 2459)

کثرت سے تلاوت قرآن کریم کرو

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

''اپنے گھروں میں کثرت سے تلاوتِ قرآن کریم کیا کرو۔ یقیناً وہ گھر جس میں قرآن نہ پڑھا جاتا ہو اس میں خیر کم اور شر زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ گھر اپنے رہنے والوں کے لئے تنگ پڑ جاتا ہے۔''

(کنزالعمال حدیث نمبر:41496)



یہ زمانہ

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

یہ زمانہ اب وہی ہے جب اور بھی بہت ساری دلچسپیوں کے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ پڑھنے والی کتابیں بھی اور بہت سی آ چکی ہیں۔ اور بہت ساری دلچسپیوں کے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ انٹرنیٹ وغیرہ ہیں جن پر ساری ساری رات یا سارا سارا دن بیٹھے رہتے ہیں۔ اس طرح ہے کہ نشے کی حالت ہے اور اس طرح کی اَور بھی دلچسپیاں ہیں۔ خیالات اور نظریات اور فلسفے بہت سے پیدا ہو چکے ہیں۔ جو انسان کو مذہب سے دور لے جانے والے ہیں اور

مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں ہیں۔ دنیا میں سارا معاشرہ ہی ایک ہو چکا ہے۔ قرآنی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کی تعلیمات پر ہر جگہ عمل ہو رہا ہے۔ یہی زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہے۔ اسی زمانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قرآن کو متروک چھوڑ دیا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں جنھوں نے قرآن کریم کی اس متروک شدہ تعلیم کو دنیا میں دوبارہ رائج کرنا ہے اور آپؑ نے یہ رائج کرنا تھا بھی اور آپؑ نے یہ رائج کر کے دکھایا بھی ہے۔ آج ہم احمدیوں کی ذمہ داری ہے، ہر احمدی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی تعلیم پر نہ صرف عمل کرنے والا ہو، اپنے پر لاگو کرنے والا ہو بلکہ آگے بھی پھیلائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھائے۔ اور کبھی بھی یہ آیت جو مَیں نے اوپر پڑھی ہے کسی احمدی کو اپنی لپیٹ میں نہ لے۔ ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فقرہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ ہم ہمیشہ قرآن کے ہر حکم اور ہر لفظ کو عزت دینے والے ہوں۔ اور عزت اس وقت ہو گی جب ہم اس پر عمل کر رہے ہوں گے۔ اور جب ہم اس طرح کر رہے ہوں گے تو قرآن کریم ہمیں ہر پریشانی سے نجات دلانے والا اور ہمارے لئے رحمت کی چھتری ہو گا۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:83) اور ہم قرآن میں سے وہ نازل کرتے ہیں جو شفا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت ہے اور وہ ظالموں کو گھاٹے کے سوا اور کسی چیز میں نہیں بڑھاتا۔

پس ہمیں چاہئے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے تمام اوامر و نواہی کو سامنے رکھیں اور اس تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔ تبھی ہم روحانی اور جسمانی شفا پانے والے بھی ہوں گے اور قرآن کریم ہمارے لئے رحمت کا باعث بھی ہو گا۔ اور عمل نہ کرنے والے تو ظالم ہیں اور ان کے لئے سوائے گھاٹے کے اور کچھ ہے ہی نہیں، جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا۔ ان کی تو آنکھ ہی اندھی ہے۔ ان کو تو قرآن کریم کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

(خطبۂ جمعہ فرمودہ 21 اکتوبر 2005ء)



اسلام نے صفائی کے مؤثر طریقوں سے آگاہ کیا

جوں جوں دنیا بھر میں آبادی بڑھنے سے معاشرے میں خامیوں، کمزوریوں، بُرائیوں اور بیماریوں میں اضافہ

ہورہا ہے توں توں دنیا کی مختلف تنظیمیں اہم دن منا کر ان بیماریوں، کمزوریوں اور بُرائیوں سے آگاہی دے رہی ہیں۔ان میں سے 19 نومبر کو بیت الخلاء کا عالمی دن منایا جاتا ہے جس دن دنیا بھر کے ٹی وی چینلز، اخبارات، رسائل اور سوشل میڈیا وغیرہ اس حوالہ سے آگاہی دیتے ہیں کہ وہ کون کون سے ذرائع استعمال کئے جائیں جن سے انسان بیماریوں سے مبرا ہوسکتا ہے کیونکہ آج کل ایڈز اور کئی دوسری بیماریاں ایسی ہیں جو لیٹرین اور اپنے جسم کو صاف نہ کرنے اور رکھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

میں قربان جاؤں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ پر جنہوں نے آج سے 1400 سال قبل (جب دنیا اتنی مہذب بھی نہ تھی) اس حوالہ سے سبھی باریک سے باریک باتیں سمجھا دیں۔اس پر ہی تو ایک یہودی نے حضرت سلمان فارسیؓ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارا رسول تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی تمہیں سکھلاتا ہے۔اس کا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تم اتنے غیر مہذب ہو کہ تمہارا نبی تمہیں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی سکھلاتا ہے۔جس پر آپؓ نے اسے فرمایا کہ ہاں میرا نبی مجھے تو پاخانہ پھرنا بھی سکھلاتا ہے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے ہمیں سمجھایا کہ جب تم پاخانہ کرنے جاؤ تو اپنی اس جگہ کو صاف ستھرا رکھو۔غسل خانے کی زمین پر پیشاب کرنے سے پرہیز کرو۔خصوصاً جب غسل خانے کی زمین کچی ہو۔قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ کی طرف پشت کر کے نہ بیٹھو۔فراغت کے بعد مٹی کے ڈھیلے سے یا صاف پانی سے استنجا کرو۔خشک لید، ہڈی یا کوئلے وغیرہ سے استنجا نہ کرو۔اس سے بیماریاں پھیلتی ہیں اور جہاں صابن نہ ہو تو اپنے ہاتھوں کو مٹی سے خوب اچھی طرح مل کر دھولیا کرو۔آج کل تو صابن اور Saniitizers وغیرہ مل جاتے ہیں۔

پیشاب بیٹھ کر کرنے کو ترجیح دیا کرو۔اگر بیٹھنے سے مزید گندگی کا احتمال ہو تو جگہ کو اپنی کونڈی سے نرم کرلیا کرو تا چھینٹیں اپنے پر نہ پڑیں۔

واش روم میں جاتے وقت یہ دعا کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث

(بخاری) کہ اے اللہ! میں تیری مذکر و مؤنث شیطانوں سے پناہ چاہتا ہوں۔

اور پاخانہ سے فارغ ہو کر واش روم سے باہر آتے ہوئے یہ دعا کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (ابن ماجہ)

کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھ سے تکلیف دُور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی۔

اور ایک روایت میں غُفْرَانَکَ کی دعا بھی پڑھنے کی

تلقین ملتی ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ جب لیٹرینیں گھروں سے باہر ہوتی تھیں تو ہم یہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے والدین ہمیں یاد بھی کرواتے تھے۔مگر جب سے لیٹرین، باتھ روم اور پھر واش روم میں تبدیل ہوئی اور ہر کمرے کے ساتھ Attach Bathroom کا رواج آیا تو یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ تو گھر کا حصہ ہے۔ہم آہستہ آہستہ ان دعاؤں کو بھول گئے اور والدین نے بھی بچوں کو یاد کروانی چھوڑ دیں اور نہ ہی توجہ دلائی۔

آج دیکھیں کہ یہود ونصاریٰ ہر 19 نومبر کو بیت الخلاء کا عالمی دن منا کر ہمیں اسلوب وآداب سکھلانے جارہے ہیں جبکہ آج سے 1400 سال قبل انہی نصاریٰ و یہود نے اس سلسلہ میں آنحضور ﷺ پر طعنہ زنی کی تھی۔جبکہ ہمارے پیارے رسولؐ نے باتھ روم جانے سے پہلے خبائث سے پناہ مانگی ہے اور نکلتے ہوئے اس خدائے عزوجل کا شکرادا کرنے کی تلقین فرمائی۔جس نے اس رذیلہ مادہ کو جسم سے نکال کر تسلی کا ماحول پیدا کیا ہے۔ ذرا ان لوگوں سے اس تکلیف دہ کیفیت کا دریافت کریں جن کو قبض کی شکایت ہوتی ہے اور وہ کرب اور تکلیف میں وقت گزارتے ہیں۔اس لئے ہمارے رسولؐ نے خدا کا شکرادا کرنے کی تلقین کی اور باتھ روم کے ماحول کو پاک صاف رکھنے اور پانی کے استعمال کی تلقین فرمائی تا بیماریوں سے بچا جاسکے۔ یورپ میں جو لوگ پانی کی جگہ ٹشو استعمال کرتے ہیں ان میں اکثر بیمار ہی رہتے ہیں۔اسی لئے یورپ میں الرجی کی بیماری بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں۔

بھیج درود اس محسن پر تُو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰؐ سب نبیوں کا سردار



حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت حاجی میراں بخش رضی اللہ عنہ

مکرم غلام مصباح بلوچ۔کینیڈا لکھتے ہیں کہ

حضرت حاجی میراں بخش رضی اللہ عنہ ولد مکرم میاں محمد بخش قوم شیخ انبالہ کے رہنے والے تھے اور چمڑے کے کاروبار سے وابستہ تھے۔آپؓ نے 1904ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے کی توفیق پائی اور سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوگئے۔قبول احمدیت کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ بیان کرتے ہیں:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مسیحیت ومہدویت کے متعلق خاکسار نے ڈاکٹر بشارت احمد سے سنا جو اغلباً 1904ء میں انبالہ شہر سول ہسپتال میں

ڈاکٹر تھے۔ چونکہ انبالہ شہر میں مولویوں نے بہت سی غلط افواہیں اڑا رکھی تھیں۔ جن میں ایک یہ بھی تھی کہ نعوذ باللہ مرزا صاحب مرض جذام میں مبتلا ہیں۔ نیز وہاں ملاقات کرنے والے سے پہلے سب حالات معمول کر لئے جاتے ہیں۔ اور مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پردہ میں بیٹھ کر سن لیتے ہیں۔ اس لئے میں نے قادیان جا کر سب حالات دیکھنے کا ارادہ کر لیا اور 1905ء کی گرمیوں میں قادیان پہنچا اور جانے سے پہلے میں یہ مان چکا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔

خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے لئے مسجد مبارک میں پہنچایا گیا۔ مسجد مبارک اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ ایک سطر میں بمشکل چار پانچ آدمی کھڑے ہو سکتے تھے، میں اندرون مکان سے جو راستہ کھڑکی کے ذریعہ مسجد میں ہے۔ کھڑا ہو گیا اور جیسے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ مصافحہ کیا۔ آپ کے دست مبارک نہایت نورانی پائے اور مولویوں کی کہانیاں باطل ہوئیں اور بیعت کر لی۔

حضرت مولوی عبدالکریم ؓ صاحب نے نماز ظہر پڑھائی اور بعد نماز کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تھوڑی دیر مسجد میں تشریف فرما رہے۔ آپ نے فرمایا کہ آج کل چونکہ طاعون کا زور ہے۔ باہر سے مہمان آتے ہیں محتاط رہنا چاہئے تا کہ فتنہ کا باعث نہ ہو۔ غالباً مطلب یہی تھا کہ مہمانوں میں سے کوئی بیمار نہ ہو جائے۔ جب حضور علیہ السلام تشریف لے گئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے حضور کے پاؤں نہیں دیکھے۔ سو نماز عصر کے وقت حضور کے پاؤں بھی دیکھے۔ بالکل صاف و پاک تھے۔ خاکسار قادیان سے واپس امرتسر چلا آیا۔ جلد آنے کی وجہ طاعون کی بیماری کا زور تھا اور ساتھ ہی حضور نے جو کلمات فرمائے کہ کہیں کوئی بیمار نہ ہو جائے۔ میں ڈر گیا۔ امرتسر ایک شب ٹھہرا۔ وہاں سے ایک احمدی صاحب شمس الدین پہلوان نامی اسی شب امرتسر آئے اور ملے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور ؑ نے خاکسار کو ان الفاظ سے یاد فرمایا کہ وہ جو انبالہ سے مہمان آئے تھے وہ کہاں چلے گئے۔

(رجسٹر روایات صحابہ ؓ نمبر 12 صفحہ 286،287)

اپنی روایات میں آپ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں چونکہ چمڑے کا کاروبار کرتا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ حضور علیہ السلام کے لیے جوتے بنوا کر قادیان جاؤں اور حضور ؑ کو پیش کروں۔ قادیان پہنچنے پر جوڑا حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جوڑا خوب کھلا آیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گزشتہ سال کسی نے جوڑا بنا کر دیا جو نہایت تنگ اور تکلیف دہ تھا۔ اس واقعہ کے بعد خاکسار ایک یا دو مرتبہ قادیان گیا اور شرف ملاقات حاصل

کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپؓ خلافت کے ساتھ وابستہ رہے اور سلسلہ احمدیہ کے ساتھ اخلاص و وفا میں ترقی کرتے چلے گئے۔ انبالہ میں آپؓ کے حصہ میں یہ بھی سعادت آئی کہ آپ نے احمدیہ مسجد کی تعمیر کے لیے سارے اخراجات اپنی جیب سے ادا کیے اور 1933ء میں انبالہ میں جماعت احمدیہ کی نئی مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔

(الفضل 8۔اگست 1933ء، اخبار فاروق 14۔اگست 1933ء)

آپؓ نیک طینت اور خوش اخلاق انسان تھے۔ 1912ء میں آپؓ نے فریضہ حج کی سعادت حاصل کی۔ آپؓ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل ہیں، آپؓ کا نام ''مرحومین مشرقی پنجاب'' کے تحت درج ہے۔ آپ نے احمدیت کی خاطر کئی صعوبتیں برداشت کیں لیکن معاندین نے اس پر بس نہ کرتے ہوئے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور 13۔اگست 1940ء کی رات کو آپؓ کے گھر میں گھس کر آپ کو اور آپ کی اہلیہ محترمہ کو شہید کر دیا۔

آپؓ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا بشارت احمد عمر چھ سال اور ایک لڑکی عمر 10 ماہ چھوڑی، لڑکی تو تھوڑے عرصہ بعد ہی فوت ہو گئی لیکن بیٹا بفضلہٖ تعالیٰ قادیان میں پروان چڑھا، بشارت احمد اللہ تعالیٰ کے فضل سے حیات ہیں اور ٹورانٹو کینیڈا میں اپنے بیٹوں کے پاس مقیم ہیں۔



کائنات کی وسعت اور روشنی کی رفتار

ڈاکٹر مطلوب حسین اپنے کالم دل آئینہ ساز (مطبوعہ ایکسپریس 24 اکتوبر 2008ء) میں لکھتے ہیں۔

سائنسدانوں کی ریسرچ یہ ہے کہ روشنی کی سپیڈ ایک لاکھ 82 ہزار 2 سو میل فی سیکنڈ ہے۔ سائنسدان روشنی کی سپیڈ کو سب سے تیز رفتار چیز مانتے ہیں۔ اُن کی بات میں وزن بھی ہے۔ وزن اس لئے ہے کہ روشنی کی یہ سپیڈ اتنی سریع ہے کہ روشنی کی ایک لہر ایک سیکنڈ میں زمین کے گلوب کے گرد آٹھ مرتبہ گھوم جاتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ بیاسی ہزار دو سو میل فی سیکنڈ ہے۔ اگر روشنی کی ایک لہر اپنی پوری رفتار سے ایک سال تک چلتی رہے، تو ایک سال میں جتنا فاصلہ طے ہو گا اسے ''ایک نوری سال کہیں گے''۔ اگر حساب کیا جائے تو ایک سال میں یہ فاصلہ 57 کھرب، 39 ارب میل ہو گا، جو کلومیٹروں میں 91 کھرب، 82 ارب کلومیٹر بنتا ہے۔ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ اگر روشنی کی ایک لہر ایک

لاکھ بیاسی ہزار دوسو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کائنات کے ایک سرے سے دوسرے کی جانب سفر کرتی ہے تو وہ اپنا سفر کم وبیش 3 ارب نوری سال میں مکمل کر سکے گی۔ یہاں سے کائنات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب آپ ایک نوری سال کے دوران طے کئے گئے 57 کھرب، 39 ارب میل کے فاصلے کو 3 ارب نوری سال سے ضرب دیں۔ ہمارا شعور اتنی لمبی چوڑی گنتی کو گن ہی نہیں سکتا۔ یہاں آ کر انسان کا ذہن مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، اور اپنے آپ پر اترانے والا انسان پھر یہ خوب جان لیتا ہے کہ اتنی زیادہ وسیع وعریض کائنات میں اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ پھر خدا کا وجود تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ آئن سٹائن بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اتنی بڑی منظم کائنات کو چلانے والا کوئی تو ہے۔

آئن سٹائن کے مفروضے کے مطابق کائنات کا قُطر تین ارب نوری سال کے برابر ہے۔ آئن سٹائن نے یہ بھی کہا کہ اگر اس عظیم کائنات کے کسی گوشے میں کھربوں ستاروں پر مشتمل کوئی کہکشاں کریش ہو جائے یا دفعتاً بکھر جائے تو کائنات میں موجود ایک قوت'' قوت جاذبہ کی لہریں'' آناً فاناً اپنا ردعمل ظاہر کرتی ہیں اور نظام کائنات کا بیلنس قائم رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کائنات کے کسی گوشے میں اپنی عمر پوری کر کے فنا ہونے والا ستارہ یا سیارہ اپنی موت کے ساتھ کائنات میں ایسا ارتعاش پیدا کر دے کہ جس کی بناء پر یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ قوت جاذبہ کی لہروں کی رفتار اتنی زیادہ ہے کہ یہ کائنات کے ایک سرے سے دوسرے تک ''سڈن لی'' پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا کے موجودہ سائنسدان اب تک اسی قوت جاذبہ کی لہروں کو کائنات کی سب سے تیز رفتار چیز مان رہے ہیں...... لیکن کچھ لہریں ایسی بھی ہیں کہ جو قوت جاذبہ کی لہروں سے بھی انتہائی زیادہ سریع السیر اور بہت زیادہ تیز رفتار ہیں۔ ان کی سپیڈ اتنی زیادہ اور تیز ہے کہ کائنات کے بہت دور دراز زمانی ومکانی فاصلے نہ صرف ان کی گرفت میں ہیں بلکہ یہ لہریں ان فاصلوں کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتیں۔ ان لہروں کا منبع انسانی ذہن ہے۔ عرف عام میں انہیں ''انا کی لہریں'' بھی کہا جا سکتا ہے۔

انسان کو ایک صلاحیت دی گئی ہے کہ جسے ''تجسس'' کی صلاحیت کہتے ہیں۔ تجسس کی صلاحیتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان جب انہیں استعمال کرتا ہے تو اس کا ذہن ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے۔ انسانی تجسس اور ذہن کی قوت پرواز اتنی زیادہ ہے کہ ماورائے کائنات بھی انسانی ذہن اور تجسس کی گرفت میں ہے۔ بہت زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن میں تقریباً

ساڑھے سات سو آیات ایسی ہیں کہ جن میں کائنات پر تفکر، تسخیر، سوچ بچار اور غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے...... کیونکہ جب ہم ریسرچ، تفکر اور تجسس کی صلاحیتیں استعمال کرتے ہیں تو لا محالہ، ہمارا ذہن ماورائے کائنات میں موجود وریٰ الوریٰ ہستی ''اللہ تعالیٰ'' کی طرف چلا جاتا ہے۔



جنگوں میں حصہ لینے والے جانور

انسانی تاریخ میں ایک دوسرے کو مارنے کے نت نئے طریقوں کی دریافت میں نسلِ انسان نے ایک دوسرے پر سبقت لئے رکھی۔جنگوں نے ہلاکت کے طریقوں کی دریافت کے عمل کو تیز تر کیا پھر انسان نے معاونت کے لئے جانوروں کا رخ کیا۔سب سے پہلے آشوریوں اور اہل بابل نے کتوں کو جنگوں میں استعمال کیا۔دوسری عالمی جنگ کے دوران سوویت یونین نے انسانوں کے دوست اس جانور کو اینٹی ٹینک بارود میں بدل ڈالا۔بیسویں صدی کے اوائل تک گھوڑے جنگوں میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔آیئے جنگوں میں استعمال ہونے والے چھ جانوروں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہاتھی: کہا جاتا ہے کہ ہنی بال نے رومیوں کے خلاف ہاتھیوں کو استعمال کیا۔رومیوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ وہ اپنی صفوں میں حملہ آور ہاتھیوں کے گزرنے کی جگہ چھوڑ دیتے جس سے ہاتھی آرام سے نکل جاتے۔بالآخر ہنی بال کے ہاتھی کم پڑ گئے اور وہ جنگ ہار گئے۔

ڈولفن: ڈولفن کو سرد جنگ کے دوران 1960ء کی دہائی میں امریکا اور سوویت یونین نے جنگی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔انہیں بارودی سرنگوں اور غوطہ خوروں کو شناخت کرنے کی تربیت دی گئی۔ان سے یہ کام آج بھی لیا جاتا ہے۔جب روس نے یوکرین کے خودمختار علاقے کریمیا پر مارچ 2014ء میں قبضہ کر کے اپنے ساتھ ملایا تو یوکرینی بحریہ کے ڈولفن پروگرام کو بھی نشانہ بنایا گیا۔

چوہے: چوہوں کو دنیا کی افواج میں خوش آمدید نہیں کہا جاتا، یہ افواج کے لئے پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔بحری جہازوں میں گھس جائیں تو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں اور فوجی کیمپوں میں چلے جائیں تو بیماریاں پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔پہلی عالمی جنگ میں چوہوں نے مورچوں میں اتنا ہنگامہ برپا کیا کہ انہیں مارنے کے لئے بہت سارا اسلحہ استعمال کیا گیا تھا۔اسلحے کے ذخیرے کو بچانے کے لئے انہیں مارنے کے طریقے تلاش کرنا پڑے تھے۔تاہم اکیسویں صدی میں انہیں بارودی سرنگیں تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا جو ہر سال سینکڑوں افراد کی جانیں لے لیتی ہیں۔چوہوں میں سونگھنے کی صلاحیت بلا کی ہوتی

ہے۔اس لئے وہ ان بارودی سرنگوں کا بھی پتہ لگا لیتے ہیں جن کا سراغ الیکٹرانک آلات بھی نہیں لگا سکتے۔

چیمپینزی: سائنس دان بندروں اور چیمپینز یوں کو انسانوں کا پرانا دوست بتاتے ہیں۔مگران کے ہاتھوں میں بندوق نہیں پکڑائی جاسکتی۔تاہم سرد جنگ کے دوران شروع ہونے والی خلائی دوڑ میں چیمپنزی نے اہم کردار ضرور ادا کیا ہے۔انہیں تجرباتی طور پر خلاء میں بھیجا گیا۔

کبوتر: قبل از مسیح سے کبوتروں کو جنگوں میں پیغام رسانی کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔پہلی عالمی جنگ کے دوران مغربی محاذ کے دور دراز مقامات پر کبوتر ان اہم مقامات تک پیغامات پہنچانے کا ذریعہ تھے جہاں ٹیلی گراف کی سہولت میسر نہ تھی اور انسانوں کا آنا جانا بھی مشکل تھا۔اس جنگ میں شرایمی نامی کبوتری نے قریب دوسو امریکی سپاہیوں کی جان بچائی۔اس نے پیغام پہنچایا کہ آرٹلری کے گولے اتحادی سپاہ پر گر رہے ہیں۔دوسری عالمی جنگ میں برطانوی خفیہ ادارے ایم آئی فائیو نے کبوتروں کے ذریعے خفیہ پیغام رسانی سے نپٹنے کے لئے فضاؤں میں عقاب چھوڑے۔بعد ازاں منظر عام پر آنے والی دستاویزات سے معلوم ہوا کہ عقاب کسی ایک بھی دشمن کبوتر کو گرانے میں ناکام رہے۔تاہم دو دشمن کبوتروں کو ''جنگی قیدی'' ضرور بنایا گیا۔

پہاڑوں کے متعلق مفید معلومات

مکرم فہیم احمد تحریر کرتے ہیں کہ



سطح زمین سے بلند جگہ جو اپنی اردگرد کی زمین سے اٹھی ہوئی ہو اور نسبتاً زیادہ ٹھوس ہو خصوصاً وہ جگہ جس کی چوٹی بھی ہو پہاڑ کہلاتی ہے پہاڑ بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔پہاڑ Volcanism یا Tectonic Plates کے ذریعے بنتے ہیں۔ یہ پہاڑ دریاؤں کے زور سے موسمی اثرات سے گھٹتے رہتے ہیں۔خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں پہاڑوں کو دو ناموں سے پکارا ہے۔1۔ جَبَلٌ 2۔رَوَاسِیٌ

1۔جَبَلٌ: (ج) جِبَال۔ اِسْم لِکُلِّ وَتَد مِنْ اَوْتَادِ الْاَرْضِ اِذَا عَظُمَ وَطَال وَ اَمَّا صَغُرَ وَ انْفِرَادُ فَھُوَ مِنَ الْقِنَانِ وَ الْاَ کُم (لسان العرب)

2۔ رَوَاسِیٌ: (ج) رَسَا ۔ رَسَا الْجَبَل یَرْسُوْا اِذَا ثَبت اَصْلہُ فِی الْاَرْضِ (لسان العرب)

پہاڑ کیسے بنتے ہیں؟

پہاڑ کیسے بنتے ہیں یہ جاننے کے لئے زمین کا سٹرکچر جاننا بہت زیادہ ضروری ہے۔ بنیادی طور پر زمین کے

مندرجہ ذیل 3 حصے ہیں۔

Core,Mantle Crust

مگر کام کے لحاظ سے اس کے 5 حصے ہیں۔

Inner Core

یہ زمین کا سب سے اندرونی حصہ ہوتا ہے اور درجہ حرارت کے لحاظ سے انتہائی گرم ترین حصہ ہے۔

Outer Core

Inner Core کا اوپر والا حصہ یہ Inner Core سے قدرے کم گرم ہوتا ہے مگر پھر بھی اس کا درجہ حرارت 4 ہزار سینٹی گریڈ بتایا جاتا ہے

Mantle

Outer core سے اوپر والا حصہ یہ حصہ Outer Core سے قدرے ٹھنڈا ہوتا ہے مگر اس کا درجہ حرارت قریب 3000 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔

Upper Mantle Lithosphere

Crust اور Uper Mantle کو ملا کر جو حصہ خشکی کا بڑا خطہ بنتا ہے اسے Tectonic Plates کہتے ہیں۔ اس کا حجم قریباً 100km ہے۔

Crust

زمین کا سب سے بیرونی حصہ Crust ہے۔ اس کی دو اقسام Continental Oceanic

Continental Crust کا فاصلہ Convection Current کہلاتا ہے۔ اس چکر کی وجہ سے Tectonic Plates مسلسل حرکت کر رہی ہیں اور یہ رفتار اتنی کم ہے کہ ایک سال میں ایک پلیٹ 4 سے 5cm حرکت کرتی ہے جہاں دو پلیٹیں آپس میں ملتی ہیں اسے Boundaries کہتے ہیں۔ دنیا میں 8 بڑی Major پلیٹیں ہیں۔

African, Australian,Indian Plate,

Eurasian, N.American, Antarctic

,S.AmericanPacific

یہ پلیٹیں 3 طرح سے حرکت کر رہی ہیں۔

Convergent Boundary

Divergent Boundary ,Transform

Boundary ,Convergent

جو دو پلیٹیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہوں ایک دوسرے سے مل رہی ہوں اسے Convergent کہتے ہیں۔

Divergent جب دو پلیٹیں ایک دوسرے کے مخالف سمت میں حرکت کر رہی ہوں تو اسے Divergent کہتے ہیں۔ Upper Mantle سے 40 سے 70km ہوتا ہے۔ اور Oceanic Crust

کا Mantle سے فاصلہ صرف 6km ہوتا ہے۔

Tectonic Plates کیا ہیں؟

20 ویں صدی کی ابتداء میں ایک سائنسدان نے یہ انکشاف کیا کہ زمین مختلف خطوں میں بٹی ہوتی ہے اور یہ حصے مسلسل حرکت کر رہے ہیں اس سائنسدان کا نام Alfred Wegener تھا اس نے یہ انکشاف کیا کہ زمین ٹکڑے مسلسل آہستہ آہستہ حرکت میں ہیں اور یہ سب ٹکڑے پہلے ایک ہی بڑا ٹکڑا تھا 200 Million سال پہلے اسے Pangaea کہتے تھے۔ پہلے اس کی اس تھیوری کو کسی نے نہیں مانا مگر اس نے اپنے نظریات قلمبند کر دیئے اور مر گیا۔ اب سائنسدانوں نے جب مزید تحقیق کی ہے تو تب انہوں نے Alfred کی اس بڑی کامیابی کو سراہا۔ Tectonic Plates جو حرکت کرتی ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کرتی ہیں اس کام کو Plate Tectonics کہتے ہیں یہ خشکی کے بڑے ٹکڑے Convection Current کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں۔

پہاڑوں کی اقسام

پہلے زمین کی ساخت اور پھر Tectonics کے بارے میں جاننا ضروری تھا اب بتائیں گے کہ پہاڑ کیسے بنتے ہیں Tectonics کا پہلے اس لئے بتایا گیا اور ان کی حرکت کا بھی کیونکہ پہاڑ بنتے ہی Tectonics کی حرکت سے ہیں۔

قرآن کا معجزہ

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا یعنی اور ہم نے پہاڑوں کو میخیں بنایا۔ پہلے لوگ قرآن کریم پر مذاق کرتے تھے کہ پہاڑ تو صرف وہی ہے جو ہمیں آنکھوں سے نظر آتا ہے وہ زمین سے اوپر ہے زمین کے نیچے ہونا مذاق ہے۔ حالانکہ اور نیچے ہونے سے مراد گڑے ہوئے ہونا ہے۔ مگر آج کی سائنس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ پہاڑ کی جڑیں بھی ہوتی ہیں جو بہت زیادہ زمین کے اندر ہوتی ہے۔ Frank Press جو بہت زیادہ مشہور Geologist ہیں۔

انہوں نے اپنی مشہور اور مستند ترین کتاب The Earth میں لکھا ہے کہ پہاڑ زمین کو ایسے سٹیبل رکھتے ہیں جیسے کیل، میخ سے مراد وہ بڑی کیلیں ہیں جو خیمہ کو تیز ہوا سے اکھڑنے سے روکتی ہیں۔

غرض قرآن میں خدا نے تب یہ بات بتائی جب یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مثال کے طور پر ماؤنٹ ایورسٹ یہ 9Km اوپر ہے جو ہمیں دکھائی دیتا ہے جبکہ 125km نیچے کو ہے۔






مسجد بیت الصمد، جرمنی



مسجد بیت العافیت، جرمنی



مسجد بیت المقیت، افریقہ



مسجد ناصر، آئیوری کوسٹ، افریقہ